Tah

[redacted]

تاریخِ جرم و سزا

جلد اوّل کا دوسرا حصّہ

از

امداد صابری

قیمت تین روپے

معنونْ

میں اس جیل کی زندگی کے یادگار مجموعہ کو اپنی

والدہ محترمہ مسماۃ اللہ بندی کے نام معنون کرتا ہوں،

جنہوں نے

میرے جیل کے زمانے میں رو رو کر میری یاد میں اپنی آنکھیں کھوئیں

اور

کبھی کسی تکلیف یا دُکھ کو قومی کاموں میں حائل نہیں ہونے دیا

اللہ تعالیٰ

مجھے ان کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

امداد صابری (نظر بند)
چوڑی والان دہلی

پہلا ایڈیشن یکم جون ۱۹۴۴ء
دوسرا ایڈیشن یکم جنوری ۱۹۴۵ء
تیسرا ایڈیشن یکم اپریل ۱۹۴۶ء

مختصر حالاتِ زندگی مولانا امداد صابری

وجہ تسمیہ امداد صابری کا پیدائشی نام امداد الرشید ہے ان کے والد ماجد مولانا اشرف الحق صاحب مرحوم و مغفور، حضرت حاجی امداد اللہ شاہ صاحب مہاجر مکی رح کے مرید و خلیفہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کے شاگرد رشید تھے جن کو اپنے پیر و استاد دونوں سے انتہائی محبت تھی۔ اسی محبت و عقیدت نے پیر و استاد کے متبرک و مقدس ناموں کے جوڑ سے صاحبزادے کا نام رکھوایا تھا۔

معترضوں نے کہا بدعتی ہو گئے، رشید گنگوہی رح کی امداد کیسی، عقیدت مند نے دنداں شکن جواب دیا "رشید" خدا کا نام ہے۔ خدا کی امداد سے کون منحرف ہو سکتا ہے۔

پیدائش جنگ عظیم ۱۴ء کے جنگی زمانے میں یہ جنگی اسپرٹ کا آدمی ۱۶ اکتوبر مطابق ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ بروز جمعہ بوقت علی الصبح پیدا ہوا، گھر میں کوئی لڑکا نہ تھا۔ انتہائی خواہشوں کے بعد خدا نے گھر والوں کی مراد پوری کی۔

تعلیم ہوش سنبھالا، اور ابتدائی دینی تعلیم اور اردو لکھنی پڑھنی سیکھی ۲۴ء میں گھر پر انگریزی کا استاد رکھا گیا۔ ۲۷ء میں حافظ رحمت اللہ صاحب سے مدرسہ دار الہدیٰ کشن گنج میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اور پہلی محراب مسجد حوض والی جوڑیوالان میں سنائی۔ فارسی عربی کی کتب مظاہر العلوم سہارنپور میں پڑھیں۔ ۳۰ء میں ادیب فاضل کا امتحان پنجاب یونیورسٹی میں دیا۔ عروض حضرت نواب سراج الدین احمد

خاں سائل مرحوم اور مولانا ناصر جلالی سے حاصل کی اور ۳۲ء میں ہندی جیل کے اندر سیکھی۔ ادبی ذوق پیدا ہوا۔ ان کے والد نے مولانا راشد الخیری کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور ان کے سامنے زانوئے ادب طے کرایا۔

سیاسی ماحول

زمانہ پلٹ چکا تھا، مذہبی اکھاڑے، دیوبندی بریلوی قضیئے ٹھنڈے ہو چکے تھے اور اقتصادی بدحالی نے سیاسی جھگڑے چھیڑ دیئے تھے، ماحول تیز طبیعتوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ جب آپ نے دیکھا کہ قوم کی حالت ناگفتہ بہ ہے اور انتہائی برے مدارج پر پہنچ گئی ہے تو آپ سے نہ رہا گیا۔ آپ نے یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی کی وجہ شریف ٹولیاں اور اڈے ہیں جو مسلمانوں کے اوقاف پر قابض ہیں اور مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں کر رہے ہیں۔

چنانچہ آپ نے اوقاف کے سرمایہ کی حفاظت اور اس کے صحیح مصرف کرانے کا بیڑا اٹھایا اور ۳۶ء میں جامع مسجد دہلی کے ممبر پر اصلاحی تقریروں کا سلسلہ شروع کیا جاہ پرست بھلا اس اصلاحی تحریک کو خاموشی سے کیسے برداشت کر سکتے تھے انھوں نے بھی مخالفت شروع کی اور تحریک کو دبانا چاہا، جتنی دبانے کی کوشش کی گئی وہ اتنی ہی ابھری۔ چنانچہ لوگوں نے منتظم کمیٹی جامع مسجد کی شکایتیں پیش کرنا شروع کیں۔ دبی ہوئی چیزیں ابھرنے لگیں۔

جہاں اور پریشان کن واقعات سامنے آئے وہاں ایک واقعہ یہ بھی آیا کہ امام جامع مسجد سید حمید سودی دستاویز لکھتے ہیں۔ یہ واقعہ مسلمانوں کے لئے اور خاص طور پر جامع کے مقتدیوں کے لئے انتہائی پریشانی کا باعث بنا۔ شہر میں ایک بے چینی سی

پھیل گئی، سب کو اپنی نمازوں کی فکر ہوئی، مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ سود لینے یا دینے والا فاسق ہے اور اُس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

چنانچہ مئی ۱۹۳۷ء کے ایک جمعہ کا واقعہ ہے کہ جب مولانا صابری نے یہ واقعہ نمازِ جمعہ کے بعد جلسہ میں پیش کیا تو حاضرینِ جلسہ جنکی تعداد تقریباً پانچہزار تھی اُنہوں نے جمعہ کی دوبارہ نماز پڑھی اور آئندہ کیلئے فیصلہ کیا کہ وہ ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھینگے۔

دعوتِ مباہلہ اس فیصلہ نے شہر کے کونہ کونہ میں منتظمہ کمیٹی کے خلاف آواز پہنچا دی ممبرانِ منتظمہ کمیٹی بوکھلا گئے اور اعلان نکالا کہ یہ الزام غلط ہے۔ سید حمید نے سودی دستاویز نہیں لکھی۔ اس سلسلہ میں کافی ہنگامہ آرائی ہوئی، آخر جب کوئی فیصلہ نہ ہوسکا تو مولانا صابری نے ۹ جولائی ۳۷ء جمعہ کے لئے ایک پوسٹر دعوتِ مباہلہ نکالا۔

مقدمات جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۹ جولائی کو نمازِ جمعہ سے قبل جامع مسجد کے اردگرد تقریباً پانچسو پولیس کی جمعیت نے آکر مولانا صابری کو جامع مسجد کے دریبہ والے دروازے سے داخل ہوتے وقت ۱۰۷ نقضِ امن کی دفعہ کے ماتحت گرفتار کرلیا جس میں سال بھر کی ضمانت ایک ہزار روپیہ کی لی گئی۔ ۳ جنوری ۳۸ء کو سردار دیوسنگھ مجسٹریٹ درجہ اوّل نے یہ فیصلہ سُنایا۔

اسی اثناء میں مقدمہ کی کاروائی "تیج" میں شایع ہوئی، اس میں سید حمید کی جگہ امام سید احمد کا نام کاتب کی غلطی سے کہیں لکھا گیا، یہ تیج کی شایع کردہ کاروائی نقل کرکے چند آدمیوں نے پوسٹر کی شکل میں شایع کردی جس پر شمس العلماء "مہند" سید احمد نے ان چند آدمیوں (جنمیں شیخ عبدالستار جنرل سکریٹری ملک چنٹ یونین سلیم الدین اور

میاں اکبر ا مولانا صابری کے خلاف دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند ہتک عزت کا مقدمہ دائر کر دیا۔ یہ مقدمہ مسٹر ڈیمس ہیڈ اینشل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہُوا مولانا صابری اور اُن کے حامیوں کی اس تحریک سے کیا غرض تھی وہ آپ امام سید احمد کی زبانی سُنئے جو انہوں نے اس مقدمہ میں بحیثیت مستغیث عدالت مذکور میں ۲۵ مئی ۱۹۳۶ء کو اپنے بیان میں کہا۔

مسلمانوں نے مجھے امام جامع مسجد منتخب نہیں کیا میرے پاس کوئی سند عالم ہونے کی نہیں ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا مسلمان پبلک کا یہ منشا ہے کہ وہ امامت کے عہدے کا تقرر وراثتاً تبدیل کر کے کسی بہتر سے بہتر آدمی کا تقرر اس کی جگہ کرنا چاہتے ہیں مگر ملزمان کی پارٹی کا یہ منشا ضرور ہے جو ان کے شایع کردہ لٹریچر سے جو وقتاً فوقتاً شایع کرتے رہتے ہیں پایا جاتا ہے۔

اسی کے ساتھ جب امام صاحب سے جرح کی گئی اور ان کو سودی دستاویزات دکھائی گئیں تو اس پر انہوں نے جو فرمایا وہ یہ تھا۔

رہن نامہ یکم ستمبر ۱۹۲۳ء اور رہن نامہ دویم ۲۱ جون ۱۹۳۰ء کو میرے بیٹے سید حمید نے تحریر کئے ہیں اس میں جو شرائط تحریر کی گئی ہیں وہ سود کی حد تک پہنچی ہیں۔ ان رہن ناموں کا میرے بیٹے نے سود دیا لیکن بعد میں توبہ کر لی تھی۔ یہ رہن نامے رجسٹری شدہ ہیں۔

اس بیان کے بعد عدالت نے مولانا صابری کو ۱۷ ستمبر ۱۹۳۶ء کو دفعہ ۵۰۰ کے ماتحت چھ ماہ اور پانچ سو روپیہ جرمانہ اور عدم ادائگی کی شکل میں تین مہینے مزید قید کی سزا دی جس کا اپیل عدالت سشن میں ہُوا۔ ۲۰ جنوری ۱۹۳۷ء کو

اس کا فیصلہ مسٹر کھنڈاری سشن جج نے سنایا اور مولانا صابری کو بری کیا۔

کانگریس کمیٹی کی سکریٹری شپ

ان اصلاحی اور سیاسی سرگرمیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا صابری ۱۹۳۷ء میں دہلی کانگریس کمیٹی کے سکریٹری منتخب ہوئے، آپ ہی کی سرکردگی میں دہلی صوبہ کی توسیع اور صوبہ اسمبلی کے قیام کی تحریک شروع کی گئی اور ۲۲ر جولائی ۱۹۳۸ء کو بطور پروٹسٹ ہڑتال کا پروگرام رکھا گیا جس کی قیادت کرتے ہوئے مولانا صابری معہ اپنے ستر ساتھیوں کے سبزی منڈی پر پکٹینگ کرنے کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے اور مسٹر کپور کی عدالت سے سزا پاکر جیل بھیج دئے گئے۔

اس سزایابی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا صابری کی ایک ہزار روپے کی ضمانت جو ۱۰۷ کے پہلے مقدمہ میں دی گئی تھی ضبط کر لی گئی۔

چوتھا مقدمہ ۵ر اگست ۳۹ء کو فراشخانہ پر فارورڈ بلاک کا جلسہ کرنے کے سلسلہ میں چلایا گیا۔ گرفتار ہوئے اور ۱۱ر اگست کو سزایاب ہوئے۔ پانچواں مقدمہ ۲ر اپریل ۴۰ء کو دہلی سی آئی ڈی کے ڈپٹی گوپال داس نے ڈیفینس آف انڈیا دفعہ ۳۹ کے ماتحت خلاف قانون لٹریچر قبضہ سے نکلنے کے الزام میں دائر کیا۔ جس کی شنوائی کچھ عرصہ مسٹر لوئیس نے اور بعد میں ان کے تبدیل ہونے پر مسٹر ایسر نے کی۔ چنانچہ انہوں نے ۱۷ر فروری ۱۹۴۱ء کو اس مقدمہ کا فیصلہ سنایا اور ڈپٹی گوپال داس کے بیان پر یقین نہ کرتے ہوئے مولانا صابری کو بری کیا۔

چھٹا مقدمہ آپ پر میونسپل کمیٹی نے اگست ۴۱ء میں چلایا جس میں ان کو ناکامیابی ہوئی اور مولانا صابری بری ہوئے۔

جماعتی ذمہ داریاں

آپ ۱۹۳۸ء و ۱۹۳۹ء میں دو سال تک مسلسل دہلی کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری رہے۔ ۱۹۴۰ء میں دہلی صوبہ فارورڈ بلاک کانفرنس کے صدر استقبالیہ اور ۱۹۴۱ء میں دہلی صوبہ فارورڈ بلاک کے صدر منتخب ہوئے۔ اور اسی سال آپ نے سی، پی، برار فارورڈ بلاک امراؤتی کانفرنس کی صدارت فرمائی۔

شادی

۹ اپریل ۱۹۳۹ء مطابق ۱۸ صفر ۱۳۵۸ھ کو حافظ عبدالحکیم صاحب مالک جنرل بوٹ ہاؤس کی صاحبزادی کے ساتھ عقد ہوا۔ عقد مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند نے پڑھایا۔

حکومت کا عتاب

آپ ۱۹۴۰ء میں علاقہ نمبر ۱۰ انتخابی میں میونسپل کمیٹی کے انتخاب کے لئے امیدوار ہوئے تو دہلی حکومت نے اجازت نہیں دی اور وجہ یہ بیان کی کہ یہ شخص خطرناک ہے اور پولیٹیکل مقدمات میں سزا پا چکا ہے۔

امپرومینٹ یونین

۱۹۳۸ء کے وسط میں امپرومینٹ ٹرسٹ دہلی نے دہلی اجمیری گیٹ اسکیم چلانی چاہی اور اس میں صفائی و ستھرائی کے بجائے علاقوں کا صفایا کرنا چاہا تو علاقہ اجمیری دہلی گیٹ کے باشندوں نے امپرومینٹ یونین کی بنیاد رکھی اور مولانا صابری کو اس کی صدارت پر فائز کیا۔

جس میں صابری صاحب نے حیرت انگیز کام کیا۔ نہ دن کو دن سمجھا اور نہ رات کو رات جانا۔ شب و روز کے ایک طوفانی پروپیگنڈہ میں مصروف ہو گئے۔ میونسپل کمیٹی پر ہزاروں غمزدہ اور بیتاب انسانوں کے مظاہروں سے ممبران کو مجبور کیا

کہ وہ اس اسکیم کو اپنے اجلاس میں مسترد کر دیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا میونسپل کمیٹی کی میٹنگ میں وہ اسکیم مسترد ہوئی۔ جو اسکیم کے حامی تھے وہ بھی مخالفت کرتے نظر آ رہے تھے ان کو بھی حمایت کرتے نہیں بنتی تھی۔ اس اسکیم کا میونسپل کمیٹی سے جنازہ نکالنے کے بعد اس کو دفنانے کیلئے نیو دہلی امپروومینٹ ٹرسٹ کے دفتر پر ماتمی جھنڈیوں سے مظاہرہ کیا گیا۔ جو اثر کے اعتبار سے اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ اس جلوس کے بعد اس اسکیم نے اب تک سر نہیں اٹھایا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھنڈی ہو گئی۔

اصلاح میونسپل کمیٹی

۱۹۳۸ء کے اختتام پر جب کہ امپرومینٹ ٹرسٹ دہلی کی اجمیری گیٹ دہلی سکیم سے مولانا صابری فارغ ہوئے تو میونسپل کمیٹی کی طرف توجہ دی، اور ضروری سمجھا کہ جب تک پبلک کی دلچسپی میونسپل کمیٹی کے معاملات میں نہ پیدا کی جائے گی اس وقت تک میونسپل کمیٹی کا درست ہونا ناممکن ہے۔ چنانچہ دہلی کے آزاد خیال نوجوان طبقہ نے جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی قائم کی اور اس کا انتخاب کر کے مولانا صابری کو اس کا صدر بنایا۔

پانچ منٹ کے لئے بجلی گل

جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی نے میونسپل کمیٹی سے مطالبہ کیا کہ وہ خود دہلی میں بجلی سپلائی کرنے کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے تاکہ ملکی سرمایہ غیر ملکی کمپنی کو نہ ملے۔

اس آواز پر میونسپل کمیٹی نے دہلی حکومت سے بجلی کے لائسنس کے ملنے کی اجازت چاہی جو نامنظور کر دی گئی۔ اس کش مکش میں میونسپل کمیٹی نے چیف کمشنر کے اپنا پروٹسٹ بھیجا ادھر جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی نے بجلی کمپنی کے

خلاف قدم اُٹھایا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ بجلی کے ریٹ میں تخفیف کرے اور جو یونٹ اس کو تین پیسہ میں پڑ رہا ہے اُس کے چار آنے وصول نہ کرے۔

یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ دہلی کی پبلک غیر ملکی بجلی کمپنی کے ہاتھ میں بجلی سپلائی کرنے کا انتظام دینا پسند نہیں کرتی اور موجودہ بجلی کی قیمت کو زیادہ سمجھتی ہے جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی نے عملی قدم یہ اُٹھایا کہ ۱۲ مئی سنہ ۱۹۳۹ء کو رات کے آٹھ بجے پانچ منٹ کے لئے بجلی گل کی جائے، چنانچہ بجلی گل ہوئی اور رات کے آٹھ بجتے ہی آناً فاناً میں تمام شہر میں اندھیرا چھا گیا۔

ٹرامویے بائیکاٹ

دوسرا احتجاجی قدم ٹرامویے بائیکاٹ کا اُٹھایا گیا۔ ۷ رجولائی سنہ ۱۹۳۹ء کو کوئی شخص ٹرامویے پر سوار نہیں ہوا اور تانگوں پر سفر ہوا۔

مکانات پر دُگنا ٹیکس

سنہ ۱۹۴۱ء میں مولانا صابری جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی کے دوبارہ صدر منتخب ہوئے کمیٹی نے دُگنا ہاؤس ٹیکس کرنا چاہا تو زبردست ایجی ٹیشن ہوا۔ ۲۷ رجون سنہ ۱۹۴۱ء کو شہر میں مکمل ہڑتال رہی۔

ٹیکس کا جنازہ

دُگنے ہاؤس ٹیکس کے خلاف دوسرا قدم ۳ رجولائی سنہ ۱۹۴۱ء کو میونسپل کمیٹی پر مظاہرہ کرنے کا اُٹھایا گیا، اس مظاہرے میں خاص چیز ڈبل ہاؤس ٹیکس کا جنازہ تھا جس نے واقعتاً دُگنے ہاؤس ٹیکس کے حامیوں کے دم خم ختم کر دیئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مجبوراً یہ فیصلہ کیا کہ یہ تجویز جنگ کے بعد تک ملتوی کر دی جائے۔

ایک لاکھ روپے سے آٹے کی دکانیں

جنگ کی وجہ سے دہلی میں غلہ کے بیوپاریوں نے جب غریب و مفلس پبلک کو تنگ و پریشان کرنا شروع کر دیا تو جماعت اصلاح میونسپل کمیٹی نے میونسپلٹی سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک لاکھ روپے سے آٹے کی دکانیں کھولے جس میں سستا اور اچھا آٹا سپلائی کیا جائے۔

اس تجویز کو کامیاب کرنے کے لئے احتجاجی جلسے ہوئے جلوس نکالے گئے جس کے سامنے کمیٹی کو جھکنا پڑا۔ اور اس نے دہلی کے تمام علاقوں میں ایک لاکھ روپے سے آٹے کی سستی دکانیں کھولیں۔

آل انڈیا غلہ کانفرنس

۱۹۴۳ء میں کنٹرول کی بدانتظامیوں کے خلاف اصلاح میونسپل کمیٹی کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان آل انڈیا غلہ کانفرنس پنڈت ہردے ناتھ کنزرو کی صدارت میں ہوئی۔ اس کے کرتا دھرتا یعنی جنرل سکریٹری مولانا صابری تھے۔ اس کانفرنس میں مسٹر ستیہ مورتی، مسٹر ست نرائن سنہا، ایم ایل اے، مسٹر ہری پرکاش ایم ایل اے مسٹر موہن لال سکسینا ایم ایل اے وغیرہ نے تقریریں کیں۔

پیٹوں پر پتھر بندھا جلوس

اس کانفرنس کے روز پیٹوں پر پتھر باندھ کر جلوس نکالنے کا پروگرام رکھا گیا تھا جو انتہائی کامیاب رہا اور ہزاروں انسانوں نے بے کسی و بے بسی اور بھوک کا مظاہرہ کرنے کے لئے اپنے پیٹوں پر پتھر باندھ رکھے تھے اور "ہائے روٹی" "ہائے روٹی" کے نعرے لگا رہے تھے۔

تیغ کی اڈیٹری فروری ۴۲؁ء سے آپ نے اخبار تیغ دہلی کے ادارہ میں شرکت کی اور اڈیٹری کے فرائض اگست ۴۲؁ء تک انجام دیتے رہے۔ اخبار کی پالیسی اصلاحی رہی۔

نظر بندی ۱۵ اگست ۴۲؁ء کو رات کے ڈھائی بجے فارورڈ بلاکسٹ ہونے کی حیثیت سے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ میں گرفتار کرکے نظر بند کر دیئے گئے۔ اور پندرہ ماہ کی نظر بندی کے بعد آپ دہلی جیل سے ۳۰ نومبر ۴۳؁ء کو رہا کئے گئے۔

دہلی جیل کے دروازے پر آپ کو نوٹس دیا گیا کہ آپ کسی سیاسی جلسہ میں شامل نہ ہوں نہ دس آدمیوں سے زیادہ کے مجمع میں شریک ہوں۔ نیز علاقہ نمبر ۹ میں نظر بند رہیں۔ بلا اجازت اس سے باہر نہ جائیں۔

آپ نے نظر بندی کے دوران میں اس بات کی اجازت چاہی کہ علاقہ نمبر ۹ سے پندرہ قدم کے فاصلہ پر میری جائداد ہے اس کے کرایہ کی وصولیابی کے لئے جانے کی اجازت دی جائے تو اس کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ آپ کاروبار کے سلسلہ میں لاہور جانا چاہتے تھے جب قانونی اجازت طلب کی تو جواب ملا کہ جاؤ۔ لیکن لاہور کے تھانہ میں جاکر رپٹ لکھواؤ۔ اور آتے وقت تھانہ میں اطلاع دو۔

آپ نے اس بے عزتی کو گوارا نہیں کیا۔ اور لاہور جانے کے پروگرام کو منسوخ کرنا عزت سمجھا۔

فروری ۴۵؁ء میں آپ کو علاقہ کی نظر بندی کو توڑنے کے سلسلے میں

گرفتار کیا۔ اور الزام لگایا کہ آپ اپنے علاقہ سے پندرہ قدم کے فاصلے
پر کھڑے تھے۔

شاہی قیدی

اسی مقدمہ کے دوران میں اگست ۱۹۴۵ء کے آخر میں آپ کو گرفتار کر کے شاہی قیدی بنا دیا گیا۔ آپ پر پہلے یہ الزام لگایا گیا کہ آپ نے سبھاش بابو کے جاپانی ساتھیوں کی مدد کی؛ اور ان کو اپنے گھر میں ٹھیرایا۔ اور اسٹیشن تک پہنچانے کا انتظام کیا۔

یہ الزام درست ثابت نہ ہو سکا اور لاہور ہائی کورٹ میں دہلی حکومت کو چیلنج کرنے کے لئے ہیبس کارپس کی درخواست داخل کی گئی تو مجبوراً دہلی حکومت کو رہا کرنا پڑا۔

شاہی قیدی کی حالت میں علاقہ کی پابندی توڑنے کا مقدمہ بھی جاری رہا۔ اور انہی دنوں میں اے۔ ڈی کی عدالت نے مقدمہ مذکور میں پوری قوت صرف کر کے تیرہ ماہ کی سزا کا حکم سنایا۔ لیکن سیشن جج نے آپ کو بری کر دیا۔

جیل کی زندگی

آپ کی جیل کی زندگی ہمیشہ خوددارانہ رہی۔ آپ نے کبھی جیل افسران کی خوشامد نہیں کی۔ جیل میں کبھی خاموش نہیں بیٹھے اپنے اور ساتھیوں کے حقوق کے لئے جیل افسران سے لڑتے رہے۔
مجھے مولانا صابری کے ساتھ دہلی جیل، ملتان جیل اور فیروزپور جیل کی نظربندی کے زمانے میں رہنے کا اتفاق ہوا، اس لئے میں یہ ذاتی تجربے اور مشاہدات کی بنا پر لکھ رہا ہوں۔

مجھے یاد ہے کہ مولانا صابری جب رہا ہونے کے لئے فیروزپور کیمپ

سے دہلی جیل جا رہے تھے اور آپ کی رہائی کی اطلاع آئی تھی تو اس وقت مسٹر ڈوگرہ انچارج کیمپ نے خاص طور پر مجھ کو یہ خوش خبری سنائی تھی کہ آپ کے خاص دوست آج رہائی کے لئے جا رہے ہیں۔ میں نے اس پر ان سے پوچھا کہ ذرا صاف طور پر بتایئے تو انہوں نے کہا "ایسا شخص رہا ہو رہا ہے جس کو دہلی حکومت بھی خطرناک سمجھتی ہے اور جیل افسران بھی"۔

تصنیف و تالیف مولانا صابری نے کافی عرصہ تک رسائل میں ادبی، علمی مضامین لکھے اور جامعہ، عالمگیر، کلیم، تیغ، جمالستان عروس خیال کے صفحات کو مزین کیا۔ آپ کو آغاز زمانہ سے تحقیقی مضامین لکھنے کا شوق تھا۔ چنانچہ آپ کی معرکۃ الآرا تصنیف علامہ سید سلیمان ندوی کی قرآنی غلطیاں اس بات کی شاہد ہے۔ جس نے علمی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا اور ہر طبقہ کے علماء مثلاً مولانا اشرف علی صاحب مرحوم، مفتی محمد کفایت اللہ، مولانا محمد اسلم جیراجپوری، مولانا اصغر حسین دیوبندی، شمس العلماء مولانا عبدالرحمٰن مولانا محمد قطب الدین عبدالوالی، مولانا محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، مولانا سید احمد ناظم مرکزی حزب الاحناف لاہور نے مولانا صابری کو داد تحسین دی تھی اور ان کی مدلل تنقید کو سراہا تھا، چنانچہ حضرت سائل دہلوی کی بزرگانہ داد ملاحظہ ہو۔

میرے مرحوم دوست کا بچہ — قول کا پکا، بات کا سچا
مذہبی نوجوان، عالمِ دیں — پیروِ امرِ حق و شرعِ مبیں
نورِ چشم جناب شرف الحق — دیکھنے والا دین کی رمزِ ادق

پوت اپنے پتا کا ہے وہ سپوت   اس کے اعمال دے رہے ہیں ثبوت
راستی سے نہیں ہوا وہ جُدا   ندوی علامہ سے نہیں چوکا
مورچہ بہر برڑا سلیماں سے   بات کہنی پڑی ہے ایماں سے
بحث ہے جن امور پر باہم   سامنے ہیں وہ بے زوائد و کم
اس پر آرائے مفتیان دیکھو   داد اس کی سمجھ کی دل سے دو
طرز تحریر کس قدر ہے متین   جس کا مطلق ملا جواب نہیں
بیش از بیش کر کے استصواب   عاجز آیا نہ پایا کوئی جواب
مفتیانِ زماں سے کر کے اپیل   حق بجانب سمجھ لی اپنی دلیل
کر لی تدوین مبحث و آراء   از الف تا بہ حرف آخر یا
نیک نیت سے کر دیا اعلان   ہیں غلط وہ معانی قرآن
جو لکھے ندوہ کے سلیماں نے   جن کو نہ مانا ان کے ایماں نے
مندرج ہیں جو ذیل میں حضرات   مستند بابِ دیں میں ہر یہ ذات
مفتی صاحب کفایت اللہ ہیں   معتقد جن کے علم و فضل کا ہیں
مایۂ نازِ عالمان اسلم   جن کا چیرا جیو رہے مقسیم
دیو بندی محمد طیب   ہی بجا گر کریں وہ نازِ ادب
واعظ دہلوی یگانہ سعید   احمد از ابتدا تا آخر عید
حضرت اشرف علی تھانہ بھون   جو بتا کہنا وہ کہہ چکے بعلن
سائل امداد صابری کا یہ چا   اسکی مدحت سے کیوں رہیگا بچا
وہ تو دے گا اسے دعا ماثور   اسکی آنکھوں کا ہے یہ بچہ نور
ذوق علمی ہے اس کا اسکی مراد   وہ نہ دل سے دیگا اس کو دلو

آپ کی دوسری تصنیف تاریخ جرم و سزا ہے جس کی چار جلدیں شایع ہو چکی ہیں اور تین تین چار چار ایڈیشن کی شکلوں میں شایع ہو کر قبولیت کا شرفِ حاصل کر چکی ہیں۔

تاریخ آزاد ہند فوج کی ضبطگی

دہلی جیل میں آپ نے شاہی قیدی ہونے کی حیثیت میں "تاریخ آزاد ہند فوج" مرتب کی اور رہائی کے بعد اُس کو شایع کیا۔ بھلا حکومت اس کو کیسے برداشت کرتی۔ چنانچہ اس کے جزو کل اور اُس کے ترجمے تک کو شایع کرنا خلاف قانون قرار دے دیا اور ضبط ہونے کا آرڈر نکال دیا۔

آپ نے آزاد ہند فوج کے سلسلہ میں حسب ذیل کتب مرتب کی ہیں۔

(۱) مقدمہ آزاد ہند فوج

(۲) سوبھاش بابو کی جاپان و جرمنی کی تقریریں

(۳) آزاد ہند فوج کا البم۔

خورشید احمد کاظمی (سابق نظر بند)
فیروز پور کیمپ جیل۔ باڑہ ہندو راؤ دہلی

فہرست مضامین

موجودہ ہندوستانی جیلوں میں قیدیوں کیساتھ سلوک

۱۸۹۶

تالیف کی دقتیں

علاقہ کی نظربندی اور پھر جنگ کا زمانہ ان دونوں چیزوں نے حسب منشا جلد اوّل کا دوسرا حصّہ مرتب نہیں ہونے دیا۔

جیل سے یہ خیال لے کر باہر نکلا تھا کہ تمام صوبوں کی جیل رپورٹیں منگا کر ہر صوبہ کی تاریخِ جیل کا مطالعہ کیا جائے گا اور اپنی ذاتی معلومات کے ساتھ اس رپورٹی معلومات کو کتابی شکل دی جائے گی مگر افسوس یہ خیال بدرجہ اتم پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

صوبوں کے سرکاری پبلشنگ ہاؤسوں کو لکھا تو انہوں نے اس قسم کے لٹریچر کے دینے سے گریز کیا بعض نے نہ دیئے اور بھیجنے کے بہلنے تراشے۔ مگر سب سے صحیح اور دل کی بات گورنمنٹ پرنٹنگ بنگال کے سپرنٹنڈنٹ نے

لکھی کہ جنگ کے دوران میں اس قسم کا لٹریچر فراہم نہیں کیا جا سکتا۔

اس حاکمانہ چھاپہ اور دقت کی موجودگی میں علاقہ سے باہر قدم نہ رکھنا اور دہلی کی لائبریریوں کی کتب سے بھی محروم رہنا بڑی رکاوٹ کوفت تھی جو ہر لمحہ محسوس ہوتی تھی۔

ان مجبوریوں کی موجودگی میں یہ تالیف تیار ہوئی ہے جو پیشِ نظر ہے۔ الحمدللہ پہلی جلد اہلِ علم حضرات نے پسند کی اور اہلِ ذوق نے ہاتھوں ہاتھ لی جس کی وجہ سے اس کا دوسرا ایڈیشن فوراً ہی شایع کیا جا رہا ہے۔

احمد اد صابری (نظر بند)
چوڑیوالان دہلی

موجودہ ہندوستانی جیلوں میں قیدیوں کیساتھ سلوک

قیام سی کلاس کے سیاسی قیدیوں کو جیل میں داخلے کے بعد "کال کوٹھری" یعنے چکی کوٹھری میں رکھا جاتا ہے۔ جس کی مدت تمام قید بھی ہو سکتی ہے۔ ورنہ عموماً ہر قیدی کو رات اور دن ایک ماہ اس میں رہنا پڑتا ہے۔ یوں جیلر یا جیل حکام کی عنایت یا ساز باز سے جلد بھی کال کوٹھری سے قیدی کو چھٹکارا مل سکتا ہے۔

چکی کوٹھری کال کوٹھری ساڑھے چار فٹ چوڑی، چھ فٹ لمبی ہوتی ہے۔ جس میں ایک مٹی کا دو فٹ چوڑا اور ڈھائی فٹ اونچا چبوترا ہوتا ہے، جو ناہموار اونچا نیچا کھٹملوں اور چیونٹوں سے پُر ہوتا ہے۔ باقی جگہ جو ہے اس میں ایک پترہ (آہنی پارٹ) رکھا جاتا ہے۔ جس میں سے قیدی حوائج ضروری سے فارغ ہوتا ہے پانی پھیلنے کی وجہ سے سیل پیدا ہو جاتی ہے مچھروں کی کثرت اور روشنی نہ ہونے کی وجہ سے اندھیارا ہی اندھیارا ہوتا ہے۔

کبھی کھٹمل کاٹتے ہیں، کبھی مچھر حملہ آور ہوتے ہیں۔ کبھی چیونٹے گھس جاتے ہیں ایک کروٹ کل سے نہیں گذرتی۔ کروٹ بدلتے بدلتے رات یوں ہی گذر جاتی ہے۔ غنودگی طاری بھی ہوئی ہے تو تھوڑی ہی دیر بعد نمبردار، جمعدار تالہ کھٹ کھٹانے لگتا ہے اور "بول جوان" کی صدا دماغ کو چوکنا کر دیتی ہے اور کلیں ہلا دیتی ہے۔

شروع میں متمول قیدی کے دن تکلیف دہ گذرتے ہیں۔ جس کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی ہیں۔ جگائی (کاغذ بنوائی) کی مشقت لی جاتی ہے۔ مونجھ کٹوایا جاتا ہے۔ چکی پسوائی جاتی ہے اور اس وقت تک اس پر رحم نہیں کیا جاتا جب تک کہ اس سے کچھ جھپٹ نہ لیا جائے۔

ایک بنئے قیدی کا یہی حشر ہوا جو انکم ٹیکس کے حساب میں گڑبڑ کرنے کے سلسلے میں قید ہو کر آیا تھا۔ اس کو جیل کے حکام نے ایک ماہ تک چکیوں میں بند رکھا۔ جس کی بنا پر وہ سخت بیمار پڑ گیا۔ رشتہ داروں نے بھاگ دوڑ کی اور جیل حکام کو کچھ چٹایا۔ ماہوار مقرر کیا تو اس کو ایک ماہ کے اندر ہی اندر نمبردار بنا دیا گیا۔ حالانکہ قانوناً نمبردار تین ماہ پہلے ہرگز کوئی نہیں بن سکتا۔

اسی طرح ایک مسلمان قیدی کا بھی مشہور واقعہ ہے کہ وہ سی کلاس میں اخلاقی قیدی ہو کر آیا۔ مالدار ہونے کی وجہ سے اس کو تنگ و پریشان کیا گیا۔ جس نے آخر تنگ آکر ہتھیار ڈال دیئے۔ حکام جیل کا نذرانہ مقرر ہوا۔ تو اس کو انتہائی رعایتیں ملنا شروع ہو گئیں وہ دفتر میں جاتا اور اپنے گھر کے آئے ہوئے کھانے اس کو کھانے کے لئے ملتے۔ پھل اور ترکاریاں اس کو دی جاتیں۔

حالانکہ جیل کے قانون کے مطابق کسی سی کلاس اخلاقی قیدی کو سوائے جیل کے کھانے کے باہر کا کھانا دینا سخت ممنوع ہے۔

بارک ایک ماہ بعد سی کلاس قیدی کال کوٹھڑی سے "بارک" میں جاتا ہے ان بارکوں میں ۲۵ قیدیوں سے لے کر سو قیدیوں تک رکھے جاتے ہیں۔ بارکیں محراب دار، ہر محراب کی دیواریں جالی دار دروازہ اور روشن کھڑکیاں ہوتی ہیں۔ دیواریں کچی مٹی سے لپی ہوئی اور اس کے گیارہ گیارہ پیٹریک کھٹملوں سے بھرے رہتے ہیں، ایک بارک میں ایک بیت الخلا ہوتا ہے جس کی وجہ سے بارک موسم گرما میں بھاڑ کوڑی اور بھٹی معلوم دیتی ہے۔

قیدیوں کا بند ہونا اور کھلنا قیدیوں کو بارک میں سورج غروب ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے بند کیا جاتا ہے۔ اور صبح سورج نکلنے سے پیشتر کھولا جاتا ہے۔ بارک میں سب سے زیادہ تکلیف دہ نمبرداروں کی آوازیں ہوتی ہیں جو نمبردار اسی بارک میں بند ہوتے ہیں اور رات کے ۹ بجے سے صبح ۶ بجے تک "سب اچھا" کی آوازیں لگاتے ہیں۔ یہ نمبردار تین ہوتے ہیں جن کی ڈیوٹی تین تین گھنٹے کی ہوتی ہے۔ صبح ہوتے ہی نمبردار قیدیوں کو جگانے کے لئے آتا ہے اور "اٹھ جوان" کی آواز لگا کر قیدیوں کو اٹھاتا ہے۔ بارک کے تمام قیدی بیدار ہونے کے بعد بارک کے باہر لائن میں دو دو کر کے بیٹھ جاتے ہیں، جہاں ان کی گنتی ہوتی ہے۔ گنتی ہونے کے بعد ضروری چیزوں سے فارغ ہو کر قیدی مشقت کے لئے کارخانے بھیج دیئے جاتے ہیں جہاں ان کو آدھ پاؤ بھنے

ہوئے چنے، چھٹانک بھر گڑ ملتا ہے جو بالکل سیاہ اور نکما ہوتا ہے، قیدی ان چیزوں کو کھا کر اپنی مشقت پر لگ جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان کو بارہ بجے سے دو گھنٹے کے لئے چھٹی مل جاتی ہے، دو بجے تک وہ بارکوں میں رہتے ہیں، لیکن موسم سرما میں قیدیوں کو کارخانے میں ہی رکھا جاتا ہے۔ مطبخ سے ان کے لئے وہیں کھانا آتا ہے۔ دو بجے پھر مشقت پر مل جاتے ہیں۔ شام کے پانچ بجے چھٹی ہو جاتی ہے، بارکوں میں کھانا دیا جاتا ہے اور گنتی کے بعد بارکوں میں قیدی بند کر دیئے جاتے ہیں۔

یہ قاعدہ دہلی جیل کا ہے۔

حوالاتی اور جیل

جب پولیس کسی حوالاتی کو معہ اُس کے وارنٹ گرفتاری کے جیل حکام کے سپرد کر دیتی ہے تو سب سے پہلے اس کا معائنہ اسسٹنٹ آفیسر کرتا ہے اور اُس کی جسمانی حالت اور ملکیت کی تفصیلات رجسٹر میں درج کر لیتا ہے، دوسرے دن جیل کا سپرنٹنڈنٹ اس کا معائنہ کرتا ہے یہی طریقہ سزا یافتہ قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حوالاتیوں کو قیدیوں سے الگ رکھا جاتا ہے۔ بڑے جیل خانوں میں اُن کے لئے علیحدہ احاطے ہوتے ہیں جس کا دروازہ بھی لازماً علیحدہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حوالاتیوں میں ڈاکے وغیرہ کے خطرناک ملزمین آجاتے ہیں تو اُنھیں مزید تحفظ کے لئے جیل کے اندر علیحدہ کوارٹر میں رکھا جاتا ہے۔

حوالاتیوں کو اپنے کپڑے اور بستر استعمال کرنے کی اجازت ہوتی ہے کھانا بھی گھر سے آسکتا ہے، کتابیں بھی دیکھ سکتا ہے، وہ اپنے خرچ پر مناسب مقدار میں سگرٹ تمباکو حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ کسی دوسرے شخص کو یہ

چیزیں نہ دی۔

قیدی عمر اور سابقہ حالات کے لحاظ سے ہندوستان کے قیدی کئی قسم کے ہوتے ہیں، درجہ مجسٹریٹ مقرر کر دیتا ہے، عمر کے لحاظ سے درجہ بندی سپرنٹنڈنٹ جیل کرتا ہے جو حسب ذیل ہوتی ہے۔

نوعمر قیدی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک پندرہ سال کی عمر تک اور دوسرے ۱۵ سے ۲۱ سال تک کی عمر کے، یہ دونوں قیدی اتفاقیہ قیدی کہلاتے ہیں، عام قیدی کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں اتفاقی اور عادی، اتفاقی بھی دو قسم کے ہوتے ہیں سٹار اور غیر اسٹار قیدی۔

جب سے بچوں کا ایکٹ اور بورسٹل ایکٹ نافذ ہوا ہے نوعمر قیدیوں کی درجہ بندی کر کے انھیں جونیئر اور سینیئر بسستند قیدیوں میں بھیجا جاتا ہے یا کچھ عرصہ کے لیے بورسٹل انسٹی ٹیوشن میں رکھا جاتا ہے اگر کوئی نوعمر قیدی بورسٹل سکول کے قابل نہ ہو تو اُس کو بچوں کی جیل میں رکھا جاتا ہے۔

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں سزا یافتہ قیدی اپنی سزا کا پہلا حصہ اپنے مقامی ڈسٹرکٹ جیل میں گذارتے ہیں۔ اگر سزا مختصر ہو تو اسی جیل میں رہا کر دیئے جاتے ہیں ورنہ کچھ عرصے کے بعد انھیں سنٹرل جیل میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اگر کسی قیدی کو خاص درجہ بندی کلاس دی جاتی تو اُسے جلد از جلد کسی ایسے اسپیشل جیل میں بھیجا جاتا ہے جہاں اس درجہ کے قیدی رکھے جاتے ہیں [1] انڈین پریزنس صفحہ ۱۰، ۱۱

پنجاب کی جیلوں میں صبح کو بیدار ہوتے ہی روٹی یا دلیہ جاتا ہے جس میں ان کو اتنا وقت نہیں ملتا کہ وہ منہ ہاتھ دھو سکیں جب قیدی کھانا کھا کے کلی کرنے جاتے ہیں تو کلی کرتے ہوئے منہ پر پانی کا چھپکا مار لیتے ہیں۔ گویا وہ ان کا منہ دھل جاتا ہے۔ جب کارخانہ بھیجتے ہیں تو بیت الخلا جانے کا وقت ملتا ہے۔ بارہ ایک بجے چنے اور گڑ تقسیم ہوتے ہیں۔ بارہ سے دو بجے تک چھٹی ہوتی ہے اور پھر قیدی مشقت میں جُت جاتے ہیں۔ اور پانچ بجے بارک میں پہنچتے ہیں۔

بی کلاس قیدی بی کلاس قیدیوں کو دہلی جیل میں چیچک ہسپتال کی پختہ بلڈنگ میں رکھا جاتا ہے۔ اس میں دو کمرے ہیں اور ایک صحنچی ہے۔ جس میں بمشکل تمام سات چارپائیاں آتی ہیں۔ صحنچی کے سامنے مغربی جانب سلاخوں والی جالیدار دیوار ہے۔ صحنچی کی اونچائی ساڑھے آٹھ فٹ ہے اور کمروں کی اونچائی گیارہ فٹ ہے۔ دونوں کمرے چوڑائی اور لمبائی میں بارہ بارہ فٹ ہیں۔ جس میں چار چار آدمی چارپائی بچھا کر لیٹ سکتے ہیں۔ فلش سسٹم اندرون بلڈنگ مغربی جانب ہے۔ وہیں دو نل ہیں۔ بجلی لگی ہوئی ہے۔ اسی بلڈنگ میں ڈاکٹر انصاری مرحوم رہ چکے ہیں اور یہاں دور حاضرہ کے لیڈر رکھے جاتے ہیں۔

دہلی جیل میں بی کلاس کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے جب تک حوالاتی پوزیشن رہتی ہے اس وقت تک قیدی کو یہیں رکھا جاتا ہے۔ سزا ہونے کے بعد فوراً بی کلاس قیدی کو لاہور سنٹرل جیل میں بھیجدیا جاتا ہے۔

دیوانی قیدی جو لوگ قرضدار ہوتے ہیں اور زاد هندگی کے جرم میں سزا پاتے

ہیں اُن کو دیوانی قیدی کہا جاتا ہے۔ دیوانی قیدی مجرم قیدی کے ساتھ نہیں رہتے بلکہ ان کے لئے ایک علیحدہ کوٹھری ہوتی ہے۔ ان کے الگ کپڑے ہوتے ہیں یہ علیحدہ اپنا کھانا پکاتے ہیں۔ ان کو سگرٹ بیڑی پینے کی اجازت ہوتی ہے۔ یہ کتابوں کا مطالعہ بھی کر سکتے ہیں۔ ان کو یہ بھی اجازت ہوتی ہے کہ وہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں کارروائی کر سکیں۔ ان کے اس کھانے کپڑے اور ظروف کی قیمت کا ذمہ دار ڈگری دار ہوتا ہے۔ جو ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو رقم مقررہ پہنچا دیتا ہے۔ اگر پہلی تاریخ کو رقم جیل افسران کے پاس نہ پہنچی تو وہ اس کو رہا کر دیتے ہیں۔

عام طور پر جیل افسران دیوانی قیدیوں سے خوب کمائی کرتے ہیں۔ پہلی تاریخ کو ڈگری دار خوراک کا خرچ جمع کرنے آتا ہے تو اس کو ٹال دیتے ہیں۔ اور اس سے رقم مقررہ نہیں لیتے۔ دو تین گھنٹے گزرنے کے بعد قیدی کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس کے سمن پر لکھ دیتے ہیں کہ خرچ خوراک ڈگری دار نے داخل نہیں کیا۔ اس لئے رہا کیا جاتا ہے۔

ان طریقوں سے کافی دیوانی قیدی رہا ہو چکے ہیں اور ڈگری داروں نے کف افسوس و حماقت ملا ہے۔

یہ دیوانی قیدی عام طور پر اچھی حالتوں میں نہیں رکھے جاتے۔ پانچ پانچ چھ چھ قیدیوں کی جگہ بارہ بارہ قیدی ٹھونس دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ یوپی کے جیلوں کی تحقیقاتی کمیٹی سنہ ۱۹۲۹ء گورکھپور جیل کے دیوانی قیدیوں کی رہائش کے بارے میں لکھتی ہے

کہ دیوانی قیدیوں کا انتظام رہائش قابل اطمینان نہیں ہے ہمنے دورہ کے

وقت دیکھا کہ ایک وقت میں بارہ بارہ آدمی اس مقام پر رکھے ہوئے پائے گئے۔ جس میں چھ آدمی سے زیادہ نہیں رکھے جا سکتے۔

پنجاب کے سنٹرل جیلوں میں اور خاص طور پر لاہور سنٹرل جیل میں قیدی کی چار حیثیتیں ہیں۔ شاہی قیدی، یورپین قیدی، پولٹیکل قیدی، اخلاقی قیدی ان قیدیوں کے لئے الگ الگ وارڈ بنے ہوئے ہیں۔ یورپین قیدیوں کی رہنے کی جگہ کو یوربین وارڈ کہتے ہیں۔ پولٹیکل قیدیوں کے قیام کی جگہ کو ٹیریرسٹ وارڈ کہا جاتا ہے۔ ایک کوٹھری تین تین پولٹیکل قیدیوں کے لئے ہوتی ہے جو مقفل نہیں بلکہ ہر وقت کھلی رہتی ہے۔ جب پولٹیکل قیدی زیادہ ہو جاتے ہیں تو ان کے لئے ایک بارک کھل جاتی ہے جس میں ان کو رکھا جاتا ہے۔ شاہی قیدیوں کے لئے الگ کوٹھریاں ہیں۔

صبح کو اٹھتے ہی اخلاقی سی کلاس قیدیوں کے علاوہ ہر سہ قیدیوں کو چار ملتی ہے اور پھر پڑھے لکھے قیدی کو پریس میں مشقت کے لئے بھیجدیا جاتا ہے پریس میں گورنمنٹ کے دفتری کاغذات چھپتے ہیں جن کو یہ لوگ اپنی نگرانی میں مختلف صوبوں کی کچہریوں اور سرکاری دفتروں میں بھجواتے ہیں۔ وہاں کبھی بارہ بجے تک کام ہوتا ہے اور بارہ سے دو بجے تک آرام لینے کے لئے چھٹی دی جاتی ہے اور پھر پانچ بجے تک پریس میں رہتے ہیں اور اپنی مشقت کو انجام دیتے ہیں۔

ہر سہ قیدی والی وال کھیل سکتے ہیں۔ تاش کھیلنے کی عام اجازت ہے شاہی قیدی اور نظر بندوں سے کچھ کام نہیں لیا جاتا۔

قیدی عورتیں سی کلاس عورتیں دہلی جیل میں فیمل وارڈ میں رہتی ہیں اور کافی

تالوں میں بند کی جاتی ہیں فیمیل وارڈ ایک مکان نما الگ تھلگ وارڈ ہے
جس کا صحن تین گز لمبا اور تین گز چوڑا ہے اور دو ڈھائی گز لمبائی اور چوڑ
پر مشتمل ہے ایک صحن کے سامنے بارک ہے اور دوسری بارک والان میں ہے جس
عورتیں بند کر دی جاتی ہیں ان کی دیکھ بھال اور کھانا وغیرہ پہنچانے اور تلاشی لینے
ایک عورت ملازمہ رکھی جاتی ہے جس کے پاس اس کی کنجی ہوتی ہے اسکی دوسری کنجی چیف
وارڈر اپنے پاس رکھتا ہے لیکن فیمیل وارڈ کے تالہ کو اس وقت تک نہیں کھول سکتا جب تک
کے ساتھ نہ ہو۔ اسی وارڈ میں قیدی عورتوں سے شفقت کی جاتی ہے اسی وارڈ
ہیجڑوں کو رکھا جاتا ہے ان کی حفاظت بھی عورتوں کی جاتی ہے۔

بی کلاس قیدی عورتوں کے لئے یورپین بارک کے سامنے ایک زنان
ہے جس میں ایک بارک ہے ایک برآمدہ ہے اور بیچ میں صحن ہے اور ایک غسل خان
فلش سسٹم ہے عورتیں برآمدے یا صحن میں سو سکتی ہیں یہ عورتیں اس وقت تک
فیمیل وارڈ میں رکھی جاتی ہیں جب تک ان کی سزا کا فیصلہ نہیں سنا دیا جاتا۔
ہوتے ہی اسی دن یا زیادہ سے زیادہ دوسرے دن ان کو زنانہ جیل لاہور
بھیجا جاتا ہے جہاں عورتیں ہی عورتیں قیدی ہوتی ہیں اور سرکاری ملازم
بھی عورتیں ہی عورتیں ہوتی ہیں۔

پھانسی کوٹھی

قتل کے قیدی مقدمہ کے فیصلے ہو جانے سے پہلے بارک
وغیرہ میں اپنی اپنی حیثیت کے مطابق رہتے ہیں، لیکن
پھانسی کی سزا ہونے کے بعد پھانسی کوٹھی میں بند کر دیئے جاتے ہیں، پھانسی کو
پر سخت پہرہ لگا دیا جاتا ہے اسلئے کہ کہیں قیدی اپنی جان کو زک نہ پہنچالے

خودکشی نہ کرے۔ جو بیس گھنٹے میں قیدی کو دس گھنٹے پھانسی کوٹھری کے سامنے ٹہلنے کے لئے کھولدیا جاتاہے جسکے دونوں ہاتھوں میں بیڑیاں لگادی جاتی ہیں اور ایک آدمی بعد اس کی سخت نگرانی کرتا ہے۔ پھانسی کوٹھی میں رات کو ہر وقت روشنی رہتی ہے بجلی کی بتیاں گل نہیں کی جاتیں لیمپ وغیرہ۔ تین تین گھنٹے کے بعد قیدی کی تلاشی لی جاتی ہے تاکہ قیدی کوئی چیز ضرر رساں نہ پوشیدہ رکھے۔ پھانسی قیدی سے جیل حکام بہت گھبراتے ہیں اور ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ پھانسی ہونے سے پہلے قیدی اپنا کچھ بگاڑ نہ سکے اگر پھانسی قیدی بہادر اور عالی حوصلہ ہوتا ہے تو اس کے سامنے جیل حکام بہت جھکے رہتے ہیں اور اپنی ذراسی غلطی پر قیدی سے معافی مانگ لینے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ قیدی کو پھانسی دینے کے بعد اس کی لاش کو اس کے عزیز و اقارب کے سپرد کردیتے ہیں۔ پنجاب کی جیلوں کی طرح یو۔پی کے جیلوں میں ان قیدیوں کو علیحدہ کوٹھری میں رکھا جاتاہے اور نگران بھی علیحدہ مقرر ہوتے ہیں۔

یو۔پی کی جیل کمیٹی سنہ ۱۹۲۹ء نے ان قیدیوں کے پھانسی گھر کے قیام پر جو پھانسی کوٹھریوں سے بہت دور فاصلے پر کھڑے ہوئے ہیں اعتراض کیا تھا اور سفارش کی تھی کہ ان کو قریب قریب بنانا چاہئے تاکہ قیدیوں کو پھانسی کوٹھری سے پھانسی گھر میں جانے میں دقت نہ ہو۔ ان قیدیوں کو "کنڈم قیدی" کہا جاتا ہے[۱]

منڈا بارک لڑکوں کے لئے ایک منڈا بارک ہے جسمیں قیدی حوالاتی شکل میں رہتے ہیں۔ بالغ قیدی اس میں نہیں رکھے جاتے۔ سزا ہونے کے بعد فوراً ان قیدیوں کو بورسٹل جیل لاہور میں بھیجدیتے ہیں جو لڑکوں کے لئے مخصوص جیل ہے۔ اس میں لڑکوں کو دستکاری، پڑھنا لکھنا وغیرہ سکھایا جاتا ہے۔

---

[۱] رپورٹ انتظامیہ صوبہ یوپی سنہ ۱۹۲۸ء

ہسپتال بیمار قیدیوں کو ہسپتال میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ اگر قیدی کی حالت رات کو بھی خراب ہو جاتی ہے تو نمبر دار "سب اچھا" کہنے کے ساتھ ایک بیمار دو بیمار کی آواز لگاتا ہے جس سے تمام جیل میں بے چینی پھیل جاتی ہے اور ڈاکٹر فوراً خواہ اس وقت کچھ ہی کیوں نہ کر رہا ہو اور کچھ ہی کیوں نہ بجا ہو اپنے گھر سے اٹھ کر جیل میں بیمار کے معائنے اور بارک وغیرہ سے ہسپتال میں تبدیل اور علاج کرنے کے لئے بیمار کو لے آتا ہے۔ جہاں بیمار قیدی کی یک گدے اور سپرنگ دار چارپائی پر سلایا جاتا ہے۔ جس میں گرمیوں کے موسم میں بجلی کا پنکھا ہوتا ہے جب مریض اچھا ہو جاتا ہے تو اس کو اس کے سابقہ مقام پر تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

اگر مرض خطرناک شکل اختیار کر لیتا ہے تو اس کو مقامی ہسپتال میں جیل سے منتقل کر کے داخل کر دیا جاتا ہے۔ جہاں پولیس کے پہرہ میں قیدی رہتے ہیں۔ تندرستی کے بعد قیدی جیل واپس بھیج دیا جاتا ہے اگر قیدی بیماری میں مر جاتا ہے تو اس کو اس کے اعزا اقربا کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اگر لاوارث ہندو قیدی ہوتا ہے تو اس کا جیل کے خرچے پر کریا کرم کر دیا جاتا ہے اور مسلمان لاوارث قیدی کو نئے قبرستان میں جیل کے قریب دفن کر دیا جاتا ہے۔

پنجا جب لمبے سزا والے یا معمولی قیدیوں کے دن تھوڑے رہ جاتے ہیں تو ان کے پاؤں میں ایک لوہے کا کڑا ڈال دیا جاتا ہے اور جیل کے باہر کے کاموں کے لئے یعنی جیل حکام کے کام کاج، جیل کے بیرونی حصہ کے جھاڑو وغیرہ دینے جیل کے کھیت میں پانی پہنچانے، کھیت سے سبزیاں لانے کا کام کرتے ہیں۔ اس باہر کے قیدیوں کو باہر کا پنجا کہا جاتا ہے۔

ان لوگوں کے پاؤں میں آہنی کڑا اس لئے ڈال دیا جاتا ہے تاکہ کھیت وغیرہ میں آندھی آنے، اور بارش ہونے کی شکل میں ان کے کڑے میں لوہے کی بیل (آہنی زنجیر) سلسلہ وار ڈال دی جاتی ہے اور اس بیل کو کسی مضبوط جگہ ڈال کر مقفل کر دیا جاتا ہے۔ یہ کام جیل کے ملازم جمعدار اور ہیڈ جمعدار انجام دیتے ہیں۔ جن کی ڈیوٹیاں پنجے کے ساتھ ہوتی ہیں پنجے کے آدمی دوپہر کو بارہ بجے دو گھنٹے کے لئے کھیت سے جیل میں آتے ہیں اور پھر دو بجے کھیت میں جیل سے چلے جاتے ہیں اور شام کو پانچ بجے پھر واپس آجاتے ہیں۔

پاگل قیدی

پاگل بھی دہلی جیل میں رکھے جاتے ہیں۔ آج کل دس بارہ پاگل قیدی دہلی جیل میں موجود ہیں۔ ان پاگل قیدیوں کو وہی کھانا ملتا ہے جو عام قیدیوں کو دیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو کال کوٹھری میں مستقل طور پر رکھا جاتا ہے۔ یہ لوگ گرمیوں میں اور بھی پاگل ہو جاتے ہیں جبکہ تیز دھوپ سے کال کوٹھری تپتی ہے اور ۲۴ گھنٹے میں ان کو ۲۰ گھنٹے اس کوٹھری میں رکھا جاتا ہے۔ پاگلوں کے لئے کوئی خاص طریقہ علاج نہیں ہوتا بلکہ وہی ادویات جو عام قیدیوں کو دی جاتی ہیں۔ وہ ان کو ملتی ہیں۔ البتہ ان کے دماغ کی خرابی کو دور کرنے کے لئے ایک طریقہ ضرور اختیار کیا جاتا ہے۔ بلبرداران معصوم و بے گناہ قیدیوں کو چوروں کی طرح صبح شام مار مارتا ہے۔ پاگل نہانے جاتے ہیں اور ان پر اوپر سے جوتا برستا رہتا ہے۔ پاگلوں کے لئے کوئی رعایت نہیں ہے اور دہلی صوبہ کے یہ پاگل قیدی کسی دوسرے صوبے کے پاگل خانے میں بھی نہیں جا سکتے۔ جیل میں ہی یہ لوگ مرتے رہتے ہیں اس

پاگل قیدیوں کی بڑی قابلِ رحم حالت ہے۔ یہ پنجاب کی جیلوں کا ذکر ہے، یو۔پی میں کیا ہوتا ہے۔ وہ بھی ملاحظہ کیجیے۔

یو۔پی کے ہندوستانی قیدیوں کا فرنیچر اور بستره

ایک فٹ کی چٹائی اگر قیدی کو کوٹھری میں بند کیا جاتا ہو۔ اور دو مٹی کے برتن تاکہ اسی کوٹھری میں قیدی رفع حاجت کر سکے۔

یوریپین کی کوٹھریاں اور فرنیچر

یوریپینوں کو علیحدہ کوٹھریوں میں رکھا جاتا ہے، ان کوٹھریوں کے دونوں طرف وراندے ہوتے ہیں جس کوٹھری میں قیدی صرف سوتے اور کام کرتے ہیں، صفائی و صحت کے انتظامات اس کوٹھری کے علاوہ جگہ میں ہوتے ہیں۔ اس کوٹھری میں چارپائی، ایک پانی کا طشت جو ایک اسٹینڈ پر رکھا ہوتا ہے دو چھوٹی میزیں، ایک پانی کا جگ اور ایک ابلے کے ریشے کی چٹائی ہوتی ہے بستر کی جن چیزوں کا اوپر ذکر آیا ہے وہ ان کے علاوہ ہوتی ہیں اور مطالعہ کتب کے لئے ایک لالٹین یا لیمپ بھی ہوتا ہے۔

ممبران تحقیقاتی کمیٹی یو۔پی جیل رپورٹ ۱۹۲۹ء لکھتے ہیں کہ ہم نے جیلوں کے معائنوں کے دوران میں خود اپنی آنکھوں سے ان کوٹھریوں میں یہ چیزیں دیکھیں جن میں یوریپین قیدی تھے۔

ہندوستانی قیدیوں کے سونے کی جگہ

ہندوستانی قیدی عام طور پر ایسوسی ایشن بارگوں یعنی ملی جلی بارگوں میں سوتے ہیں، انھیں صرف دو کمبل رکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ وہ ایک مونجھ کی چٹائی

رکھ سکتے ہیں، ان کے لئے سونے کے واسطے اس سے کسی قدر اونچے چبوترے بنے ہوئے ہیں، انہی پر ہندوستانی قیدی سوتے ہیں۔ یہ چبوترے منتظم قطاروں میں بنے ہوتے ہیں۔

جب ہندوستانی قیدیوں کو کوٹھریوں میں بند رکھا جاتا ہے تو مٹی کے دو برتن زمین پر ان کے پاس رکھ دیئے جاتے ہیں تاکہ اُن سے وہ اپنی حوائج ضروری پوری کر سکیں۔ ہندوستانی قیدی کی کوٹھری میں صرف ایک چٹائی ہوتی ہے اور اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اور دن کے وقت تو ہندوستانی قیدی اس چٹائی کو بھی استعمال نہیں کر سکتا۔ [۵۱]

یو۔پی کے پاگل قیدی

غیر مجرم پاگلوں کو صوبہ یو۔پی میں لنسی ایکٹ ۱۹۱۲ء کے ماتحت آگرہ مینٹل ہسپتال، بریلی مینٹل ہسپتال، ڈسپنسری آف مری نگر، بنارس مینٹل ہسپتال میں رکھا جاتا ہے۔

پاگل مجرموں کو جو یورپین اور اینگلو انڈین ہوتے ہیں۔ یورپین مینٹل ہسپتال رانچی اور ہندوستانی مجرم پاگلوں کو مینٹل ہسپتال بنارس، بریلی ڈسٹرکٹ جیل آگرہ سنٹرل جیل میں رکھا جاتا ہے۔ [۵۲]

طعام

دہلی میں صبح قیدیوں کو چھٹانک بھر چنے، چھٹانک بھر گڑ دیا جاتا ہے۔ دس بجے ساڑھے سات چھٹانک کی دو روٹیاں اور دال مونگ

---

۵۱ رپورٹ تحقیقاتی کمیٹی جیل ہائے صوبہ یو۔پی سنہ ۱۹۲۹ء ۲۴۶

۵۲۔ جیل مینوئل یو۔پی جیل

چھلکوں والی دال ماش، چنا، مسور کی دال دی جاتی ہے۔ صرف توار کو چنے کی دال اور روزانہ ایک دن بیچ کر کے ان تینوں دالوں کو کھلایا جاتا ہے۔ اور شام کو وہی ساڑھے سات چھٹانک کی دو روٹیاں اور اس کے ساتھ ترکاری دی جاتی ہے۔ جس میں ترئی، میٹھا گھیا، پیٹھا، بینگن، ہرا گھیا قسم کی ترکاریاں ہوتی ہیں۔ اور شام کو ساگ مختلف قسم کے مثلاً پالک، قلفہ، چولائی، میں سے ایک ساگ روزانہ پکا کر کھلایا جاتا ہے۔ کھانے کے لئے دو برتن ایک تھالی اور ایک بالٹی آہنی ملتی ہے۔ بی کلاس قیدی کو ایک تھالی، ایک کٹوری، ایک گلاس اور ایک کٹیا مرادآبادی دی جاتی ہے۔

مریضوں کو چاول، دلیہ، دودھ اور ڈبل روٹی اور گھی سے بگھری ہوئی دال، پھل، دہی، مرض کی مناسبت سے ملتی ہے۔

چنے معمولی سے بھُنے ہوئے گھن زدہ کالے ہوتے ہیں۔ جن کا وزن بھی قانون کے مطابق مقرر نہیں ہوتا۔ ایک چھٹانک کے بجائے پون چھٹانک چنے تقسیم کئے جاتے ہیں جس میں اکثریت نکموں کی ہوتی ہے۔ ٹھنڈیاں ہی ٹھنڈیاں نظر آتی ہیں۔

گڑ سیاہ بہتا ہوا پرانا، خس و خاشاک میں ملا جلا، ناقابل استعمال، گیا گزرا ہوا، قیدیوں کی قسمت کا ہوتا ہے۔ جس کو قیدی بصد دقت منھ کو لگاتے ہیں۔

روٹی کی نوعیت روٹی قاعدتاً جتنی وزن کی ملنی چاہیے، نہیں ملتی، لانگری کم کر دیتے ہیں، اور آٹا جیلر کی سفارش اور اپنی ضروریات

کے مطابق چرا لیتے ہیں۔ معائنہ ہوتا ہے تو ان کے پاس تولنے کے بٹے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات ترازو کے پلڑے کے نیچے آٹا چپکا کر آنکھوں میں دھول ڈال دی جاتی ہے۔ روٹی بڑی بڑی ہاتھی کے کان جیسی، دھوئیں سے سیاہ، اکر کری سخت کڑوی، اور بے مزہ ہوتی ہے جس کو قیدی بھوک کے مارے بمشکل تمام اونی پونی کھا لیتے ہیں۔ یہ روٹی آٹے میں پانی اندازے سے زیادہ ڈال کر کوئلوں پر سینکے بغیر توے سے اتار لی جاتی ہے۔ جو وزن میں زیادہ اوپر سے پختہ اندر سے کچی ہوتی ہے۔

دال دال چھلکوں والی، نمک مرچ برائے نام، کم مصالحہ ابلی ہوئی، تیل کی گھری چھلکوں کی پوٹ، بے اثر، محروم خاصیت دی جاتی ہے جو آہنی باٹی میں ڈالنے کے بعد لوہے کا رنگ لے کر بالکل سیاہ اور بے مزہ، بدصورت ہونے کی وجہ سے قابل نفرت بن جاتی ہے۔ البتہ چنے کی دال اور دالوں کے مقابلے میں اچھی پکی ہوئی بامزہ ہوتی ہے۔

ترکاری ترکاری فصل سے گذری ہوئی بیکار، گلی سڑی، کیڑے پڑی، گھاس بھری، تیل کی گھری، ادھ کچری ملتی ہے۔ تیل کا بگھار پکنے کے بعد دیا جاتا ہے۔ جس سے قیدیوں کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ اکثر اوقات سبزی کی کمی درختوں کے پتوں سے پورا کرتے ہیں۔

کھانے کا برتن باٹی کی شکل قریب قریب توے جیسی ہوتی ہے۔ بورنگ آلود ہوتی ہیں۔ قیدی اس کو کافی محنت سے مانجھ کر صاف کرتے ہیں اور پھر اس کو استعمال کرتے ہیں۔ قیدی رہا ہو جاتا ہے تو وہ تین روز

میں پھر زنگ آلود ہو جاتی ہے۔ یہ پانی لوہے کا برتن ہوتا ہے جو ترکاری دال وغیرہ کھانے اور پانی پینے کے کام میں آتا ہے، اسی کو قیدی بیت الخلا لیجاتا ہے، اس کام کے لئے اس کو کوئی دوسرا برتن نہیں ملتا۔

چاول

چاول نیا ٹوٹا ہوا۔ سڑے ہوئے ہوں والا، اُبلا ہوا، جو اُبل کر ایک جان ہو جاتا ہے بیماروں ضعیفوں یا بہاری بنگالی قیدیوں کو دیا جاتا ہے۔ جس کو بے کر قیدی کھاتے ہیں۔ دودھ شہری جیلوں میں مکھن نکالا ہوا قیدیوں کو دیا جاتا ہے۔ لیکن سب جیلوں میں دودھ غنیمت ہوتا ہے ولیہ اور ڈبل روٹی معمول کے مطابق ملتی ہے

بی کلاس کی خوراک

بی کلاس قیدیوں کو دن میں دس چھٹانک آٹا صبح و شام دونوں وقت کے لئے دیا جاتا ہے صبح کے لئے دال ملتی ہے جو بمقابل سی کلاس کے صاف ستھری اور بہتر حالت میں ہوتی ہے اور شام کو جو سبزیاں دی جاتی ہیں وہ ناقابل استعمال اور وہی ہوتی ہیں جو سی کلاس کے قیدیوں کو ملتی ہیں۔ البتہ ان سبزیوں کے علاوہ بی کلاس قیدیوں کو اروی اور آلو بھی دیا جاتا ہے، اگر آلو مہنگا ہوتا ہے تو نہیں ملتا۔

گوشت شام کے وقت کے لئے پاؤ بھر دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کو ۶ چھٹانک دودھ، پاؤ بھر دہی اور دو انڈے نہیں دیئے جاتے، ایک وقت میں ان چار چیزوں میں سے ایک چیز دی جاتی ہے خواہ دو انڈے لے لو، خواہ ۶ چھٹانک دودھ وغیرہ حاصل کرو۔ البتہ دو چھٹانک دودھ چائے کا ہر حالت میں دیا جاتا ہے۔ اور چائے کے لئے ایک چھٹانک فی یوم چینی دی جاتی ہے۔ گھی بھی

ایک چھٹانک ملتا ہے جو شروع میں بناسپتی ہوتا ہے اور پھر احتجاج کے بعد کچھ اچھا ملنے لگتا ہے۔ بی کلاس نظر بندوں کو بھی یہی اشیاء ملتی ہیں۔

اے کلاس قیدی کی خوراک

اے کلاس نظر بند اور اے کلاس قیدی ان ہی چیزوں کے مستحق ہوتے ہیں مگر ان کو ڈیڑھ چھٹانک فی یوم دیا جاتا ہے اور وہ گھر سے سامان منگانا چاہیں تو منگا سکتے ہیں۔ لیکن بی کلاس قیدی باہر سے سامان منگا نہیں سکتا۔

خوراک یورپین قیدی

مذکورہ خوراک پنجاب کی جیلوں میں قیدیوں کو دی جاتی ہے، یو۔پی کی پرانے ضابطہ قواعد سنہ ۱۹۱۵ء کی رو سے یورپین اور مخلوط النسل یورپین قیدیوں کو پہلے حصہ دار ہی خوراک دی جاتی تھی جس کا نقشہ یہ ہے:-

دن	ناشتہ	دوپہر کا کھانا	رات کا کھانا
اتوار	دال اور چاول	آئرش اسٹیو	بریڈ پڈنگ
پیر	آلو اور دودھ	کڑھی اور چاول	چاول کی پڈنگ
منگل	چاول کی پڈنگ	شوربہ (بروتھ)	آلو اور دودھ
بدھ	دال اور چاول	آئرش اسٹیو	بریڈ پڈنگ
جمعرات	آلو اور دودھ	کڑھی اور چاول	چاول کی پڈنگ
جمعہ	چاول کی پڈنگ	بروتھ (شوربہ)	آلو
ہفتہ	آلو اور دودھ	کڑھی اور چاول	چاول کی پڈنگ

اس ہفتہ وار غذائی عناصر کا تناسب یہ ہے :-

روٹی	۹۱	اونس
گوشت	۴۲	اونس
چاول	۴۲	"
دودھ	۷۷	"
دال	۶	"
آلو	۷۷	"
سبزی ترکاری	۲۵	"
شکر	۵	"
مکھن	۵	"
کل میزان	۳۸۴	"

خوراک کی اس مقدار میں مندرجہ بالا غذائی اجزا کے علاوہ ۱ اونس کی مقدار میں مصالحہ اور ۲۴۰۰ گرین کی مقدار میں نمک شامل ہوتا تھا۔ اور ان مصالحوں کے علاوہ اس میں ایک مہینے میں ۳۸۴/۱۶ اونس = ۲۴ پونڈ ۱/۲ ۱۲ سیر یا ۲/۷، ۲ چھٹانک روزانہ چائے اور شکر ہی ہوتی تھی۔ اور فی حصہ ۱/۴ ۳ چھٹانک مصالحے اور ۲۴۰۰ گرین نمک کے حساب سے ۲۰۰ گرین روزانہ ۵/۲۵ چھٹانک ۱/۴ چھٹانک برابر ۳/۲ چھٹانک۔

یوروپین قیدیوں کا جدید ہفتہ واری نقشہ خوراک یہ ہے :-

دن	چھوٹا حاضری	ناشتہ	ڈنر (دن کا کھانا)
اتوار	ایک پیالہ چائے تین نان پاؤ کے ٹکڑے مکھن سمیت	ایک پلیٹ دال اور تین نان پاؤ کے ٹکڑے مع حباگری	تین گوشت کے کٹلیٹ سبزیاں ترکاریاں ایک روٹی (نان پاؤ) ایک چائے کا پیالہ
پیر	ایک پیالہ چائے تین مکھن لگے ہوئے نان پاؤ کے ٹکڑے	ایک پلیٹ دال اور چاول نان پاؤ کے ٹکڑے مع حباگری	ایک پلیٹ مٹن کی کڑھی ایک روٹی (نان پاؤ)۔ ایک پیالہ چائے۔
منگل	〃 〃 〃	〃 〃 〃	تین آلو کے کٹلیٹ سبزیاں ایک روٹی (نان پاؤ) ایک پیالہ چائے۔
بدھ	〃 〃 〃	〃 〃 〃	ایک پلیٹ آئرش اسٹو ایک روٹی (نان پاؤ) ایک پیالہ چائے
جمعرات	〃 〃 〃	〃 〃 〃	تین گوشت کے کٹلیٹ سبزیاں۔ ایک روٹی۔ (نان پاؤ) ایک پیالہ چائے۔
جمعہ	〃 〃 〃	〃 〃 〃	ایک پلیٹ مٹن کی کڑھی ایک روٹی نان پاؤ۔ ایک پیالہ چائے۔

دن	چھوٹا حاضری	ناشتہ	ڈنر (دن کا کھانا)
ہفتہ	ایک پیالہ چائے تین مکھن لگے ہوئے نان پاؤ کے ٹکڑے	ایک پلیٹ دال اور چاول نان پاؤ کے ٹکڑے مع جاگری	ایک پلیٹ بھا دن سٹیو ایک روٹی یا نان پاؤ ایک پیالہ چائے

یورپین قیدیوں کو آج کل جو خوراک ملتی ہے اس کا نقشہ یہ ہے

اشیائے خوراک	درجہ اوّل	درجہ دوئم
گوشت	۲ چھٹانک	۳ چھٹانک
روٹی	۲ نان پاؤ	$\frac{1}{2}$ ۱ نان پاؤ
دلیا	۱۔ چھٹانک	۱۔ چھٹانک
گڑ	$\frac{1}{4}$ "	$\frac{1}{4}$ "
چینی	$\frac{3}{4}$ "	$\frac{1}{2}$ "
آلو	$\frac{1}{2}$ ۵ "	۴ "
چاول	۲ "	$\frac{1}{2}$ ۲ "
دودھ	$\frac{1}{2}$ ۵ "	$\frac{1}{2}$ ۵ "
دال	$\frac{1}{2}$ ۱ "	$\frac{1}{4}$ ۱ "
سبزیاں	$\frac{1}{2}$ ۲ "	$\frac{1}{2}$ ۲ "
مصالحہ	$\frac{1}{4}$ ۱ "	$\frac{1}{4}$ "

اشیائے خوراک	درجہ اوّل	درجہ دوم
مکھن	۳/۴ چھٹانک	۱/۲ چھٹانک
نمک	۲/۹ "	۲/۹ "
مرچ	۱/۸ "	۱/۸ "
پیاز	۱/۴ "	۱/۴ "
کوئلہ	۲ سیر	۲ سیر

اوّل درجے کی خوراک میں نمک، مرچ، مصالحہ اور چائے کو نکالکر کل خوراک کی مقدار ۲۹ چھٹانک ہوتی ہے، ایک نان پاؤ کا وزن ۲ چھٹانک ہوتا ہے لیکن اس تخمینے میں ایک نان پاؤ یا ڈبل روٹی کا وزن ایک چھٹانک لگایا ہے۔

پاؤ چھٹانک چینی اور پاؤ چھٹانک چائے قید میں ایک مہینہ گزرنے کے بعد دی جاتی ہے۔

ہندوستانی قیدیوں کو روزانہ خوراک درجہ اوّل کا نقشہ از روئے ضابطہ قواعد مجریہ سنہ ۱۹۱۵ء صفحہ ۲۶۳ دی جاتی تھی۔

چپاتیاں	۱۲ چھٹانک
دال	۱ "
سبزیاں	۳ "
تیل	۲۵/۴ "
مرچ	ایک

نمک	۵۰ اگرین

کل میزان - ایک مرچ اور ۵۰۰ اگرین سمیت ۵ ۴/۲ ۸ اگرین روزانہ

خوراک ہندوستانی قیدی

ہندوستانی قیدیوں کی روزانہ خوراک درجہ اول ذ کا نقشہ از روئے ضابطہ قواعد مجریہ ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۹ جو دی جاتی ہے وہ یہ ہے :-

چپاتیاں	۱۴ چھٹانک
دال	۱ "
سبزیاں	۴ "
تیل	۲۵/۴ "
مرچ	ایک عدد
نمک	۱/۶ چھٹانک
ہلدی	۱/۵ "

کل میزان ایک مرچ ۱/۶ چھٹانک نمک اور ۱/۵ چھٹانک ہلدی سمیت ۲/۵ ۹ چھٹانک

پہلے جو خوراک ملتی تھی اس میں اور موجودہ خوراک میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک چھٹانک سبزی کا اضافہ ہوا ہے [1]

یوپی کے سی کلاس قیدیوں کی خوراک

صبح کا ناشتہ میٹھا دلیہ ایک چھٹانک جس میں

[1] رپورٹ۔ صوبہ یوپی کی جیل تحقیقاتی کمیٹی ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۴۳ تا ۲۴۵

نصف چھٹانک گڑ، ہفتہ میں تین دن۔

تلا ہوا گیہوں	پون چھٹانک۔	ہفتہ میں دو دن
بھنا ہوا "	دو چھٹانک	

دوپہر اور شام کا کھانا

مشقتی قیدی۔ ایک دن میں	۵ چھٹانک غلہ	
محض قیدی۔ ایک وقت میں	" " "	

دال	آدھی چھٹانک
سبزی	دو چھٹانک
تیل	$\frac{2}{5}$ "
مرچ	$\frac{1}{10}$ "
نمک	$\frac{1}{8}$ "

جو قیدی کام کرتے ہیں ان کو ہفتہ میں تین دن ایک چھٹانک گڑ دیا جاتا ہے

چاول کی خوراک | چاول آٹھ چھٹانک۔ دال دو چھٹانک۔ سبزی پانچ چھٹانک اور تیل۔

سول قیدی کی خوراک | اول درجہ۔ دو روپئے۔ دوئم درجہ ایک روپیہ آٹھ آنے سوئم درجہ چار آنے۔

تہوار و نیز مراعات | یوپی کی جیلوں میں روزانہ خوراک کے علاوہ ہولی عیدالفطر پر رمضان اور برت میں قیدیوں کو ایک

چھٹانک گڑ دیا جاتا ہے، مسلمانوں کو رمضان میں گڑ کے بجائے آدھی چھٹانک کھجور بھی دی جاسکتی ہے [1]

لباس حوالاتی محض قیدی اور اے کلاس، نظربند، شاہی قیدی اپنا لباس استعمال کرسکتے ہیں، لیکن سی کلاس مشقتی قیدی اپنا لباس استعمال نہیں کرسکتے، ان کو دو کرتے، دو پاجامے دیئے جاتے ہیں۔ ایک ڈپی ایکسٹرا یعنی انگوچھا، ایک چادر، ایک دری، ایک پٹڑی ملتی ہے، جاڑوں میں پھٹے پرانے کمبل کا کوٹ پہننے کے لئے اور اوڑھنے کے لئے دو کمبل ملتے ہیں جس میں قیدی ٹھٹھرتے رہتے ہیں۔

کپڑوں کی نوعیت کرتے، پاجامے، پرنے، چادر کا ایک ہی قسم کا دوسوتی کپڑا ہوتا ہے۔ بی کلاس، اخلاقی قیدی کو یہ چیزیں استعمال شدہ دی جاتی ہیں گول ٹوپی بھی دوسوتی کپڑے کی ملتی ہے۔

دری معمولی سوت کی ڈیڑھ فٹ چوڑی اور چھ فٹ لمبی ہوتی ہے جو پٹڑی پر بچھائی جاتی ہے۔ پٹڑی ڈیڑھ فٹ چوڑی اور چھ فٹ لمبی ہوتی ہے جسکی شکل کسے ہوئے چارپائی کے جھلنگے جیسی ہوتی ہے مگر بان موٹا ہوتا ہے۔

بی کلاس قیدی کو کپڑے بھی دیئے جاتے ہیں مگر کپڑے میں دھاری نہیں ہوتی، اگر ان کا اپنا بستر نہ ہو تو ان کو دو چادریں ملتی ہیں اور پٹڑی کے بجائے چارپائی دی جاتی ہے، جاڑوں میں گرم کپڑے کا کوٹ دیتے ہیں۔ یہ پنجاب کے جیلوں کا قاعدہ ہے، یو۔پی کے جیلوں میں جو کپڑے دئیے

---

[1] جیل مینوئل یو۔پی صفحہ ۱۲۲

جاتے وہ حسب ذیل ہیں۔

یُوپی کے یُورپین قیدیوں کے کپڑے

یورپین قیدیوں کو جو کپڑے دیئے جاتے ہیں اُن کا نقشہ نہ پُرانے ضابطے میں دیا گیا تھا نہ جدید ضابطۂ قواعد میں پایا جاتا ہے لیکن انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات نے ۲۴ر فروری سنہ ۱۹۲۷ء کو جو سرکلر ۲ جاری کیا اُس کے مطابق یورپین قیدیوں کے کپڑوں کا نقشہ یہ ہے:-

موسم گرما	موسم سرما
دو کوٹ	دو خالی فلالین کے کوٹ
دو پتلون	ایک پتلون
دو قمیص	دو قمیص
ایک چٹائی یا دری	ایک چٹائی یا دری
ایک تکیہ سوتی	ایک تکیہ سوتی
ایک نرم چھجے دار ٹوپی	ایک نرم چھجے دار ٹوپی
دو جوڑی سفید موزہ	دو جوڑی سفید موزہ
دو تولیے	دو تولیے
ایک جوڑی سیاہ جوتہ	ایک جوڑی سیاہ جوتہ
دو دو سوتی چادریں	ایک اونی جرسی
دو تنگ موری کے پاجامے	دو تکیہ غلاف
(جو پتلونوں کے نیچے پہنے جاتے ہیں)	دو تنگ موری کے پاجامے

ہندوستانی قیدیوں کے کپڑے جدید ضابطۂ قواعد وضوابط مجریہ ۲۷
باب ۱۱ میں صفحہ ۹۷ کے پیراگراف ۵۶
ہندوستانی مرد قیدیوں کے کپڑے کا یہ نقشہ دیا گیا ہے :۔
گرمیوں کے لئے :۔
ایک کرتا، ایک جانگیہ۔ ایک لنگوٹ۔ ایک ٹکوئی۔ ایک تولیہ۔
کمبل۔ جاڑے میں ان قیدیوں کو دو کمبل اور ایک کمبل کا کوٹ ملتا ہے۔
بعض قیدیوں کو جاڑے کے موسم میں ایک اضافی کمبل بھی دیا جا
مگر یہ اضافی کمبل صرف اسی حالت میں دیا جاتا ہے۔ جب ایسا کرنے کے
طبی وجوہ موجود ہوں۔ ۔ؔ

نسلی امتیاز اور جیل کمیٹی ۱۹۲۹ء میں جیلوں کی جو تحقیقات ہوئی تھی
اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں یوربین کے
امتیاز کو بری نظر سے دیکھا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۴۷ پر وہ لکھتے ہیں :۔
جو امور طعام و قیام و لباس میں بے نقاب ہوئے ہیں ان کو ایک
دوسرے کے مقابل رکھ کر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان معاملوں میں یو
قیدیوں کے ساتھ خاص اور امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ ان حالا
میں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ امتیازی سلوک صرف یورپ
قیدیوں کے ساتھ کیوں ہے؟
اس سوال پر بحث کرتے ہوئے سر لوئی اسٹوارٹ نے اپنے نوٹ

ؔ رپورٹ صوبہ یوپی کی جیل تحقیقاتی کمیٹی ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۴۵ تا صفحہ ۲۴۶

یہ لکھا ہے کہ اس امتیازی سلوک کے لئے صحیح جواز موجود ہے کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ ایک ہندوستانی قیدی کو جو خوراک دی جاتی ہے وہ ایک یورپین قیدی کو راس نہیں آئے گی اور اس خوراک کا اس کی تندرستی پر برا اثر پڑے گا۔ اس کے علاوہ زندگی کی جو آسائش اس کو دی جاتی ہے ان میں ایک خاص حد سے آگے بڑھ کے تخفیف کرنے سے اس کے لئے حالات بہت زیادہ تلخ بن جائیں گے۔"

ہم کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے اور ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس امتیازی سلوک کی بنیاد نسلی، مذہب، اور رنگ کی تمیز پر ہے۔ ہم سرلوئی کی دلیل کو اس حالت میں درست اور ناقابل تردید مان لینے کے لئے تیار ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ جو سلوک یورپین قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ٹھیک ایسا ہی سلوک ہندوستانی سماج کے تعلیم یافتہ اور اعلیٰ طبقوں کے افراد کے ساتھ بھی کیا جائے۔

آیئے اس سوال کی ذرا زیادہ قریب سے جانچ کریں اس سے پہلے کہ ہم آگے چلیں یہ بات صاف کر دینا چاہتے ہیں کہ بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی طریقے سے بھی یہ خواہش نہیں رکھتے کہ جو آسانیاں اور مراعات یورپین قیدیوں کو ملی ہوئی ہیں وہ ان سے واپس لے لی جائیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہی آسانیاں اور رعائتیں ہندوستانی قیدیوں کے لئے بھی فراہم کی جائیں۔ البتہ اگر یورپین قیدیوں کی مساوی حیثیت رکھنے والے اور ان کے مقابلہ میں زیادہ اونچے معیار زندگی کے عادی ہندوستانی قیدیوں کی جیل کی زندگی کو بہترین بنایا جا سکتا تو یقیناً ہندوستانی عوام یورپینوں کے ساتھ کئے جانے والے اس امتیازی سلوک کو برداشت نہیں کر سکتے

اور برداشت نہیں کریں گے۔ حکومت کے سامنے دو ہی راستے ہیں، یا ق
سب کے ساتھ یکساں سلوک کرے یا ان ہندوستانی قیدیوں کے ساتھ بھی یورپین ق
کا سا امتیازی سلوک کرے جن کے بارے میں ہم نے کہا ہے۔ وہ بہتر سماجی درجہ
والے قیدی ہوتے ہیں۔

یو، پی کے سی کلاس قیدیوں کے کپڑے

مرد	عورتیں
دو کرتے	دو ساری
دو جانگیے	دو کرتے
ایک پاجامہ	دو کرتی
ایک لنگوٹ	دو پرنیں
ایک ٹوپی	ایک چادر
ایک پرنہ (رومال)	
ایک تکونی	
ایک چادرہ	

ایک صافہ ۶ گز لمبا، ۳ فٹ چوڑا اور اس کے لئے ایک
گرمی، کی جس کی مدت یکم اپریل سے ۳۰ ستمبر تک ہوتی ہے۔
سردی جس کی مدت یکم اکتوبر سے ۱۲ مارچ تک ہوتی ہے۔ گرمی میں

کمبل اور سردی میں دو کمبل اور کمبلی کوٹ اور اگر زیادہ سردی ہو تو تین کمبل دیئے جاتے ہیں۔

بچوں کا لباس گرمی میں بچوں کو حسب ذیل لباس دیا جاتا ہے :-

دو سوتی قمیصیں خاکی	۲ عدد
" پرنے	۱ عدد
" چھوٹی قمیص	۲ عدد
" لنگوٹی	۱ "
" ٹوپی	۱ "
" چادر	۱ "
کمبل	۱ "

سردی میں

دو لیم کوٹ	۱ عدد
کمبل	۲ عدد

نمبرداروں کا مزید لباس یو، پی میں سزا یافتہ محافظ یعنی نمبردار کو مزید دو کوٹ، دو کرتے، ایک جانگیہ، ایک پاجامہ اور ایک ٹوپی ملتی ہے، ان کو علیحدہ کمبل بھی دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح سزا یافتہ وارڈر مزید کپڑے دیئے جاتے ہیں، بیمار قیدی بھی زیادہ کپڑے لے سکتا ہے۔

سول قیدی کا لباس دیوانی قیدی اوّل درجہ کو گرمی میں ۴۰ روپے اور سردی میں ۶۰ روپے کے قیمتی کپڑے ملتے ہیں

دوئم درجہ کو ۳۲ - گرمی اور سردی میں ۸۰ روپے - اور تیسرے درجے کو ۱۷ روپے گرمی میں اور ساڑھے ۲۵ کے سردی میں کپڑے دیئے جاتے ہیں۔

کپڑے دھونا

سی کلاس کو کپڑے دھونے کے لئے صابن نہیں دیا جاتا بلکہ سجی ملتی ہے۔ جو ہفتہ میں ایک مرتبہ ۴ تولے فی کس دی جاتی ہے۔ جس سے ہفتہ میں ایک مرتبہ کپڑا دھلتا ہے۔ اس کو ایک بڑے کڑھاؤ میں جو ایک بڑے آگ والے چولہے پر رکھا ہوا ہوتا ہے پانی سمیت ڈال دیا جاتا ہے۔ قیدی کپڑے کو سجی کے ابلتے ہوئے پانی میں دو تین مرتبہ ڈبو کر نکال لیتا ہے اور قریب ہی نل کے چبوتروں پر کوٹ کاٹ کر کپڑوں کو دھو لیتا ہے اور سکھا کر پہن لیتا ہے۔

اے کلاس اور بی کلاس قیدیوں کے لئے صابن ملتا ہے۔ جن کے کپڑے ان کے مشقتی اور قیدی دھوبی دھوتے ہیں۔ اور کپڑے دھونے کے لئے کوئی دن مقرر نہیں ہے البتہ سی کلاس اخلاقی قیدی صرف اتوار کو چھٹی کے دن کپڑے دھو سکتے ہیں۔ لیکن اگر سیاسی قیدی دو دن کپڑے دھونے کا مطالبہ کرے تو ان کو اجازت دے دی جاتی ہے۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ سیاسی۔ سی کلاس قیدی پہلے اپنے کپڑوں کو سجی کے پانی میں ڈبو کر دھو لیتے ہیں جس سے سجی کے پانی میں میل ہی میل ہو جاتا ہے بعد میں اخلاقی قیدی اسی میلے کچیلے پانی میں کپڑے ڈبو کر دھونے پر مجبور ہوتے ہیں۔

جیل کی مشقتیں

سی کلاس اخلاقی قیدی عدالت سے سزا کا حکم سننے کے بعد جیل میں داخل ہوتا ہے۔ شام کو جیل کی جانب سے پہننے، بچھانے کے لئے کپڑے، دیے جاتے ہیں دوسرے دن صبح کو ڈاکٹر اس کا وزن کرتا ہے۔ صحت و تندرستی کا اندازہ لگاتا ہے اور جیلر اور اسسٹنٹ جیلر کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ جو قیدی کی مشقت مقرر کرتے ہیں، جس کو جگائی، مونجھ کٹائی، آٹا پسوائی، بان بٹائی، بال کٹائی، جھاڑو دلائی، پوجا چرخہ کتائی، کھانا پکائی، غالیچہ، کمبل، کپڑا، دری، پٹی بنوائی، پترہ چلائی، کپڑا سلائی و دھلائی، پریس، لوہا، منشی گیری، پیشکاری، وغیرہ مشقتوں میں سے ایک ایک مشقت یکے بعد دیگرے دی جاتی ہے۔ قیدی اگر مشقت کم کرے تو اس کو اس کی سزا ملتی ہے اور اگر انکار کر دے تو اس کو بتیس تین سے لے کر نوے تک

لگائی جاسکتی ہیں جو جیل کی انتہائی سزا کہلاتی جاتی ہے۔ مشقت دینے میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ جو جس کام یا دستکاری سے واقف ہو اُس کو وہی کام مشقت میں دیا جائے۔ مشقت کی تفصیل حسب ذیل ملاحظہ ہو:۔

جگائی جگائی اس مشقت کو کہتے ہیں جس میں دیسی کاغذ بنوایا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک ہودے میں کاغذ کے ٹکڑے ڈالے جاتے ہیں جن کو کوٹنے کے لئے ایک موٹا آہنی گول پترہ ہوتا ہے جو لوہے کی سلاخ کے اوپری حصے میں ایک ڈیڑھ گز لمبی بلی لگائی جاتی ہے اس کو قیدی ایک پاؤں سے دباتا ہے۔ پھر چھوڑ دیتا ہے اور دباتا ہے یہ عمل کافی دیر جاری رہتا ہے، اس کے بعد جب کاغذ موٹا موٹا کٹ جاتا ہے تو دوسری سمنٹ کی ہودی میں کاغذ کو بھگو کر قیدی اپنے دونوں پاؤں سے اس کو لت پت کرکے کوٹتا ہے چونکہ ردی کاغذ میں پنیں ہوتی ہیں وہ پاؤں میں گھپ جاتی ہیں۔ اسی بنا پر پاؤں کی ہتھیلی لہو لہان ہو جاتی ہے اور پاؤں تھک تھک کر چور ہو جاتے ہیں۔

جب قیدی پاؤں سے کاغذی ٹکڑوں کو کوٹ لیتا ہے تو اس کو کپڑے کے ٹکڑے پر پھیلا کر ایک صفا چٹ چبوترے پر ڈال دیا جاتا ہے جس کے اوپر کاغذ کو ہموار کرنے کے لئے لکڑی کا سلیپر استعمال کیا جاتا ہے۔ کاغذ ہموار ہونے کے بعد دیواروں پر لگا دیا جاتا ہے۔ وہ سوکھ کر قابل استعمال کاغذ سرکاری حتم کا جیسے کچہری وغیرہ کے سمن چھپتے ہیں جیسا تیار ہو جاتا ہے جگائی کی مشقت میں قیدی کو تکلیف ہوتی ہے، وہ اس کو مجبوری پسند کرتا ہے۔

مونجھ کٹائی یہ مشقت مضبوط قیدی کو دی جاتی ہے، جو کمزور ہوتا ہے اسکو بھی

مشقت ملتی ہے مگر کم، مونجھ کوٹنے کے لئے کم سے کم تین پاؤ اور زیادہ سے زیادہ سوا سیر ملتی ہے جو لکڑی کے ہتوڑے سے کوٹی جاتی ہے، کافی محنت کے بعد کٹتی ہے، ہاتھ اور بازو تھک جاتے ہیں اور جواب دے دیتے ہیں اور جب مونجھ کو صاف کیا جاتا ہے تو مونجھ کی پھانسیں انگلیوں میں چُبھ جاتی ہیں، ہاتھوں میں گٹے پڑ جاتے ہیں، زیادہ کوٹنے سے بخار چڑھ آتا ہے اور قیدی کو ہسپتال میں داخل ہونا پڑتا ہے۔

آٹا پسوائی قیدی کی صحت کے مطابق بارہ یا اٹھارہ سیر گیہوں فی یوم پسوایا جاتا ہے چکی اونچی ہوتی ہے اس بنا پر قیدیوں کو کھڑے ہو کر پیسنا پڑتا ہے، عام طور پر قیدی اس مشقت سے گھبراتے ہیں، خاص طور پر شہری قیدی اس کے نام سے بھاگتے ہیں مگر جبراً پیسنا پڑتا ہے، آٹا پیسنے کے بعد دس سیر کے وزن میں چھٹانک دو چھٹانک وزن کم ہو جاتا ہے اور کچھ قیدی بھوکے رہنے کی وجہ سے چکی چلاتے وقت گیہوں پھانک جاتے ہیں جس کی کمی کو پورا کرنے کے لئے قیدی آٹے میں مٹی ملا دیتے ہیں مٹی ملنے کی وجہ سے آٹا انتہائی کرکرا ہو جاتا ہے اور کھانے میں بدمزہ معلوم ہونے لگتا ہے، اگر اس آٹے میں مٹی کی ملاوٹ نہ کی جائے تو یہ آٹا بازار کے آٹے سے بدرجہا بہتر اور انتہائی مفید ہے، سی کلاس قیدیوں کو یہی آٹا کھلایا جاتا ہے، بی کلاس اور اے کلاس قیدیوں کو مشین کا پسا ہوا آٹا خرید کر دیا جاتا ہے۔

بان بٹائی اخلاقی سی کلاس قیدیوں کو بان بٹنے کے لیے دس چھٹانک مونجھ دیا جاتا ہے، شروع میں قیدی دو تین چھٹانک موٹا موٹا بان بٹتا ہے اور بٹتے بٹتے پورا بان بٹنے لگتا ہے، بان بٹنے میں ہاتھوں میں بان کی پھانسیں چبھ

جاتی ہیں چھالے پڑ جاتے ہیں۔

سیاسی قیدیوں کو تین چھٹانک مونجھ دیا جاتا ہے جس کو وہ بٹ بٹا کر جلدی سے اپنی مشقت ختم کر دیتے ہیں یہ بان جیل کی چارپائیوں کے بننے میں کام آتا ہے اور شہر کے بیوپاریوں کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا ہے۔ یا کسی جیل میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

شریر قیدی بان بٹنا نہیں چاہتے تو مونجھ کو اتنا الجھا دیتے ہیں کہ وہ سلجھ نہ سکیں جس کی وجہ سے ان کو بان بٹنا نہیں پڑتا۔

بال کٹائی

حجامت کا کام نائیوں کو دیا جاتا ہے۔ استرے، مشین، قینچی نہایت زبردست اور مکروہ صورت ہوتے ہیں نائی چکر کے قریب بیٹھ جاتا ہے۔ سی کلاس قیدی اس کے پاس آتے ہیں اور وہ ان کی حجامت بنا دیتا ہے۔ مشین کھُردری ہونے کی وجہ سے کاٹتے وقت قیدی کو رلا دیتی ہے اور تکلیف کی وجہ سے آنسو نکل آتے ہیں۔ صابن حجام کو بالکل نہیں ملتا پانی رگڑ رگڑ کر استرہ گلے کی کھال پر چلایا جاتا ہے جس سے کھال تک اکھڑ جاتی ہے۔ ناخنی بھی اپنا کام نہیں کرتی۔ قینچی بال کاٹنے سے انکار کر دیتی ہے۔ حجام ان اوزاروں سے پریشان ہو جاتا ہے۔ لیکن حکام جیل ان کو استعمال کرانے میں جھجک محسوس نہیں کرتے۔

بی کلاس اخلاقی اور سیاسی قیدیوں کی حجامت بھی یہی حجام بناتا ہے سیاسی قیدیوں کے احتجاج پر یہ نکمے اوزار بدل دیئے جاتے ہیں اور اچھے اوزار ملنے پر حجامتیں خوب بنتی ہیں۔

ادھر ان اوزاروں کی بڑی نگرانی کی جاتی ہے۔ حجام جب اپنے کام سے فارغ ہو جاتا

ہی تو یہ اوزار مقفل کر دیئے جاتے ہیں تاکہ کسی قیدی کے قبضہ میں چلے نہ جائیں جو کسی حملے کے لئے استعمال ہو سکیں۔ یا قیدی اپنے جسم کو نقصان پہنچا سکے۔ حجام یہ اوزار دستخط کرنے کے بعد لیتا ہے۔ اور ذمہ داری کے ساتھ واپس کر دیتا ہے۔ تمام مشقتوں میں صرف یہ ایک مشقت آمدنی والی ہوتی ہے۔ حجام روزانہ اچھی خاصی بیڑیاں کما لیتا ہے جو قیدی بیڑی دینے کی قابلیت نہیں رکھتا وہ " بنا رہتا ہے اور بہت دنوں کے بعد اس کا نمبر آتا ہے۔ اور بعض مرتبہ تو آتا ہی نہیں۔

جھاڑو دینا ان قیدیوں کو جو بھنگی چمار چوڑے غیر پڑھے لکھے اجہل ہوتے ہیں انکو جھاڑو دینے اور بیت الخلاء ونالیوں کو صاف کرنیکی مشقت دیجاتی ہے۔ جو بار کوں سڑکوں وغیرہ کو صاف کرتے ہیں اور کوڑا کرکٹ ہٹا دیتے ہیں انکی جھاڑو بانس کی سینکوں کی بنی ہوتی ہے جس سے صفائی خاطر خواہ نہیں ہو سکتی۔ تمام جیل میں جھاڑو گنجی دیجاتی ہے

پوچا جھاڑو کے بعد پوچا دیا جاتا ہے ایک ٹاٹ کا ڈیڑھ فٹ چوڑا، اور چار فٹ لمبا ٹکڑا بانس کے ڈنڈے میں باندھ دیا جاتا ہے اس کو پانی میں بھگو کر گیلی زمین پر گھسیٹا جاتا ہے۔ جس کو جیل کی اصطلاح میں "پوچا" کہا جاتا ہے اس پوچے کو حوالاتی لوگوں سے زیادہ دلوایا جاتا ہے۔ جو صبح کے وقت ہمیشہ ملتا ہے۔ باقی لوگ قیدی ہوتے ہیں جن سے یہ مشقت لی جاتی ہے۔

چرخہ کتائی کاتنے کے لئے ۲ چھٹانک سے چھ چھٹانک تک روئی مشقتی قیدی کو دیجاتی ہے۔ یہ مشقت اے، بی کلاس سب کو ملتی ہے۔ اس مشقت کو بعض گاندھی وادی پسند کرتے ہیں اور خوشی خوشی اس کام کو انجام دیتے ہیں۔

جو قیدی چرخہ کاتنا نہیں جانتے انھیں شروع میں یہ مشقت بری معلوم دیتی ہے۔

اور بعض قیدی اس کام سے چڑتے ہیں اور اپنی ذاتی توہین سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ کام عورتوں کے لئے ہی موزوں ہے۔

اس مشقت میں قیدی کے لئے یہ بڑی دقت ہوتی ہے کہ اسکو چھٹانک روئی دی جاتی ہے تو کتا ہوا سوت بھی چھ چھٹانک مانگا جاتا ہے حالانکہ جیل حکام قیدی کو خراب پُرانی اور بنولے اور کباڑ والی روئی دیتے ہیں جو کتنے کے بعد ایک سیر میں پندرہ چھٹانک رہ جاتی ہے اور اس کا تمام کباڑ نکل جاتا ہے۔

اس دقت سے بچنے کے لئے قیدی یہ شکل اختیار کرتے ہیں کہ ککڑی کو گیلے کپڑے میں لپیٹ لیتے ہیں جس کی سیل سے ککڑیوں کا وزن بڑھ جاتا ہے اور وزن کی کمی دور ہو جاتی ہے۔ یا یہ طریقہ برتا جاتا ہے کہ روئی کا کباڑ یا بنولے جو کتنے میں الگ ہو جاتے ہیں اُن کو ککڑیوں کے اندر باندھ کر دیدیا جاتا ہے۔

سیاسی قیدیوں کو روئی کاتنے کے لئے آدھی چھٹانک یا زیادہ سے زیادہ ایک چھٹانک ملتی ہے جس کو بعض قیدی کات دیتے ہیں اور بعض کم کاتتے ہیں۔ بی کلاس قیدی اپنی مشقت اپنے مشقتیوں سے پوری کرا دیتے ہیں خود ٹہلتے رہتے ہیں یا پڑے اینڈتے رہتے ہیں۔

کھانا پکائی

کچن (مطبخ) جیل میں ہندو مسلمانوں کا الگ ہوتا ہے لیکن اس کی علیحدگی ایسی ہوتی ہے کہ ایک بلڈنگ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ایک حصہ میں مسلم مطبخ اور دوسرے حصے میں ہندو مطبخ بنایا جاتا ہے دونوں کے چولھے ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں، ایک آگ کی بھٹی پر ایک دیگ مٹی سے لیپ دیتے ہیں جو کبھی مہینے دو مہینے میں علیحدہ کر کے دھوئے جاتے ہیں، اگر کوئی بدقسمت آدمی اسکے اندرونی

حصہ کو دیکھ لے تو ہفتوں تک فاقہ سے رہنا پسند کرے گا، لیکن اس کی تیار کردہ دال
اور سبزی کھانا گوارا نہ کریگا۔ اس لئے کہ اس کو صاف نہیں کیا جاتا اور بلا صاف کئے
اس میں سبزی پکائی جاتی ہے۔

اس دیگ سے ملا کر دو فٹ چوڑا اور چار فٹ لمبا چولھا بنایا جاتا ہے جس پر لوہے
یا تانبے کا بڑا توا رکھ دیا جاتا ہے، ایک وقت میں چھ روٹیاں ڈالی جاتی ہیں، ایک آدمی
پیڑہ کاٹتا ہے اور تول لیتا ہے، دوسرا پیڑہ اور تیسرا پیڑہ بناتا ہے۔ چوتھا اور پانچواں
مشقتی روٹی توے پر ڈالتا ہے اور دو تین مشقتی روٹی اُلٹتے پلٹتے اور توے سے
اُتارتے رہتے ہیں۔

توا جب پرانا ہو جاتا ہے تو اُس میں چھید ہونے کی وجہ سے روٹی سیاہ ہو جاتی
ہے، لکڑی تول کر حساب سے کم دی جاتی ہے، اس طرح جیل حکام کے وارے نیارے ہوتے
ہیں اور قیدی کچی روٹی کی وجہ سے بھوکے رہ جاتے ہیں۔

رات کے ایک بجے سے صبح ۱۱ بجے کے کھانے کی تیاری ہو جاتی ہے، آٹا
گوندھنے والے آٹا گوندھنا شروع کر دیتے ہیں، دال بھگو دی جاتی ہے اور رات کے تین
بجے سے دال پکنے کے لئے چولھے پر رکھ دی جاتی ہے، اور اسی وقت سے روٹی توے
پر چڑھا دی جاتی ہے جس کے پکانے سے صبح نو بجے تک فارغ ہو جاتے ہیں۔ سبزی
ایک بڑے آہنی ڈول میں رکھ کر تقسیم ہوتی ہے جو کبھی منجھتا نہیں اور
دُھلتا نہیں، دال اور سبزی کی تہ پر تہ چڑھتی جاتی ہے، اس کو صاف
کرنا گناہِ عظیم سمجھا جاتا ہے۔

شام کا کھانا دن کے ۱۲ بجے سے تیار ہونا شروع ہو جاتا ہے اور چار بجے

تک تیار ہو کر پانچ بجے تقسیم ہو جاتا ہے۔ مطبخ کے قیدیوں کو لانگری کہتے ہیں مطبخ کے کھانے کی وجہ سے لانگریوں کو چھوٹ زیادہ ملتی ہے۔ اس لئے کہ ان کو کام زیادہ کرنا پڑتا ہے۔ اتوار کو بھی چھٹی نہیں ملتی اور قیدیوں کو سال بھر میں ڈھائی ما ▪ چھوٹ دیئے جاتے ہیں۔ مگر لانگری تین ماہ کی چھوٹ کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔

بُنائی کپڑا، پٹڑی، دری دہلی جیل میں اور کمبل، تولیہ، تہمند، ازار بند، غالیچہ، فیروزپور جیل میں بنائے جاتے ہیں۔ ٹوکریاں، زنبیل، کرسیاں بھی جیلوں میں تیار ہوتی ہیں۔ جن کو پبلک کے ہاتھ بھی فروخت کیا جاتا ہے اور مقامی جیل بھی استعمال کرتی ہے۔ بقایا دوسری جیلوں میں تبادلہ میں بھیجدیا جاتا ہے۔ دستکار قیدیوں کو چھوڑتے وقت جیل حکام ہچکچاتے ہیں ان ہی کی بدولت جیل حکام اپنی جیل کی آمدنی میں اضافہ کرتے ہیں۔ اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ دستکار قیدی جیل سے باہر نہیں رہنے دیئے جاتے بلکہ پولیس کسی نہ کسی طریقہ سے اس کو جلد جیل پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ تمام چیزیں ایک جیل کے ملازم کے ماتحت اور اس کی نگرانی میں انجام کو پہنچتی ہیں۔

پترہ چلائی پترہ چلائی جیل کے اندرونی کوٹ موقعہ یعنی جیل کی چار دیواری پر چلایا جاتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قیدی کو فرار ہونے سے روکا جائے اور اگر قیدی فرار ہو تو فوراً پترہ والا نمبردار سیٹی بجائے سیٹی بجتے ہی جیل کے دروازہ کی چھت کا نمبردار سیٹی بجا دیتا ہے تو فوراً تمام نمبردار ہوشیار ہو جاتے ہیں۔

لمبردار جس کے سپرد یہ کام ہوتا ہے اُن کی تعداد دس ہوتی ہے جو قیدی ہوتے ہیں اور اپنی چوتھائی قید کاٹنے کے بعد لمبردار بنا دیئے جاتے ہیں پترہ لکڑی کے چھوٹے ٹکڑے کو کہتے ہیں جس پر نمبر پڑے ہوئے ہوتے ہیں، جیل کی چار دیواری کو دس حصّہ میں منقسم کیا جاتا ہے ہر ایک حصّہ کو کوٹ موقعہ کہا جاتا ہے - ایک کوٹ موقعہ سے دوسرے کوٹ موقعہ پر ۲ منٹ میں پترہ پترہ گزرنا لازمی ہوتا ہے۔ جیل کے دروازہ سے پہلا پترہ ہر ۲ منٹ کے بعد چلتاہے پہلا پترہ ایک گھنٹہ کے بعد دروازے پر پہنچتاہے۔ بقایا پترے ۲-۲ منٹ کے بعد سلسلہ وار دروازے پر پہنچتے ہیں - کسی کوٹ موقعہ کا لمبردار پترہ کو ۲ منٹ سے زیادہ اپنے پاس روک نہیں سکتا اور نہ دو پترے اپنے پاس رکھ سکتا ہے- اگر رکھے گا تو اس کی اسکو سزا دی جائے گی، یہ پترہ ۲۴ گھنٹے چلایا جاتا ہے - اور ہر لمبردار کی تین گھنٹے کی ڈیوٹی ہوتی ہے جس میں تیس پترے چلتے ہیں بعض موقعوں پر بیرونی حصّہ میں رات کو پترہ چلنا شروع ہو جاتا ہے جو رات کے ۹ بجے سے صبح ساڑھے چار بجے تک چلتاہے، اس میں بارہ لمبردار لگائے جاتے ہیں - رات کا پترہ چلنا پولیٹیکل قیدیوں کا جیل میں آنے کی نشانی یا کسی خطرے کے امکان کا مقابلہ کرنا ہوتاہے، مذکورہ طریقہ دہلی جیل میں رائج ہے ، ہر جیل میں اُس کی حیثیت کے مطابق لمبردار کی تعداد اور پترہ وغیرہ کا وقت مقرر ہوتا ہے -

کپڑا سلائی دھلائی — جو قیدی درزی کا کام جانتاہے اُس کو سی کلاس کے قیدی کے کپڑے سینے کے لئے لوہے کے کارخانے میں بٹھا دیتے ہیں - سینے کے لئے -

سوئیاں نہیں بلکہ سوئے ہوتے ہیں تاگہ کافی موٹا ہوتا ہے۔ جس کی شکل دیکھکر سینے سلانے کا خیال ختم ہو جاتا ہے۔ جو قیدی اچھے قسم کا درزی ہوتا ہے اس کو سینے کی پاؤں والی مشین دی جاتی ہے جس میں سب سے پہلے جیلر اور اسسٹنٹ جیلر اور ان کی اولادوں کے کپڑے سلتے ہیں۔ بعد میں ہیڈ وارڈ اور وارڈ اپنے کرتے پجامے سلواتے ہیں۔ قیدیوں کا مہینوں کے بعد نمبر بھی نہیں آتا۔ البتہ جیل کے کرتے پجامے وہی درزی سیتا ہے۔

دھوبی قیدی بھی تمام دن جیلر اور اسسٹنٹ جیلر کے کپڑے دھوتا ہے اور استری کرتا رہتا ہے جو صابن کپڑے دھونے کا ہوتا ہے اور بھٹی گرم کرنے کے لئے جو لکڑی ملتی ہے وہ سب جیل حکام کی نظر ہوتی ہے یا ان کے کپڑوں کے صاف کرنے کے کام آتی ہے جب کپڑا جیل میں آتا ہے تو اس کا اندراج وہاں کے رجسٹر میں نہیں ہوتا حالانکہ جیل کا قاعدہ ہے کہ جو چیز جیل میں داخل ہو یا جیل سے باہر جائے اس کو رجسٹر میں درج کرنا چاہیئے۔

پریس پریس میں لکھنے پڑھنے والے قیدی کتابت کرتے ہیں۔ انکا پی کو پتھر پر چڑھاتے ہیں مشین مینی کرتے ہیں۔ جو کاغذ پریس میں چھپتے ہیں وہ عدالتوں کے سمن وارنٹ اور رجسٹر ہوتے ہیں۔ جو چھپنے کے بعد عدالتوں میں بھیجدیئے جاتے ہیں۔

لوہار جیل کے دروازے۔ بارکوں کی سلاخیں اور لوہے کی دیگر چیزیں درست کرنے کے لئے قیدی کو لوہار کا کام دیدیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ اس کام کو جانتا ہو۔ یہ لوہار سی کلاس اخلاقی قیدیوں کے پاؤں میں کھڑی بیڑی

ڈالتے ہیں جبکہ ان کا تبادلہ کسی جیل میں ہوتا ہے۔ یا جو قیدی تبادلہ ہوئے جیل میں آتا ہے تو اس کے کڑے اور بیڑی اتارنے کی ذمہ داری اس لوہار پر ہوتی ہے۔ حکم ہوتے ہی وہ اپنا یہ فرض انجام دیتا ہے۔

منشی گیری جو قیدی پڑھا لکھا ہوتا ہے اس کے ذمہ لکھنے پڑھنے کا کام کر دیا جاتا ہے۔ بعض منشی قیدیوں کی سرکاری اپیلوں کا مضمون لکھتے ہیں۔ بعض ڈیوڑھی پر قیدی کی آمد کے بعد قیدی کا پتہ وغیرہ رجسٹر میں چڑھاتے ہیں۔ بعض بارکوں کے قیدیوں کی فہرست بناتے ہیں دو وقت حاضری لیتے ہیں۔ بعض کپڑوں کا حساب رکھتے ہیں۔ بعض ہسپتالوں کے قیدیوں اور ان کی بیماری وغیرہ کی نوعیت کا رجسٹر میں اندراج کرتے ہیں۔

یہ مشقت کثرت کے ساتھ رشوت کے زور پر ملتی ہے۔ پڑھا لکھا آدمی اس کو غنیمت جانتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اسی مشقت میں اپنی پوری قید بتا دے لیکن اس جگہ پر رہنے کے لئے مسلسل جیب گرم کرنی پڑتی ہے۔ اور ماہانہ نذرانہ پیش کرنا پڑتا ہے۔

پیشکاری جیل حکام کی پیشکاری بھی آرام دہ مشقت ہے اس میں اکثر جاہل لوگ لئے جاتے ہیں جو جیلر یا سپرنٹنڈنٹ جیل کے پیچھے پیچھے لمبی لمبی چوڑی چھتری لے کر آگے پیچھے پھرتے ہیں۔ جیلر کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ کوئی شریر قیدی جیلر پر حملہ نہ کر دے۔ پیشکاری کے لئے اور ہر ایک مشقت کے لئے یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ پندرہ دن بعد بدل جاتی ہے یا اسی کو بڑھا دیا جاتا ہے لیکن عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ پیشکاری کا معاملہ مہینوں کھٹائی

میں ڈالدیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جیل حکام ان پیشکاروں کے ذریعہ رشوتیں وصول کرتے ہیں۔ دلالی کے فرائض یہی لوگ انجام دیتے ہیں اس بناپر جلدی تبدیل نہیں کئے جاتے، یہ لوگ جیل کے امیروں اور غریبوں سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ مگر کسی کو بخشنا پاپ سمجھتے ہیں اور ہر قیدی کو اپنے تیر کا نشانہ بناتے ہیں، یہ پہلے قیدی کی شکل میں خوب ستائے جاتے ہیں، پیشکار ہونے کے بعد گن گن کے انتقام لیتے ہیں۔

جیل کی سزائیں

جیل میں دو قسم کی سزائیں دی جاتی ہیں، ایک عدالتی اور دوسری جیل کی جو جیل حکام نافرمان قیدیوں کو دیتے ہیں، عدالت سے سیاسی قیدیوں، اور اخلاقی قیدیوں کو قید کے علاوہ پھانسی اور بیت لگانے کی سزا دی جاتی ہے اور جیل کے قیدیوں کو جیل میں شرارت کرنے کے عوض بیت لگانے، کال کوٹھری کی قید تنہائی، کھڑی ہتھکڑی، ڈنڈا بیڑی، کھڑی بیڑی۔ ٹاٹ وردی، لال وردی، چکی کوٹھری وغیرہ کی سزائیں ملتی ہیں، شرارتوں میں جیل حکام کو زدوکوب کرنے، اُن کو گالیاں دینے، بیڑیاں منگانے، رکھنے اور پینے، نقدی رکھنے، مشقت نہ کرنے، جیل حکام کا حکم نہ ماننے، قیدیوں کو ورغلانے کھانا نہ کھانے کی تلقین کرنے کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور ان کے عمل کے بعد اسکو سزا ملتی ہے۔ سزا دینے اور اُس کو معاف کرنے کا حق سپرنٹنڈنٹ جیل کو ہوتا ہے۔ جیلر سزا دینے کا حق نہیں رکھتا لیکن جو کچھ جیلر لکھ دیتا ہے اسی پر سپرنٹنڈنٹ جیل معاملات کو سمجھنے کے بعد حکم صادر کر دیتا ہے، البتہ کسی قیدی کو بیت اس وقت تک نہیں لگائی جا سکتی جب تک انسپکٹر جیل کی منظوری نہ لے لی جائے۔ لیکن اگر سپرنٹنڈنٹ جیل بمشورہ ڈاکٹر کسی عدالتی بیت کی سزا کو معاف کرنا چاہے

تو کر سکتا ہے۔

پھانسی

پھانسی دینے سے ایک روز پہلے قیدی سے اُس کے عزیز و اقارب جیل کے اندر پھانسی کوٹھی پر ملنے آتے ہیں، قیدی پھانسی کوٹھی کے اندر ہوتا ہے، باہر سے اُس کے والدین و اقربا بات چیت کر کے چلے جاتے ہیں، وہ ملاقات کا منظر انتہائی دردناک ہوتا ہے، دیکھنے والوں کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں، قیدی اپنی جگہ پر بے اُس بے قابو کسی مددگار غیبی کا متلاشی ہوتا ہے، ماں باپ جب روتے چلاتے چلے جاتے ہیں وہ ہستیاں جنہوں نے اس کی زندگی بنائی تھی اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالکر اُس کو پالا پرورش کیا تھا جب وہ نا امید ہو کر واپس لوٹتے ہیں، تو قانون کا پُتلا جیلر ان کو جب جیل سے باہر نکال دیتا ہے تو قیدی کی جان اُسی وقت قریب قریب نکل جاتی ہے، اور حقیقی معنوں میں اُس کو اُسی وقت پھانسی دے دی جاتی ہے۔ رات بھر قیدی تڑپتے تڑپتے، گھبراہٹ کے دورے پڑتے پڑتے قریب قریب ادھ مرا ہو جاتا ہے، پھانسی والی رات جیلر کے لئے بھی مصیبت کی رات ہوتی ہے۔ قیدی کو صبح پھانسی کے لئے پیش کرنا ہوتا ہے۔ رات بھر جیلر اور اسسٹنٹ جیلر کو بھاگا دوڑی کرنی پڑتی ہے کہ کہیں رات ہی کو قیدی موت کا شکار نہ ہو جائے اور اس کو غیر ذمہ دار نہ بننا پڑے۔ جیل حکام کے لئے وہ رات رنجیدہ ہوتی ہے، ڈاکٹر اپنے آلات سے ہر وقت تیار رہتا ہے اور اپنے دماغ کو بیدار رکھتا ہے تاکہ قیدی کو صبح پھانسی کے تختے پر زندہ سلامت پہنچا دے۔

صبح کاذب کا اس وقت راج ہوتا ہے چار بجے سے قیدی کو پھانسی کے تختے پر لے جانے کی تیاریاں شروع کر دی جاتی ہیں، نیم مُردہ انسان دو دو تین تین آدمیوں کے سہارے سے چلایا جاتا ہے، پہنچایا جاتا ہے دار پر، جلاد اطمینان و سکون کے عالم میں رسیوں کو درست کرتا ہے، سپرنٹنڈنٹ جیل، جیلر اسسٹنٹ جیلر، جیل کا تمام عملہ ایک آدمی کو پھانسی دینے کا انتظام میں مصروف و مستغرق نظر آتے ہیں۔ نیلی وردی کوٹھری میں لے جا کر قیدی کو پہنائی جاتی ہے۔ دونوں ہاتھ پیچھے کر کے باندھ دیئے جاتے ہیں اور مونڈھوں کے نیچے موٹے رسے سے بازوؤں کو باندھ کر تیار کر دیا جاتا ہے اور بھیڑ سا سہارا دیکر پھانسی کے تختے پر پہنچا دیا جاتا ہے جہاں قیدی سے دُگنے وزن کی سمنٹ بھری ہوئی دو بوریاں قیدی کے ٹخنوں میں کس دی جاتی ہیں، سپرنٹنڈنٹ جیل رومال سے اشارہ کرتا ہے، جلاد فوراً نیلا ٹوپ قیدی کے مُنہ پر اُڑھا دیتا ہے اور لوہے کی دو انچ لمبی اور آدھ انچی چوڑی پتی حلقوم پر رکھ دی جاتی ہے، اور نیچے سے دونوں تختے کھینچ دیئے جاتے ہیں جس کے کھینچنے سے دو بوریاں نیچے کے گڑھے میں گر جاتی ہیں۔ اسی سے گردن میں دھچکا لگتا ہے اور نیم جان انسان منٹوں میں بے جان ہو جاتا ہے۔ لیکن قیدی کی لاش کو دس منٹ تک پھندے میں لٹکائے رکھتے ہیں۔ جلاد گڑھے میں اُتر جاتا ہے اور اس کی ٹانگیں پکڑ کے تین مرتبہ جھٹکے دیتا ہے لاش کو پھندے میں سے نکال کر ایک چارپائی پر ڈال دیا جاتا ہے اسکا سول سرجن معائنہ کرتا ہے اور معائنہ کے بعد ورثاء کے سپرد لاش کر دی جاتی ہے، ورثاء نیلی

وہ رسی قیدی کے جسم سے اُتار کر جیل حکام کے سپرد کر دیتے ہیں جو آئندہ کی پھانسیوں کے لئے رکھ لی جاتی ہے - یہ جلاد لاہور کا باشندہ ہے فی پھانسی دس روپیہ اور کرایہ ریل آمد و رفت اس کو دیا جاتا ہے یہ تمام پنجاب میں گشت لگاتا رہتا ہے -

انگلینڈ میں لاش قیدی کے ورثا کو نہیں دی جاتی بلکہ پھانسی گھر ایسی جگہ بنایا جاتا ہے جہاں سمندر قریب ہوتا ہے اور اس کو سمندر میں بہا دیا جاتا ہے -

انگلینڈ میں پھانسی ہندوستانی طریقے سے بھی دی جاتی ہے اور اس کے برعکس بجلی سے بھی جان نکالی جاتی ہے، قیدی کو ایک کرسی پر بٹھا دیا جاتا ہے اور اُس کو ایک مست کر دینے والا گانا سنایا جاتا ہے جس کو سُن کر وہ بیخود اور بیہوش ہو جاتا ہے اسی حالت میں ۲۰۰۰ کی طاقت کی بجلی اس کے جسم میں چھوڑ دی جاتی ہے جس سے ایک سکنڈ میں اُس کی رُوح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی ہے اور اس بے روح کے لاشہ کو سمندر کی نذر کر دیا جاتا ہے -

بینت لگانا

بینت لگانے کی سزا عدالتی بھی ہوتی ہے اور جیل کی بھی عدالتی بینت لگانے کی سزا سخت نہیں ہوتی بلکہ آہستگی سے عمل میں لائی جاتی ہے - ایک ٹکٹکی صدر دروازہ جیل کے سامنے چلر پر لگائی جاتی ہے جو ڈھائی تین گز لمبی ہوتی ہے اور لکڑی کی تین پھٹیوں سے بنائی جاتی ہے، سامنے کی دو پھٹیوں پر بیچ میں گدی ہوتی ہے اور اس کے اوپر دو کڑے کھلنے اور بند ہونے والے لگائے جاتے ہیں، نیچے ایک پھٹی سہارے کے لئے لگا دی جاتی ہے، قیدی کو ٹکٹکی پر چڑھا کر بیچ کی گدی میں اوندھا کر کے

باندھ دیا جاتا ہے، ہاتھ اوپر کے کڑوں میں کس دیئے جاتے ہیں اور کمر کے آخری حصہ پر گیلا کپڑا رکھ دیا جاتا ہے اور جیل کا چوڑا قیدی گیلی بینت اٹھا کر اور گھما کر اس گیلے کپڑے کی جگہ کمر پر مارتا ہے۔

اگر اس چوڑے کو کچھ رشوت دیدی جائے تو وہ بینتیں آہستہ سے مارتا ہے ورنہ اپنی تمام طاقت بینتیں رسید کرنے میں لگا دیتا ہے، اس مار سے بہت سے قیدی بے ہوش ہو جاتے ہیں، کمر پر زخم ہونے والے نشان پڑ جاتے ہیں، چوڑے کی رشوت آٹھ آنے سے لیکر زیادہ سے زیادہ ایک روپیہ تک ہوتی ہے۔

البتہ جو بینتیں نافرمان گستاخ قیدیوں کو لگائی جاتی ہیں وہ بہت سخت ہوتی ہیں اور ان کی تعداد پندرہ سے تیس تک ہوتی ہے، اس میں چوڑا کسی قسم کی رعایت نہیں کر سکتا، اسی بنا پر کہ وہ سزا احکامِ جیل کے ساتھ زیادتی کرنے پر دی جاتی ہے۔ مثلاً ایک سکھ قیدی کو تیس بینتیں لگانے کی سزا اس لئے دی گئی کہ اس نے جیل کی ڈیوڑھی پر اپنی مقدس کتاب گرنتھ صاحب کی تلاشی دینے سے انکار کیا اور جیل کے حکام کے اصرار پر ایک ہیڈ کلرک پر لوہے کی بھاری باٹ کھینچ ماری جس پر جیل کا عملہ جمع ہو گیا اور اس نے اس سکھ کو اپنی گرفت میں لے کر چکی میں بند کر دیا۔ اس کے بعد جب جیل کے عملہ نے اس کتاب کی تلاشی لی تو اس میں سے ایک بڑا چھرا برآمد ہوا۔

بینت لگانے کی سزا خاص طور پر اس کام چور اور ڈھیٹ قیدی کو بھی دی جاتی ہے جو کام کرنے سے صاف طور پر انکار کر دیتا ہے اور ذرہ برابر

بھی مشقت نہیں کرتا ایسے قیدیوں کو نوٹے بینتیں تک ایک دم لگا دی جاتی ہیں جس کے بعد قیدی کسی کام کا رہ نہیں سکتا۔ مگر پھر وہ جیل والوں کے بس کا نہیں ہوتا اس سے کوئی کام لیا نہیں جا سکتا وہ تمام جیل والوں کا گرو مانا جاتا ہے، حکام جیل اُس سے گھبراتے ہیں، اُس کی ہر خواہش پوری کرتے ہیں تاکہ وہ کہیں بگڑ نہ جائے۔ وہ بھی بے فکر ہوتا ہے اس لئے کہ سمجھتا ہے کہ اس کو اب کوئی سزا نہیں دی جا سکتی جو چاہے کرے، جس کو چاہے مارے کوٹے۔

ایسے قیدیوں کے لئے پنجاب میں ایک جیل اور اس جیل میں ایک بارک ان قیدیوں کے لئے مخصوص ہوتا ہے جس میں وہ بند رکھے جاتے ہیں، یہ سلوک ان کے ساتھ اسلئے روا رکھا جاتا ہے کہ وہ اور قیدیوں کو بگاڑ نہ سکیں اور جیل کا نظام درہم برہم نہ ہو جائے۔

مسٹر جنڈی داس ایک اخلاقی قیدی کے بینتیں لگنے کا یوں تذکرہ کرتے ہیں۔

"جیل میں ٹین کے پترے سے خود بنائے ہوئے اُسترے سے تمام جسم کے بال مونڈ کر اور خوب داڑھی منڈوا کر ہاتھ میں رومال لٹکائے پاؤں میں بیڑی باندھے ایک عجیب شان سے کرم دین ۳۲ سالہ نوجوان قیدی رہتا تھا۔

اس نے باوجود ان پڑھ ہونے کے اپنی ہسٹری ٹکٹ کے ایک کونہ پر ایک قسم کی لکیریں کھینچ رکھی تھیں جن سے اُس نے حساب کر کے مجھے بتلایا کہ اُس نے آج تک ۲۷۰ بینت کھائی ہیں۔ اس

نے مجھے اپنے چوتڑوں پہ سے کپڑا اُٹھا کر دکھایا اُن پہ آدھ آدھ انچ گہری لائنیں پڑی ہوئی تھیں جن کو دیکھ کر انسان تھرا اُٹھتا تھا۔

چند یوم گذرنے نہ پائے تھے کہ ایک قیدی کی ہمدردی میں کرم دین کی ملازم وارڈ سے بدکلامی ہو گئی، ملازم وارڈ نے افسرانِ جیل سے شکایت کی اکرم دین نے اس کی پرواہ نہ کی، پیشیوں پہ پیشیاں ہوئیں، نیا سپرنٹنڈنٹ آیا تو اُس نے کرم دین کو ڈانٹا۔ کرم دین بھی ایک اُستاد تھا، خراب روٹیاں دکھا کر بولا کہ تم انصاف کے لئے آئے ہو یا اپنے ماتحتوں کی جائز و ناجائز حمایت کے لئے۔" تم روٹی کو اچھا کرو ورنہ تمہاری یہ روٹیاں میں دورہ پر آنے والے انسپکٹر جنرل کو دکھاؤں گا۔ اور کبھی نہ لوں گا۔ سپرنٹنڈنٹ اس گفتگو سے ناراض ہوا اور پیشی میں پیش کرنے کو کہا۔

پیشی میں پیش ہونے سے پہلے اُس رات کو کرم دین نے اپنے آپ کو کوٹھی میں محصور کر لیا، ہر ایک کوٹھی کے باہر لوہے کے مضبوط دروازے ہوتے ہیں اور اندر آدمی کی چھاتی تک اونچا ایک پختہ اینٹوں کا تھڑا بنا ہوا ہوتا ہے اس کے اوپر چکی لگی ہوتی ہے، اس کے سامنے کھڈی ہوتی ہے جس پر قیدی سوتا ہے، رات کو کرم دین نے اس پختہ تھڑے اور کھڈی کو اُکھیڑ ڈالا اور اندر کی طرف تمام اینٹیں دروازے کے ساتھ چُن دیں جس سے دروازہ بند ہو گیا دن کو یہ حالت دیکھ کر وارڈر نے الارم کی گھنٹی دی، تمام افسر آئے

کرم دین کو بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانا جو دانے اسے دن کو پیسنے کے لئے
ملے تھے ان میں سے اس نے آدھا آٹا اور ایک چھوٹا گھڑا پانی کا اندر
رکھ لیا تھا اور وہ تین چار روز یہی کچا آٹا پانی میں گھول کر پیتا رہا
بس یہی اس محصور کے پاس سامان رسد تھا۔

کرم دین کو بہت ڈرایا دھمکایا، انتہائی کوشش کی، جیلر نے
وعدے کئے تمہیں اچھی خاصی غذا ملے گی، اس نے کہا تم پر میں اعتبار
کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں سپرنٹنڈنٹ کو لاؤ، سپرنٹنڈنٹ آیا اور
اس نے وعدہ کیا تو کرم دین نے اینٹوں کو ہٹایا اور باہر نکلا، بچارا
بڑا نحیف ہو گیا تھا، مگر جونہی وہ باہر نکلا اسے دو ملازموں اور
ایک قیدی نمبردار نے پیچھے سے پکڑ لیا، ٹکٹکی منگوائی گئی بھنگی
نسیدی آیا بید آئے، ڈاکٹری معائنہ ہوا، سپاہیوں
کو کہا چھوڑ دو، اور کرم دین کو کہا اِدھر آؤ بدمعاش۔ کرم دین
چپ چاپ کھڑا تھا، سپرنٹنڈنٹ صاحب ڈبل لگانے کے لئے
جھکے کرم دین نے سپرنٹنڈنٹ کے زور کا طمانچہ رسید کیا
کہ پانچوں انگلیوں کے نشان پڑ گئے۔ مگر سپرنٹنڈنٹ نے اف نہ کی اور بڑے
زور سے بید لگانے کا حکم دیا۔ بید لگاتے وقت قاعدہ ہے کہ ایک
شخص زور سے آواز دیتا ہے، ایک، دو، تین۔

جب آواز دی گئی تو کرم دین نے للکار کر اور گالی دے کر کہا
خبردار! کرم دین خود گنتی کرے گا اور پورے زور سے گننے لگا

ایک، دو، تین، بیس پچیس لگنے کے بعد اُس کی آواز مدھم پڑ گئی میں نے خود اس کے بید لگنے کا نظارہ دیکھا ہے، بید اس زور سے لگتے تھے کہ چمڑے کو قیمہ کرکے ہوا میں اُڑا رہے تھے۔ بالکل اسی طرح قیدی کے جسم سے گوشت اور خون کے لوتھڑے اُڑتے ہیں جیسے روئی دھنتے ہوئے روئی کے ذرّے اُڑتے ہیں۔

جب کرم دین کے تیس بینتیں لگ چکیں تو کرم دین دو منٹ بیہوش رہا سر اُٹھایا تو گالیاں فحش دیں اور خود اُٹھ کے چل دیا۔"

(بھارت زنجیروں میں۔ پنڈی داس ۲۴، ۲۵)

کال کوٹھری کی قید تنہائی

سزائے تازیانہ کے بعد دوسری سخت سزا کال کوٹھری کی قید تنہائی ہے جہاں قیدی کے پاس کوئی انسان پھٹک نہیں سکتا۔ آنے جانے کی ممانعت ہوتی ہے اور نہ کوئی مشقت دی جاتی ہے، اسی کوٹھری میں لوہے کا پترہ (لوٹے نما) رکھا رہتا ہے، وہیں پیشاب یا خانہ کرو، وہیں سوؤ اور وہیں کھاؤ پیؤ۔ تعفن کے مارے ایک ایک منٹ بیٹھنا دوبھر معلوم دیتا ہے۔

اس کال کوٹھری میں بکثرت موش خانے ہوتے ہیں، جہاں چوہے آزادی و مطلق العنانی کے ساتھ قلابازیاں کھاتے پھرتے ہیں۔ اور اسقدر بے تکلف و بے باک ہوتے ہیں کہ چھاتی پر چڑھنا کوئی مشکل بات نہیں سمجھتے بڑے نڈر ہو کر چڑھ جاتے ہیں، رانوں کو ٹوپیاں بھی نوچ لیتے ہیں۔

اُنگلیاں کتر لیتے ہیں۔ قیدی سانپ بچھو کے شبہے میں اُٹھ بیٹھتا ہے اور شک و شبہ اند خوف وہراس میں تمام رات کالی کر دیتا ہے ۔

کال کوٹھری مچھروں اور کھٹملوں کی آماجگاہ ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جیل والے خاص طور پر تمام شہر و قصبہ کے مچھر و کھٹمل پکڑوا کر شاید کال کوٹھری میں چھوڑا دیتے ہیں، مچھر و کھٹمل ایک منٹ چین نہیں لینے دیتے اور اس قدر کاٹتے ہیں کہ خون خرابے تک نوبت پہنچ جاتی ہے، یہاں قیدی انتہائی تنگ آجاتا ہے، بیکار بیٹھے بیٹھے زندگی اجیرن معلوم دینے لگتی ہے جیل میں مشقت کی وجہ سے وقت کٹ جاتا ہے لیکن بیکاری جیل میں انتہائی تکلیف و پریشانی کا باعث بن جاتی ہے ۔

قیدِ تنہائی کی دوسری قسم بھی ہوتی ہے جس میں قیدی کے پاس جیل کے کارکن کوٹھری کی صفائی وغیرہ کے لئے آسکتے ہیں، اس قیدِ تنہائی میں رہنے کا اتفاق بندہ کو بھی ہوا ہے۔

جرم یہ تھا کہ تم نے ضلع ڈپٹی کمشنر کے آنے پر استقبال کیوں نہیں کیا۔ اس لئے "قیدِ تنہائی" مُسلط کی گئی اور کیمپ سے فیروز پور جیل کی کوٹھریوں میں جو کیمپ سے متصل ہے بھیجدیا گیا۔

ڈنڈا بیڑی

"ڈنڈا بیڑی" کی سزا تین دن سے لیکر ایک ماہ تک دی جاسکتی ہے۔ ڈنڈا بیڑی لگنے کے بعد چت یا پٹ ہی لیٹا جاسکتا ہے پوری کروٹ سے لیٹنا ناممکن ہوتا ہے، ڈنڈا بیڑی کی شکل یہ ہوتی ہے کہ دو آہنی کڑے پاؤں میں پہنا کر ایک لوہے کا ڈیڑھ فٹ بھر

یا دونوں ٹخنوں کے بیچ میں کڑوں میں موڑ کر ڈالدیا جاتا ہے۔ جس کے بعد اگر کروٹ سے کوئی لیٹے تو ایک ٹانگ آہنی سریے کے سہارے کھڑی رہیگی جو بہت دیر تک برداشت نہیں کی جا سکتی۔ پٹ لیٹنے کے لئے بڑی دقت اُٹھانی پڑتی ہے، کروٹ لینے میں انتہائی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ایک سکھ قیدی کو جو کبڑا تھا یہی سزا دی گئی تھی، اس غریب کے لئے سوائے اوندھے لیٹنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا، وہ بے بس قیدی عذاب کا مزہ چکھتا تھا لیکن اُف تک اس کی زبان سے نہ نکلتی تھی، ایک ماہ تک یہ سزا اس نے بھگتی، مگر اپنے ارادے پر قایم رہا اور اپنے دوسرے پولٹیکل ساتھیوں کے لئے مصائب و آلام کا شکار بنا رہا۔

ڈنڈا بیڑی لگنے کے بعد چلا پھرا نہیں جاتا جس طرح چیونٹی رینگتی ہے اسی طرح پاؤں کھسکا کھسکا کر تھوڑا بہت راستہ کاٹا جا سکتا ہے، بعض قیدیوں کو ڈنڈا بیڑی کے ساتھ دونوں ہاتھ میں بیڑی ڈالنے کی سزا بھی دی جاتی ہے جس سے کھانا کھانے وغیرہ کے لئے دو گھنٹے کے واسطے چھٹکارا مل جاتا ہے، لیکن ڈنڈا بیڑی اُس وقت تک نہیں کھلتی جب تک سزا پوری نہ ہو جائے۔

پیچھی ہتکڑی پیچھے دونوں ہاتھ کر کے جڑے ہوئے ہاتھوں میں ہتکڑی ڈالدی جاتی ہے جس سے نہایت بے کلی کے ساتھ قیدی اوندھا پڑا رہتا ہے، سیدھا لیٹ نہیں سکتا، اس سزا کا ٹایم شام کے ۶ بجے سے لے کر صبح چھ بجے تک ہوتا ہے جو تین دن سے لیکر ایک ماہ تک دی جا سکتی ہے۔

کھڑی ہتکڑی

کھڑی ہتکڑی کی سزا تین گھنٹے صبح تین گھنٹہ شام تین چار روز تک بل سکتی ہے۔ درخت میں ایک کڑا قیدی کے قد کے مطابق ٹھوک دیا جاتا ہے، اگر قیدی ٹھگنا ہوتا ہے تو پتھر رکھ کے قیدی کو کھڑا کر دیا جاتا ہے اور ہاتھوں میں ہتکڑی ڈال کر کُنڈے میں لگا دی جاتی ہے لنگڑے قیدی کو یہ سزا نہیں دی جاتی اور سٹنڈرڈ اقیدی بھی اس سزا سے مستثنٰی رہتا ہے۔

کھڑی بیڑی

دو کڑے پاؤں میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور دو کڑے ناف کے نیچے باندھ کر بیچ میں لوہے کی دونوں سلاخوں کے سرے چاروں کڑوں میں ڈال کر موڑ دیئے جاتے ہیں، یہ سزا بدمعاشی کرنے پر بھی دی جاتی ہے اور جب سی کلاس اخلاقی قیدی ایک جیل سے دوسری جیل میں منتقل کیا جاتا ہے تو اسی شکل میں اسے جیل سے باہر بھیجا جاتا ہے، کھڑی بیڑی ایک ہفتہ سے ایک ماہ تک دی جاتی ہے، جب قیدی جیل میں منتقل ہوتے ہیں تو راستہ میں پیدل چلنے کی وجہ سے لہو لہان ہو جاتے ہیں اور ٹخنے زخمی ہو جاتے ہیں۔

ٹاٹ وردی

قیدی کو خلاف قانون حرکت کرنے پر ٹاٹ وردی کی سزا دی جاتی ہے جس میں ٹاٹ کا کُرتہ، ٹاٹ کا پاجامہ اور ٹاٹ کی ٹوپی ہوتی ہے۔ اگر قیدی سکھ ہوتا ہے تو اُس کو ٹاٹ کی پگڑی دی جاتی ہے جس کا پہننا لازمی ہے۔ کوئی قیدی، اپنا کرتا، پجامہ ٹوپی یا پگڑی اُتار کر نہیں رکھ سکتا، یہ سزا گرمی جاڑے دونوں موسم میں دی جاتی ہے جو گرمی میں ناقابل برداشت ہوتی ہے، قیدی ہر وقت پسینے میں تر بتر رہتا ہے

رات کو بھی اس کو اس لباس میں ملبوس رہنا پڑتا ہے۔ اور پسینہ میں ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہے تین روز سے ایک ماہ تک یہ سزا دی جاتی ہے۔

لال وردی جو قیدی جیل سے بھاگ جاتا ہے اس کو لال وردی پہنائی جاتی ہے جس کا کرتا، پجامہ، ٹوپی یا پگڑی لال رنگ کی ہوتی ہے۔ جو ہمیشہ کے لئے بھگوڑے قیدی کے لیے وقف کر دی جاتی ہے۔ اور اس وقت تک اس کو لال وردی پہننی پڑتی ہے جب تک وہ رہا نہیں ہو جاتا۔ اور جیل سے باہر نہیں نکال دیا جاتا۔

کوٹھری اور چکی کی سزا بھی متفنی قیدیوں کو دی جاتی ہے۔ کوٹھری اور چکی کوٹھری میں یہ فرق ہوتا ہے کہ کوٹھری میں چکی نہیں ہوتی اور چکی کوٹھری میں چکی ہوتی ہے اور اس میں قیدی سے چکی اس وقت تک پسوائی جاتی ہے جب تک وہ چکی کوٹھری میں رہتا ہے۔ کوٹھری میں چکی پسوانے کی سزا نہیں دی جاتی۔ اس کوٹھری اور چکی کوٹھری میں قیدی کو روٹی دی جاتی ہے۔ اگر شری قسم کا قیدی نہیں ہوتا تو اس کو تالا کھول کر بھاجی روٹی دی جاتی ہے۔ ورنہ لانگری مطبخ کا آدمی لکڑی کی ڈوئی سے باٹی میں دال سبزی ڈال دیتا ہے اور روٹی جالیوں میں سے قیدی کو دیتا ہے۔

کم خوراکی کی سزا یہ ہے کہ قیدی کو کھانے کے لئے دو وقت دو روٹیاں اور دوپہر کو دو چھٹانک چنے نہ دیکر صرف ایک وقت تھوڑے سے آٹے کی پتلی سی لئی دی جاتی ہے۔ عام قیدیوں کے خیال میں یہ سزا ہلکی ہے مگر حقیقت میں بڑی اہم سزا ہے۔

یہ تمام سزائیں پیشی ہونے کے بعد سپرنٹنڈنٹ جیل ہی دے سکتا ہے۔ کسی جیل افسر کو قانوناً یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی قیدی کی ہتک کر سکے، گالیاں دے سکے مار پیٹ کر سکے یا کسی قیدی کے ڈنڈا بیڑی، کھڑی ہتکڑی لگا سکے لیکن جیل میں اس قانون کے ہوتے ہوئے سب کچھ کیا جاتا ہے۔ ذرا مرضی کے خلاف کسی قیدی نے کچھ کیا اور نمبر دار اور کالی پیلی والوں نے جوتے برسانا شروع کر دیئے۔ قیدی نے کسی بات کو نہ مانا اور جمعدار کے ظلموں کا نشانہ بننا شروع ہو گیا۔ کوئی بے ضابطہ خدمت انجام دلانا چاہی اور اس کو پورا نہ کیا تو جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے گویا قانون کی موجودگی میں قانون کے محافظ وہ سب کچھ کرتے ہیں جو قانون کا دشمن بھی نہیں کر سکتا۔ اور پھر قانون کی دہائی دیتے ہیں اور غریب قیدیوں کو ستاتے ہیں۔

پولیس کی دُرگت اگر ملازمان پولیس قیدی کی شکل یا حوالاتی شکل میں آجاتے ہیں تو ان کی وہ دُرگت بنتی ہے کہ الامان والحفیظ قیدی ان کو اس قدر پیٹتے ہیں کہ ان کو اپنے ایک ایک ظلم یاد آنے لگتے ہیں قیدیوں کو بہت سمجھایا جاتا ہے۔ لیکن وہ کسی صورت میں ان کو بخشنے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ مغلظ گالیاں دیتے ہیں۔ بلا وجہ ان سے لڑتے ہیں۔ ان کو بھاری بھاری چیزیں اٹھانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ انکار کرنے پر چوروں کی مار مارتے ہیں۔

جس سب انسپکٹر کا پیٹ بڑھا ہوا ہوا تو پیٹ پر لاتیں مار مار کر کہتے ہیں کہ اس میں ہمارے گاؤں کے مرغے جمع ہیں۔ کوئی ادھر آتا ہے۔ دھڑ سے

جمادیتا ہے۔ کوئی ادھر جاتا ہے تو مکہ رسید کر دیتا ہے۔ موچھوں کو پکڑ پکڑ کر جیل میں گھسیٹتے پھرتے ہیں۔ دست بدست دگر پا بدست دگرے جھولا جھلاتے ہیں اور جھلا جھلا کر پتھر کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ نگران قیدی جوتا اتار کر دھڑا دھڑ سو گنتا ہے جب ننانوے پر پہنچتا ہے تو جان بوجھ کر گنتی بھول جاتا ہے۔ پھر ایک دو سے گنتی شروع کر دیتا ہے۔ جب اس طرح انتقام پورا نہیں ہوتا تو منہ میں جوتے دیئے جاتے ہیں۔

جیل حکام بے بس ہو جاتے ہیں ان کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی تو اس کو ایک کوٹھری میں تنہا بند کر دیتے ہیں۔

اس منظر کے دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ قدرت نے فرعون پولیس کے لئے جیل کے قیدیوں کو موسیٰ کا درجہ دیا ہے جو ان کے خنوں کو منٹوں میں ڈھیلا کر کے رکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ پولیس والے جیل میں ہر ساعت قیدی کے نام سے کانپتے، لرزتے اور خوف زدہ رہتے ہیں۔

رعایت یا ریمشن چھ مہینے سے کم سزا کے قیدی کو کوئی ریمشن (رعایت) نہیں ملتی اگر اس کا چال چلن اس مدت میں بہت اچھا رہتا ہے تو چار روز ریمشن کے مل جاتے ہیں۔

کنوکٹ وارڈ کو آٹھ دن، کنوکٹ اورسیر کو ۶ دن اور کنوکٹ نائٹ واچ مین کو پانچ دن، ایک ماہ میں ملتے ہیں۔ جو قیدی کھانے پکانے اور جھاڑو دینے کی مشقت پر لگائے جاتے ہیں ان کو مزید دو دن ملتے ہیں۔

قیدی کو ایک سال کے بعد نیک چلن رہنے پر پندرہ دن کی مزید ریمشن

ملتی ہے جو قیدی سال میں اچھا کام کرتا ہے اس کو سال کے تیس دن مزید رمیشن کے دیئے جاتے ہیں اور انسپکٹر جنرل چاہے تو اس کو ۶۰ دن کی بھی رمیشن دے سکتا ہے۔

زیادہ سے زیادہ پانچ سال کی سزا والے کو جو قتل کے الزام میں مقید کیا گیا ہو اس کو پہلے سال میں ۶۳ دن مل سکتے ہیں۔ پانچ سالہ قیدی سوا سال کے بعد نائٹ واچ مین بنایا جاتا ہے۔

اس کو دوسرے سال کے پہلے تین مہینہ میں بارہ دن اور دوسرے نو مہینوں میں ۴۵ دن اور پندرہ دن سال کے گویا کل ۷۲ دن رمیشن کے ملتے ہیں۔ دو سال میں اس کے ۱۳۵ دن رمیشن کے ہو جاتے ہیں۔

کنوکٹ اوورسیر ڈھائی سال کے بعد بنایا جاتا ہے۔ تیسرا سال شروع ہوتا ہے تو ۵ دن ہر مہینہ کے حساب سے پہلے چھ مہینہ کے ۳۰ دن اور دوسرے چھ مہینہ کے چھ دن ہر مہینہ کے حساب سے ۳۶ دن اور پندرہ دن سال کے کل تیسرے سال کے ۸۱ دن رمیشن کے ہو جاتے ہیں۔ گویا تینوں سال کی رمیشن کی تعداد ۲۱۶ دن ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد چھ مہینے میں وہ کنوکٹ وارڈ ہو جاتا ہے۔ چوتھے سال کے پہلے چھ مہینے میں ۳۶ دن ملتے ہیں۔ دوسرے چھ مہینے کے ۴۸ دن۔ پندرہ دن سال کے۔ کل چوتھے سال کے ۹۹۔ ملا کے ۳۱۵ دن ہر چہار سال کے اس قیدی کو مل جاتے ہیں۔

اگر اس عرصہ میں اس نے کسی افسر کو حملے سے بچایا ہے تو مزید ۴۵ دن رمیشن

کے ملتے ہیں اور ۲۰ دن ہونے کے بعد اس کو چار سال کے آخر میں رہا کر دیا جاتا ہے۔

رمیشن دینے کا سب سے زیادہ اختیار وائزنگ بورڈ کو ہے جو انسپکٹر جنرل، سیشن جج ایک غیر سرکاری ممبر پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو قیدیوں کی درخواستوں پر ایک سال میں دو دفعہ غور کرتا ہے ؎

یہ طریقے یو پی کی جیلوں میں مستعمل ہیں۔ قریب قریب اور قیدیوں کی جیلوں میں یہی قاعدے کچھ رد و بدل کے ساتھ رائج ہیں۔ پنجاب کی جیلوں میں ان قیدیوں کو بھی دو تین روز کی رمیشن ملتی ہے۔ جو سانپ بچھو کو مارتے ہیں۔

خون دینے پر رمیشن کا ملنا جنگ کے بعد سے رمیشن دینے کا ایک اور طریقہ رائج ہو گیا ہے۔ جو جنگی سپاہی کمزور ہوتے ہیں اور جن کے جسم کو خون کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کو پورا کرنے کے لئے قیدیوں کے جسم سے خون لیا جاتا ہے اور اس کے صلہ میں پندرہ دن رمیشن کے دئے جاتے ہیں۔ یہ خون دینا قیدی کی خوشی پر ہوتا ہے۔ جبراً نہیں لیا جاتا۔

خون زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ چھٹانک لینا چاہیئے۔ لیکن غریب قیدی سے ڈاکٹر کو روپے نہیں چٹاتا ڈیڑھ چھٹانک کے بجائے تین چھٹانک خون لے لیتا ہے۔

؎ رپورٹ جیل تحقیقاتی کمیٹی یو پی ۱۹۳۸ء

لیکن جو شخص پانچ روپے چڑھاتا ہے اس سے پون چھٹانک اندھ جو دس روپے نذر کرتا ہے اس سے کچھ بھی خون نہیں لیتا۔ صرف سوئی چبھو دیتا ہے تاکہ نشانی رہے۔

یعنی روپے چڑھانے والے قیدی دو مہینہ میں تین، تین اور تین چار ماہ میں چھ چھ سات سات خون دیدیتے ہیں۔ یہ اصل میں خون دینا نہیں ہوتا بلکہ ڈاکٹر کی دوزخ بھرنی ہوتی ہے۔ وہ روپیہ لیتا جاتا ہے۔ اور خون لینے کا ٹکٹ پر اندراج کر دیتا ہے۔ اس طرح چھ ماہ کے قیدی دو دو تین تین ماہ کے بعد رہا ہو جاتے ہیں۔

یہ سب کچھ حکام جیل کے علم سے ہوتا ہے۔ ہر ذمہ دار جانتا ہے کہ آٹھ مرتبہ خون دینا ناممکن ہے۔ لیکن لیا جاتا ہے۔ اور کاغذات میں اندراج ہوتا ہے۔ غریب قیدی کو آرام کرنے اور خون کی کمی کو پورا کرنے کے لئے پندرہ دن اور آدھ سیر دودھ دیا جاتا ہے اور تین دن مشقت سے مستثنیٰ رکھا جاتا ہے۔

خون ہاتھ کی رگ سے لیا جاتا ہے۔ مشین سے باہیں کس دی جاتی ہیں۔ ہوش میں یہ سب کچھ کیا جاتا ہے۔ خون دینے کے لئے سپرنٹنڈنٹ جیل کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اجازت دیتا ہے تو ڈاکٹر معائنہ کرتا ہے کہ قیدی خون دینے کے قابل ہے یا نہیں۔ یا خون قابل استعمال بھی ہے یا نہیں۔ بوڑھے کا خون نہیں لیا جاتا۔ جوان سے خون لینے کے لئے سپرنٹنڈنٹ بہت جلد اجازت دے دیتا ہے۔ اس کی درخواست کبھی نامنظور نہیں ہوتی۔

جس کے صحیح معنی میں تین چار مرتبہ خون لے لیا جاتا ہے۔ اس کا چہرہ بدل

جاتا ہے لیکن رہائی کی تمنا خوشی خوشی خون دلوا دیتی ہے۔ نئے شادی شدہ قیدی زیادہ تر یہ اقدام کرتے ہیں۔

جن قیدیوں کے جسم میں خون نہیں رہتا ان کا جسم پھوٹ نکلتا ہے۔ چنانچہ یہ حالت میں نے خود ایک پٹھان قیدی کی دیکھی ہے۔

قیدیوں کی شرارتیں

جیل دولت مند اور خرچیلے قیدی کے لئے عیش گاہ بن سکتی ہے، جو قیدی روپیہ پانی کی طرح بہانا چاہتا ہے اُس کو تمام آرام و سکون میسر آ سکتا ہے بس حکامِ جیل سے دوستی کرنا ضروری ہے جو روپیہ پیسے سے بہت مضبوط ہو جاتی ہے، پھر قانون کی پرواہ نہیں رہتی اُسکو بھی بالائے طاق رکھدیا جاتا ہے

جیل میں عورتوں کا آنا

قانون منع کرتا ہے کہ کسی قیدی مرد سے عورت کو ملنے دیا جائے۔ عورت مرد سے علیحدہ رہے، خواہ وہ کسی کی بیوی، بہن یا ماں ہی کیوں نہ قید ہو، عورتیں عورتوں کی بارک میں بند کر دی جاتی ہیں، اور مرد مردوں کے بارکوں میں منتقل کئے جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے۔

لیکن اگر جیل حکام کی جیب گرم کر دی جاتی ہے تو قانون شکنی میں وہ پیش پیش ہوتے ہیں، اپنے گھروں اور دفتروں میں عورتوں کو ملانے کا مقدس کام انجام دیتے ہیں، مخصوص مقامات میں لاکر راتیں گزروائی جاتی ہیں اور جیل مینوال کے قاعدوں اور ضابطوں کو ٹھکرایا جاتا ہے، اس شرارت میں جیل کے کم و بیش تمام ذمہ دار لوگ علاوہ سپرنٹنڈنٹ کے شامل ہوتے ہیں اور جو مالِ حلال ملتا ہے اس کو حصہ رسدی لے لیتے ہیں۔ اس قسم کے غیر ذمہ دار جیل افسران سب نہیں ہوتے البتہ ان کی تعداد کم ہوتی ہے

شراب کا آنا جیل حکام کی بدولت جیل میں شراب بھی آسکتی ہے لیکن اگر جیل حکام سے ساز باز نہ ہو تو دوسرے طریقوں سے بھی شراب قیدی حاصل کر سکتے ہیں، مثلاً اے اور بی کلاس قیدی اسٹوپ (انگریزی چولھے) کے لئے اسپرٹ کے ڈبوں میں شراب ڈلوا کر اسپرٹ کے نام سے منگوا لیتے ہیں اور راتوں کو لطف مے نوشی حاصل کرتے ہیں، لیکن یہ طریقہ زیادہ عرصہ تک نہیں چل سکتا جب تک جیل حکام سے ساز باز نہ کی جائے۔

قیدی اگر جیل حکام کی جیب گرم کر دیتا ہے تو اُس کو جیلر اپنے گھر کے کام کاج کے لئے مقرر کر دیتا ہے یا باہر کے بغیچے میں لگا دیتا ہے۔ باہر کا جیل سے کافی فاصلہ پر جیل کے کھیت میں کام کرنے کے لئے جاتا ہے، یہاں شرابی قیدی کو بہ آسانی شراب مل جاتی ہے، وہ شراب پی کر اور اوپر سے پیاز کھا کر اور اپنے منہ کی بدبو مٹا کر اپنے کام میں مصروف ہو جاتا ہے

بلیڈ کی چوری بلیڈ شیو بنانے کا اُسترہ بھی قیدیوں کے لئے اہم شے ہے جس کے حصول کے لئے ہر قیدی کوشش کرتا ہے اور اُس کو اپنے پاس رکھنا انتہائی ضروری سمجھتا ہے۔ قیدی اُس کی چوری کو جائز سمجھتا ہے اور بے روک ٹوک بلا جھجک اُس کو اُٹھا کر سیدھا بنتا ہے۔

بیمار پڑنا جب قیدی کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے یا کام کرنے کو طبیعت نہیں چاہتی یا کام کرنے سے جی چُراتا ہے تو جیل کے ڈاکٹر کی پناہ لیتا ہے۔ نذرانہ پیش کر کے ہسپتال میں بیمار بن کے داخل ہوتا ہے گرچہ ہر ایک ڈاکٹر نذرانہ لینے کا عادی نہیں ہوتا، لیکن بعض ڈاکٹروں کا یہی شیوہ ہوتا

ہے۔ آٹھ آٹھ آنے لیکر تندرست قیدیوں کو بیمار بنا دیتے ہیں جس سے بعض قیدی اپنی قید کی کافی زندگی ہسپتال میں ہی گذارتے ہیں اور ہسپتال سے کھسکنے کا نام نہیں لیتے۔ بعض قیدیوں کو ایسے چٹکلے اور طریقے یاد ہیں جس کے عمل میں لانے کے بعد وہ خطرناک بیماریوں کے مریض بن جاتے ہیں۔ یوں اچھے اور تندرست نظر آتے ہیں لیکن جب ڈاکٹر یا میڈیکل آفیسر معائنہ کے لئے آتا ہے تو ان کو دورہ پر دورہ پڑنا شروع ہو جاتے ہیں جس سے میڈیکل افسر بھی اُس کی بیماری کی تصدیق کر دیتا ہے۔ یہ شعبدے جیل کی ہی جڑی بوٹیوں سے کئے جاتے ہیں قیمتی اور نایاب ادویات کے مرہون منت نہیں ہوتے، بعض تجربہ کار قیدی جیل میں داخلہ اور وزن کئے جانے کے وقت اپنا وزن زیادہ زیادہ تلوالیتے ہیں اور اس کا رجسٹروں میں اندراج کراتے ہیں تاکہ کچھ دنوں کے بعد یہ کہہ سکیں کہ ان کا وزن بیماری کی وجہ سے اتنا جیل میں کم ہو گیا ہے اس لئے ہسپتال کے داخلہ کے مستحق ہیں۔

بیمار پڑنے کی دوائیاں

اس سے زیادہ تجربہ کار اور ہوشیار و چالاک وہ قیدی ہوتے ہیں جو اپنے جسم میں بیماریاں پیدا کر لیتے ہیں، وہ کام سے بہت تنگ آجاتے ہیں تو ایک عام ترکیب یہ کرتے ہیں کہ گلاس کے ٹکڑے کو باریک پیس کر کھا جاتے ہیں۔ گلاس کے ذرے اندر جا کر انتڑیوں کو پھاڑ دیتے ہیں جس سے اکثر جان جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ورنہ کئی ماہ ہسپتال میں رہنا پڑتا ہے۔ اسی طرح کچھ آنکھ کے اندر چونہ ڈال کر اس میں زخم پیدا کر لیتے ہیں جس سے یا تو آنکھ کی بینائی چلی جاتی ہے

کچھ عرصے تک اُسے کام سے آرام مِل جاتا ہے۔

یہ ڈاکٹر فنیدی اپنے پاس تین دوائیاں رکھتے ہیں۔ ایک "لال رتی" جو زخم پیدا کرنے کے کام آتی ہے، اسے پیس کر دھاگہ اس میں بھگو کر خشک کر لیتے ہیں اور ایک سوئی کے ذریعے ٹانگوں پہ یا بازو پر کسی حصے سے سوئی گزار کر دھاگہ اُس میں ڈال دیتے ہیں۔ رات ہی رات میں بڑا زخم بن جاتا ہے اس میں انتہائی سوزش ہونے لگتی ہے، اور پھر دھاگہ نکال لیا جاتا ہے۔

دوسری چیز "جمبلوٹا" کے بیج ہیں، یہ ایک دو پیس کر کھا لینے سے خون کے دست جاری ہو جاتے ہیں اور آدمی اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ وہ کئی دن تک ہوش نہیں لیتا۔

تیسری چیز سفید کنڈیر کی جڑ کا چھلکا ہے۔ اس کو پیس کر گڑ کے ساتھ چنے کے برابر گولیاں بنا کر کھاتے ہیں، دو تین گھنٹے کے بعد سخت بخار چڑھ جاتا ہے اور تھرمامیٹر میں حرارت بہت بڑھ جاتی ہے۔ وہ بخار پھر آپ ہی اُتر جاتا ہے[۱]

جیل کا جنگلہ کاٹنے کا طریقہ فنیدی لوہے کے جنگلے کو کاٹنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ گلاس کو باریک پیس کر پانی میں بھگو کر دھاگے پر چڑھا لیتے ہیں، اور دھاگے کو سکھا کر اُس سے لوہے کو کاٹتے ہیں۔ دھاگے کے رگڑنے سے لوہا کٹ جاتا ہے۔

---

۱ بھائی پرمانند۔

خطوط کی روانگی

جو قیدی مقامی جیلوں میں رکھے جاتے ہیں وہ اپنے عزیز و اقارب اور بیوی بچوں کے نام پوشیدہ خطوط بھیجتے ہیں۔ سی کلاس قیدیوں کو تین مہینے میں ایک مرتبہ خط دیا جاتا ہے ضرورت مجبور کرتی ہے کہ زیادہ خط بھیجے جائیں، جیل کے حکام بھیجنے نہیں دیتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قیدی ناجائز طریقوں سے اپنے گھروں پر چٹھیاں بھجواتے ہیں، ان کے اس ضروری کام کو انجام دینے کے لئے جیل کا ملازم جمعدار ہمت کرتا ہے۔ کافی رشوت لیتا ہے اور قیدی کی خواہش پوری ہونے لگتی ہے اور روزانہ خطوط آنے جانے کا سلسلہ بندھ جاتا ہے۔

اگر قیدی اپنے شہر یا ضلع کی جیل سے دوسرے ضلع کی جیل میں منتقل کر دیا جاتا ہے تو اس میں خطوط کی روانگی کی یہ شکل ہوتی ہے کہ جمعدار فی خط ۸ ر یا ایک روپیہ مقرر کر لیتا ہے۔ خط کے ساتھ وہ رقم لیتا ہے اور جیل کے باہر جاکر پوسٹ بکس میں ڈال دیتا ہے، اس کی ڈیوٹی یہاں ختم ہو جاتی ہے، بعض صورتوں میں جمعدار کو جیل کے باہر خط لیجانے کا موقعہ نہیں ملتا تو وہ اس کو جیل میں ہی چاک کر دیتا ہے اور سونے کھدرے میں ڈال کر چلتا بنتا ہے۔ رقم شیر مادر ہے، کون پوچھ سکتا ہے کہ کیوں کھائی۔

جیلوں میں رہا ہونے والے قیدی بھی خطوط لیجانے کا بڑا ذریعہ ہوتے ہیں گرچہ ان کی کس کی تلاشی ہوتی ہے، لیکن وہ بھی غضب کے ٹکڑے ہوتے ہیں مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے شان کے ساتھ لے جاتے ہیں۔ بہت سے سزا پکڑے بھی جاتے ہیں اور عجیب عجیب حالت میں پکڑے جاتے ہیں

مقدمہ میں بنی بنی ہوئی رکھی ہے، تلاشی میں نکلوالی۔ جوتوں کی تلی کھولی اس میں سے پلندہ نکالا اور رہا ہونے والے کو جیل کے اندر کیا، معافی ماری اور قید خانہ کی کال کوٹھری دکھائی۔

زیادہ نگرانی ہوئی تو احتیاطی تدبیریں اختیار کیں۔ ذہانت کے کرشمے دکھائے، کاغذ سے واسطہ نہ رکھا، کپڑے پر لکھ صدری کی تہ میں رکھ کر باہر ہوئے اور خطوط کو پتہ پر پہنچا دیا۔

خطوط کے لیجانے پر جیل والے خاص طور پر نگرانی رکھتے ہیں اُن کو خوف رہتا ہے کہ کہیں جیل کی پولیس نہ کھولیں چنانچہ وہ خطوط لے جانے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کرنے سے چوکتے نہیں، خطوط کے لے جانے پر چھ ماہ تک سزا ہوسکتی ہے۔ چنانچہ مولوی افضل حق مصنف "میرا افسانہ" میں لکھتے ہیں۔

میر عبدالستار کی رہائی کی تاریخ تھی سیاسی قیدیوں نے اپنے بچپن کا اظہار کیا، سپرنٹنڈنٹ کی سخت گیریوں کی داستان لکھی، اکثر نے بیوی بچوں کے نام خط لکھ کر میر صاحب کو خفیہ پیامبر بنایا، بدقسمتی سے دربان نے جامہ تلاشی لی اور تمام خطوط پکڑے گئے اور میر صاحب دھر لیے گئے، خلاف ورزی قانون جیل کا مقدمہ چلا جیل سے نکلتے نکلتے چھ ماہ کے لئے اور رہ گئے، اب مزا سُنیئے پہلے آپ اے کلاس کے قیدی تھے، اب بی کلاس کے سیاسی قیدی بھی تسلیم نہیں کئے گئے بلکہ معمولی اخلاقی قیدیوں میں آپ کا شمار ہوا، مگر جس بہادری ہمت اور حوصلے سے یہ دن آپنے گزارے وہ آپ کی قوتِ ایمان کی روشن دلیل ہے، میں نے کبھی ان کی زبان سے شکوہ و شکایت نہ سُنا۔

لواطت

جیل میں لواطت کی عادت بھی کثرت سے ہے۔ بچہ بازی تو ہوئی۔ باریش بابا باہم بازی کی نوبت سننے میں آتی ہے۔ دس دس برس کے قیدی جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتے اسلئے یہ بدکاری کرتے ہیں جو اس سیاہ کاری پر قدرت نہیں پاتے وہ دستکاری کرتے ہیں۔

جہاں ایسے قیدی ہوتے ہیں وہاں ایسے نیک بھی ہوتے ہیں کہ ؎

دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

ان شرارتوں کا نام جیل کی اصطلاح میں "جنگلا پریڈ" ہے جو نمبرداروں کی قسمت میں ہوتی ہے۔

لانگری کا تقرر

پارٹی بازی کی وبا ہر جگہ ہے چنانچہ جیل میں بھی پارٹی بازی زوروں پر کی جاتی ہے۔ ہر ایک پارٹی یہ چاہتی ہے کہ مری کہ مری پارٹی کا اقتدار رہے اور ہر جگہ ہر نمبرداری میں مری پارٹی کا آدمی آئے چنانچہ یہ پارٹی بازی لانگری کے تقرری پر خوب ہوتی ہے جو معقول معاوضہ داروغہ کو دیتا ہے وہ لانگری بنایا جاتا ہے جہاں کسی نے ذرا سرتابی کی اُسے لنگر سے ہٹا دیا جاتا ہے اور دوسرے کو اس جگہ لگایا جاتا ہے۔

جب کسی لانگری کی جگہ خالی ہوتی ہے تو جیل میں گرم گرم بحثیں اور خوب چہ میگوئیاں ہوتی ہیں کیونکہ کامیاب فریق کو پیٹ بھر کر روٹی ملنے کی اُمید ہو جاتی ہے اور ادھ مرے قیدیوں کو روٹی کا لالچ دیکر مشکور کیا جاتا ہے اس طرح فریق مخالف کو کمزور اور اپنے جتھے کو طاقتور بنانے کا موقع ملتا ہے ان دونوں سونا داروغہ کے جوتوں میں آ پڑتا ہے، چاندی اُچھلتی ہے

خالی خوشنودی کی وہاں قدر نہیں، داروغہ کی جیب کو جو جو ملے سے بھرتا ہے وہی کامیابی کا منہ دیکھتا ہے۔ لنگر پر لگ کر نہ صرف تمام اخراجات پورے ہو جاتے ہیں بلکہ کچھ پس انداز بھی کرتے ہیں، ان کے لئے تو دن عید، رات شب برأت ہوتی ہے مگر عام قیدیوں کے لئے بارہ مہینے رمضان ہوتا ہے۔

چنانچہ اس وجہ سے قیدی روٹی پر جوا کھیلتے ہیں کہ اگر قسمت نے ساتھ دیا تو پو بارہ ہیں پیٹ بھر جائے گا ورنہ پتھر باندھ کر سو جائیں گے جو جیتتا ہے وہ پیٹ بھر کر کھاتا ہے، جو ہارتا ہے وہ روزہ رکھتا ہے۔ روٹی فروخت کرنے والے صرف لانگری اور کم خور ہی نہیں ہوتے بلکہ تمباکو، سگریٹ نوش بھی ہوتے ہیں

قیدیوں کا گونہ میں روپیہ رکھنا

روپیہ پیسہ کے بارے میں جیل کا یہ قاعدہ ہے کہ کوئی قیدی اپنے پاس ایک پیسہ بھی نہیں رکھتا۔ اگر کسی کے پاس کچھ رقم نکلتی ہے تو وہ ضبط کر لی جاتی ہے اس لئے قیدی روپیہ کو محفوظ طریقے پر رکھتے ہیں۔ پرانے قیدی روپے کو رکھنے کے لئے اپنے حلق میں گونہ یعنی تھیلے بنا لیتے ہیں، جو سیسے کی گولیاں کھانے سے بن جاتی ہیں۔ ان تھیلیوں میں بیس بیس روپے تک رکھے جا سکتے ہیں جس کو جیل حکام آسانی سے نکال نہیں سکتے، البتہ یہ چوری ایکسرے سے معلوم ہو جاتی ہے کہ روپیہ اندر رکھے ہوئے ہیں۔ اگر کسی قیدی پر روپیہ رکھنے کا مقدمہ چلایا جاتا ہے تو ایکسرے سے گواہ کو دکھا کر شہادت دلائی جاتی ہے اور مجرم قرار دیا جاتا ہے۔

گونہ بنانے میں کافی تکلیف اٹھانا پڑتی ہے، سیسے کی گولیاں اندر

ہی اندر گوشت کھاتی چلی جاتی ہیں اور جگہ بنالیتی ہیں۔ اس دوران میں جگہ بنانے میں پیپ پیدا ہوجاتی ہے جس میں سخت بدبو ہوتی ہے۔ اوّل اوّل تو قیدی کو کھانے پینے میں بھی تکلیف ہوتی ہے، اکثر قے ہوتی ہے۔ مگر پھر جلد ہی زخم مندمل ہوجاتا ہے، بعض مرتبہ پونڈ یا روپے بجائے گونے کے پیٹ میں چلے جاتے ہیں۔ پھر ہر صبح پاخانہ دیکھنا پڑتا ہے، اکثر قیدی کو جلاب لینے پڑتے ہیں تب جاکر کہیں مشکل کشائی ہوتی ہے۔

جیل میں قیدیوں کی تجارت

گزشتہ صدی میں ہندوستان کی جیلوں کے اندر قیدیوں کی خوراک کی قیمت سکوں کی شکل میں روزانہ دی جاتی تھی جن سے قیدی جیل کی دکانوں سے سامانِ خورونوش خریدتے اور خود کھانا پکا کر کھالیتے تھے لیکن ۱۸۳۸ء میں اس طریقہ کو بند کردیا گیا اور تیار شدہ خوراک دینے کی جیل حکام نے اپنے اوپر ذمہ داری لے لی جس کے بعد جیلوں میں قابلِ استعمال اشیاء کی خرید وفروخت قطعاً بند کردی گئی۔ مگر چونکہ قیدی کھانا کھانے کے ساتھ بہت سے نشوں کے عادی ہوچکے تھے اسلئے انہوں نے پوشیدہ طور پر اس سلسلہ کو جاری رکھا اور اپنے نشہ کی اشیاء چرس، بھنگ، افیم، سگرٹ، بیڑی، تمباکو، بیڑہ، نسوار، اور کبھی کبھی شراب وغیرہ منگانی شروع کردی۔

جیل میں اشیاء ممنوعہ پہنچانے کے طریقے

اس طریقے کو جاری رکھنے میں جیل کے جمعدار، سرکاری ملازم وارڈر خاص طور پر ممد ثابت ہوتے ہیں وہ چار آنہ روپیہ

پر قیدی کا مطلوبہ سامان بازار سے لاکر دیدیتے ہیں۔ اگر سامان زیادہ ہوتا ہے اور دروازے سے نہیں آسکتا تو وہ جمعدار رات کے ڈیوٹی والے جیل کے جمعدار یا نمبردار سے وقت مقرر کر کے کوٹ موقعہ کے ذریعہ (جیل کی دیواروں پر سے) جیل میں پھینک دیتے ہیں۔ جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وقت مقررہ پر وہ جیل کی دیوار کے باہر کھڑے ہو کر پہلے اینٹ پھینکتا ہے اندر نمبردار جوابی اینٹ باہر پھینک کر اپنی حاضری کی اطلاع دیتا ہے۔ جس کے معنی یہ بھی ہوتے ہیں کہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے اور کوئی غیر دیکھنے والا بھی نہیں ہے۔ تب وہ جمعدار مال کو دیوار سے پھینکنے کا عمل کرتا ہے۔ جس کو جمعدار یا نمبردار اٹھا کر جیل کے کسی بڑے بیوپاری قیدی کو دیدیتا ہے۔

جیل کے بعض دربان بھی بیرونی پنجہ کے نمبرداروں سے ساز باز کر کے یہی کام انجام دیتے ہیں۔ یہ دربان بھی جمعداروں کی طرح چوتھائی حصہ کے حقدار ہوتے ہیں۔

جب یہ پنجہ کے نمبردار کھیت (یا جیل افسران کے گھر کے کاموں کی مشقت سے فارغ ہو کر دوپہر یا شام کو جیل میں داخل ہوتے ہیں تو کھیتوں کی پیداوار مولی، شلغم، آلو، گوبی، گھیا، بیگن وغیرہ سبزیوں میں ضروری چیزیں رکھ کر لیجاتے ہیں۔ دربان چشم پوشی کرتا ہے لیکن اگر دربان دیانتدار اور ڈیوٹی کا سچا ہوتا ہے اور رشوت کے پھندے سے اپنے آپ کو آزاد رکھتا ہے تو نمبرداروں کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مگر اصل میں یہی موقعہ نمبردار قیدی کی ذہانت کے دکھانے کا ہوتا ہے پھر اس کا چالاک دماغ زندہ ہوتا ہے۔

اور عجیب وغریب کمال دکھاتا ہے جس کی مثال ذیل کے تین واقعات ہو سکتے ہیں۔

(۱) مٹی کی بدھنی کو قابل حیرت طریقے پر استعمال کرتے ہیں۔ اس کو آدھی چرس سے بھر لیتے ہیں اور اس پر کپڑا رکھ کر سمنٹ کا پلستر کر دیتے ہیں۔ سوکھنے پر باقی آدھی بدھنی میں پانی بھر لیتے ہیں اور اس کو ہاتھ میں لے کر آزادی کے ساتھ بلا جھجک وشبہ کے دربان کے سامنے سے گزر جاتے ہیں وہ ٹوکتا تک بھی نہیں۔ نمبردار جیل میں جا کر بدھنی کے نیچے کے حصہ میں چھید کر کے چرس نکال کر استعمال کرتا ہے۔

(۲) پانی بھرنے کے آہنی ڈولوں کے تلے کے نچلے حصہ میں لکڑی کی سیخوں سے مطلوبہ شے کو لے جانے کا کام لیا جاتا ہے۔ وہاں سیخوں کو اٹکا کر اس پر کپڑا بچھا دیتے ہیں اور کپڑے کے اوپر مطلوبہ شے رکھتے ہیں۔ اور آرام وسکون کے ساتھ ڈول میں پانی بھر کے جیل کے دروازے سے لے آتے ہیں۔ دربان کو اس پر کوئی گمان بھی نہیں ہوتا۔

(۳) پانی پینے کے گھڑے کو ڈھکنے کے لئے لکڑی کا ایسا ڈھکنا بنایا جاتا ہے جس میں آدھ سیر یا پاؤ بھر چرس وغیرہ رکھ لی جاتی ہے۔ وہ گھڑے پر ڈھکا رہتا ہے اور اس پر کوئی شک نہیں کر سکتا۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس ڈھکنے کی بڑی لکڑی کے نیچے کے حصہ میں چوکور تھوڑی جگہ چھوڑ کر ایک خلادار لکڑی کے ٹکڑے میں دو پیچدار کیلیں لگا کر اس کو بڑی لکڑی کے پیچدار کیل کے برابر والے گول چھید میں ڈال کر اڑا دیتے ہیں جس میں وہ فٹ بیٹھ جاتا ہے۔ اس کو ذرا کھسکا کر پیچھے ہٹاؤ تو کھل جاتا ہے۔

ان چیزوں کا دربان کو یا کسی جیل آفیسر کو علم نہیں ہوتا۔ جب تک کوئی مخبری نہ کر دے۔ ان چیزوں کے راز فاش مخبری ہی سے ہوتے ہیں۔ ورنہ بہت عرصہ تک قیدی اپنی تیزی طبع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

بعض ہوشیار قیدی عدالت سے سزا پانے اور چالان (ایک جیل سے دوسری جیل میں تبادلہ) ہونے کے بعد جیل کے داخلہ پر گلا گرونہ میں چاندی کا زیور اور سونے کی اشرفیاں رکھ کر لے جاتے ہیں کوئی پاؤں میں پڑی ہوئی آہنی بیڑیوں کے ڈوروں میں، کوئی نئی جوتیوں اور کھڑاؤں کے تلے میں نوٹ اور چونیاں رکھ کر منگاتے ہیں اور اگر اس کا راز فاش ہو جاتا ہے اور تلاشی میں یہ چیزیں نکل آتی ہیں تو تمام رقم بحق سرکار ضبط کر لی جاتی ہے۔ اس سے قبل ۱۹۴۱ء تک یہ قاعدہ رائج تھا کہ رقم کا نصف حصہ تلاشی لینے والے دربان یا جمعدار کو دیا جاتا تھا جس کی وجہ سے دربان یا جمعدار تلاشی لینے کی فکر میں رہتے تھے۔ لیکن جب سے ان کی حصہ داری ختم کی گئی اس وقت سے ان کو تلاشی لینے میں سابقہ شغف نہ رہا۔ اب وہ تلاشی میں برآمدگی کے بعد بھی درگذر کر دیتے ہیں۔

دربان بھی بعض بعض زہر کے بجھے ہوئے ہوتے ہیں ان کا اندازہ، ان کی تاڑ، اور جانچ بلا کی تیز اور صحیح ہوتی ہے۔ جس پر ہاتھ رکھ دے ناممکن ہے کہ اس کی جامہ اور سامان تلاشی سے کچھ نہ نکلے اور وہ بچ کے نکل جائے۔

چنانچہ انبالہ جیل میں ایک دربان انہی خصوصیات کا مالک ہے، اس کا اصل نام اختر حسین ہے لیکن قیدی اس کو "دل دھڑک" کہتے ہیں۔ پنجاب میں اس کی طرح طی بولتی ہے اور خاص طور پر انبالہ ملتان جیل میں قیدی اس سے بہت

خالف رہتے ہیں۔ اس کا کمال یہ ہے کہ دل پر ہاتھ رکھ کے شناخت کر لیتا ہے۔ اس کی شناخت غلط نہیں ہوتی قیدی اس کی شکل دیکھتے ہی یا تو اقرار کر لیتے ہیں یا پھر اس کی جودت طبع کا شکار ہوتے ہیں۔

جیل میں اشیاء ممنوعہ کی قیمتیں

اس سامان کے بیوپاری عام طور پر سپرنٹنڈنٹ، یا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل کے شکار نمبردار ہی ہوتے ہیں جو قیدیوں کی مالی حالت کی مخبری کی ڈیوٹی بھی انجام دیتے ہیں۔ جن کے متعلق مشہور ہوتا ہے کہ ان کی کمائی میں ان ذمہ دار افسران کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ یہ نمبردار اپنی کھنڈیوں کو کھدوا کر مال رکھنے اور نکالنے کی سہولت کے مطابق بنوا لیتے ہیں اور عام طور پر حسب ذیل نرخوں پر فروخت کرتے ہیں۔

(۱) سنترہ اور سیب ایک عدد — دو بیڑیوں سے چار بیڑیوں تک

(۲) دودھ ایک سیر ——— چار بیڑیوں میں

(۳) ڈبل روٹی ایک عدد ——— آٹھ بیڑیوں میں یا دو آنہ میں

(۴) مکھن ایک چھٹانک ——— چار بیڑیوں میں

(۵) گڑ دس چھٹانک ——— دو آنہ کی۔ ایک پیسہ کی ایک۔

(۶) بیسٹری آٹھ ——— بازار میں تین پیسہ چھٹانک اور جیل میں تین آنہ

(۷) تمباکو، بیڑا ——— دو پیسہ سے ایک آنہ تک۔

(۸) کھنڈی بجائے چارپائی کے

مٹی کی ایک عدد

(۹) چادر کھدر دوسوتی بستر کی ——— ایک آنہ ۔ چار بیڑی ۔
تین گز لمبی ڈیڑھ گز چوڑی ایک عدد

(۱۰) پجامہ، کرتا دوسوتی نیا ایک عدد ——— چار بیڑیاں ۔ یا ایک آنہ

(۱۱) افیم، بھنگ، چرس ——— ——— بازار کے بھاؤ سے دگنی

(۱۲) جوتی دیسی ایک عدد ——— چار بیڑی کے پیکٹ

(۱۳) گوشت ایک سیر ——— شہر میں ۷ آنہ، جیل میں بارہ آنہ

ان چیزوں میں قیدیوں کے لئے سب سے زیادہ ضروری اور اہم چیزیں بیڑی اور تمباکو ہوتی ہیں ۔ ان پر جب کوئی جیل حاکم سخت نگرانی کرنے لگتا ہے اور شہر میں جب مسلسل ہڑتال ہوتی ہے اور جیل میں ان کی درآمد نہیں ہوتی ہے تو ان موقعوں پر ایک روپیہ سیر کا تمباکو اسّی روپے کے بھاؤ تک فروخت ہو جاتا ہے اور ایک ایک بیڑی چار چار پیسہ میں بک جاتی ہے ۔

بیڑیوں کا راج

قیدیوں کا ان ہر دو چیزوں کے علاوہ دیگر اشیاء کے بارے میں یہ نظریہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی اہم چیزیں نہیں ہیں بلکہ چونچلے بازی ہے ۔

ایک بیمار قیدی بھی اسی مطمح نظر کا مالک ہوتا ہے اور اگر اس کو کمزوری دور کرنے کے لئے مکھن، گوشت، ڈبل روٹی، سنترہ اور سیب دیا جاتا ہے تو وہ بیڑی کی معمولی سی تعداد پر اس کو نثار کر دیتا ہے اور تین چار بیڑی کے عوض اس کو دیدیتا ہے ۔ اس کو اپنی صحت کی بھی فکر نہیں ہوتی جتنی بیڑی کے حصول کا خیال ہوتا ہے ۔ وہ مر جانا بہتر سمجھتا ہے مگر ان اشیاء کو ترک کرنا نہیں چاہتا ۔

جیل میں روپیہ، پیسہ، اور نوٹوں کا رکھنا ممنوع ہے اس بنا پر اگر کسی قیدی کے پاس نوٹ یا روپیہ ہوتا ہے تو اس کو اس کے بھنانے میں کافی دقت ہوتی ہے۔ البتہ جیل کے بیوپاری وسوداگر اپنا کمیشن لیکر بہت جلد ریزگاری دیدیتے ہیں۔ بیوقوفی کے ساتھ پانچ روپے کے نوٹ بھنانے میں قریب قریب ایک نوٹ جیل کے سوداگروں کی نذر ہو جاتا ہے۔ وہ پہلی مرتبہ پانچ روپے کے نوٹ کے چھ آنہ فی روپیہ کے حساب سے دس آنہ کاٹ لیتے ہیں اور چار ایک روپے والے نوٹ اور چھ آنہ اس کے حوالے کر دیتے ہیں جب چھ آنہ ختم ہو جاتے ہیں تو ایک روپے کے نوٹ کی ریزگاری کی سلسلہ وار ضرورت پڑتی ہے۔ جس میں چار نوٹوں کے بیوپاری آٹھ آنہ اور وصول کر لیتے ہیں۔ ہوشیار قیدی صرف آٹھ آنہ میں پانچ روپے کی نری ریزگاری لیتا ہے۔

اس سسٹم سے قیدی کو جیل میں روپے میں بمشکل تمام آٹھ آنے پلے پڑتے ہیں۔ اس آٹھ آنہ میں یعنی کل روپیہ میں دو آنہ کی چیز نصیب ہوتی ہے۔ ورنہ روپے کے لانے۔ بھنانے اور اصل قیمت سے چوگنی قیمت پر چیزیں خریدنے میں چودہ آنہ نمبردار یا جمعدار کے ہوتے ہیں۔ بہت سے طویل سزا والے قیدی اس تجارت کی بدولت سینکڑوں روپے کے مالک بن کر نکلتے ہیں۔

حکام جیل کی بدعنوانیاں

قیدی تو شرارتوں میں بدنام ہیں ان کو غیر شریر کون سمجھ سکتا ہے قیدی بنتے ہی شرافت کے دائرہ سے خارج کر دیئے جاتے ہیں۔ مگر جیل حکام جو شرافت کے دعویدار ہوتے ہیں ان سے جو بدمعاشیاں سرزد ہوتی ہیں وہ شیطان کو بھی پناہ منگوا دیتی ہیں۔ ان لوگوں کو تہذیب و شرافت اور اخلاق اور انسانی ہمدردی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ ان کا صرف ایک مطمح نظر ہوتا ہے۔ قیدیوں کی جیبیں کترنا اور ان کو لوٹنا۔ قیدی جیل کے اندر قدم ہی رکھتا ہے کہ اس کی تلاشی لینے میں تمام قہر و جلال ختم کر دیا جاتا ہے ایک ایک اعضاء ایک ایک جوڑ کی بدتمیزانہ طریقے سے تلاشی لی جاتی ہے۔ پہنے ہوئے اور پہننے والے کپڑے ایک ایک کر کے دیکھے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہی تلاشی کا وقت ہوتا ہے۔ جب کہ ڈیوڑھی سے شراب کی بوتلیں اور بیڑیوں کے مٹھے گزرتے ہیں۔

قیدی کی تلاشی

پہلا قدم ڈیوڑھی کی تلاشی پر اگر قیدی کا ڈگمگا جاتا ہے تو پھانسنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ورنہ دوسرا حملہ دوسرے دروازہ کے کھلنے پر چکر میں کیا جاتا ہے۔ جہاں ایک قیدی محرر نمبردار اپنے نووارد قیدی کا نام، ولدیت، نوعیت مقدمہ اور سکونت تحریر کرتا ہے۔ اور قیدی کو چکی میں لے جانے کے لئے ایک جلادانہ اشارہ کرتا

ہی جس سے قیدی کے رہے سہے ہوش و حواس جاتے رہتے ہیں، اسی عالم میں قیدی نمبردار کو رہبر سمجھتا ہوا پیچھے پیچھے چلتا ہے، وہ قدم قدم پر ٹوکتا ہے، مغلظ گالیاں دیتا ہے غریب قیدی کے چودہ طبق ہی روشن ہو جاتے ہیں، وہ کہتا ہے کہ کہاں حیوانوں اور غنڈوں کی دنیا میں آگیا، اس کو پچاس ساٹھ قدم چلنا دو بھر معلوم دیتا ہے اور کال کوٹھری کے دروازے پر پہنچکر ہیبت ناک کوٹھری کی شکل دیکھتا ہے، سزا کا فیصلہ سنتے ہوئے رنجیدہ دماغ اور بے قابو ہو جاتا ہے۔ موٹی موٹی پتڑی بچھا کر اندھیاری جگہ میں بارہ گھنٹے رہ کر ہوش و حواس کھو دیتا ہے، صبح ہوتی ہے جیلر کا حکم ہوتا ہے کہ اٹھارہ سیر گیہوں پیسو ورنہ نمبردار کا ڈنڈا کمر پر پڑتا ہے۔ وہ بے آبرو کر دیگا تب وہ غریب مجبور و بے بس نمبردار کے سامنے جھک جاتا ہے، نمبردار موقعہ کا منتظر رہتا ہے فوراً پھانس لیتا ہے۔ مصائب و آلام کا خاکہ کھینچکر سبز باغ دکھاتا ہے، اور جیلر کو ماہوار ایک رقم دینے پر تیار کر دیتا ہے، تاکہ قیدی ملاقات کے لئے اپنے عزیز و اقارب کو بلائے اور ان سے جیلر کا ماہوار نذرانہ پہنچانے کی تاکید کر دے۔ چنانچہ غریب قیدی نمبردار کے کہنے پر عمل کر کے مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے اور بجائے اٹھارہ سیر گیہوں پیسنے کے منشی گیری کے کام پر لگا دیا جاتا ہے۔

پیشی جو قیدی مشقت کی پرواہ نہیں کرتا پوری مشقت وقت پر کر کے دے دیتا ہے اور رشوت دینا گوارا نہیں کرتا تو اس کو ستانے کے لئے بیکار حیلے نکالے جاتے ہیں۔ نمبردار بلا وجہ اس کو پریشان کرتا ہے اور پیشی کرانے کی دھمکی ہر وقت اس کی زبان پر رہتی ہے

قابو میں نہ آنے کی صورت میں سپرنٹنڈنٹ سے سزا دلوائی جاتی ہے کھڑی بیڑی میں پھانسا جاتا ہے، قیدی خوددار ہوتا ہے، تو وہ ان مصیبتوں کو اور تمام دوسری مصیبتوں کو برداشت کرتا ہے، لیکن حکام کو رشوت کی چاٹ نہیں لگاتا۔

ایک دوران قیدیوں کے ساتھ ایسا بھی آتا ہے جبکہ ان کو اپنے قید کے دن معافی سے کم کرانے ہوتے ہیں یعنی ریمشن لینی ہوتی ہے۔

عام دستور یہ ہوتا ہے کہ قیدی اگر اپنی قید کے اچھے دن گذارے اور اس کا چال چلن خراب نہ ہو تو اُس کو ایک سال میں ڈھائی ماہ معافی کے مِل جاتے ہیں، لیکن اگر قیدی جیلر کو خوش کردے تو اُس قیدی کو تین ماہ معافی کے ملجاتے ہیں، لیکن اگر قیدی جیلر کو خوش کرے تو اُس قیدی کو تین ماہ کی معافی ملنی مشکل بات نہیں ہوتی، اس کو ایک سال کی سزا میں نو ماہ بعد ہی رہا کردیا جاتا ہے۔

جیل حکام غریب سے غریب قیدی کا بھی خون چوسنا اور رقم اینٹھنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اگر اسکے پاس چٹانے کو کچھ نہیں ہوتا تو اُس کی زندگی اجیرن کردی جاتی ہے، تمام سزائیں ایک ایک کرکے دیدی جاتی ہیں اور گناہوں کا پتلا شمار کیا جاتا ہے۔

نکمی سبزی دینا اس کو کھانا بھی نہایت نکما ملتا ہے، قانوناً جو اشیا جس نوعیت کی اسکو ملنی چاہیئے نہ نہیں ملتی، دال کے بدلے دال کے چھلکے، باغ کی تازہ سبزیوں کے بجائے سڑی اور گھسی ہوئی کیڑے دار سبزیاں، سڑا ہوا تیل جو صفائی لیکانے کی لکڑیاں، اور معمولی سا مصالحہ

دیا جاتا ہے ۔ تمام تازہ جیل کی باغ کی چیزیں حکام کی نظر ہوتی ہیں ۔ باغ سے مولی اور گوبھی آتی ہے ۔ قیدی کی قسمت میں اس کے صرف چھلکے ہوتے ہیں ۔ اس کا پھل جیل حکام کے گھر کے لئے وقف ہوتا ہے ۔ ہر چیز میں سے جیلر بچاتا ہے اور عیش کرتا ہے ۔

مشقت لگانے کی فیس

ان کی ہوس کی آگ مشقت لگانے کی فیس، سامان خورد و نوش کے بچت کی رقم سے بھی نہیں بجھتی بلکہ یہ لوگ ہسپتال کی دواؤں کی قیمتوں کی رقموں میں سے بھی ہضم کرتے ہیں انگریزی ادویات کے بجائے ہندوستانی دوائیوں کو گھول گھول جا تماشان کے ساتھ پلاتے ہیں اور ہزاروں روپیہ اسی صورت سے ڈکار جاتے ہیں ان کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ جو دوا قیدیوں کو پلائی جارہی ہے یہ کچھ اپنا اثر بھی کریگی یا نہیں ۔ وہ کھانے کی دھن میں پاگل ہوتے ہیں ۔

معمولی معمولی چیزوں میں سے مثلاً قیدیوں کے صابن سوڈا، سوجی وغیرہ میں سے بھی یہ لوگ ناجائز طریقے سے بچاتے ہیں ۔ جیل کی ہر چیز استعمال کرتے ہیں اور شیر مادر کی طرح ہضم کر جاتے ہیں ۔ اکثر حکام جیل اپنی تنخواہ سے چوگنی آمدنی اوپر کی آمدنی سے پیدا کرتے ہیں ۔

یہ قدرتی بات ہوتی ہے کہ جیل حکام قیدی کی سہولت کو کسی طرح برداشت نہیں کرتے ۔ اگر قیدی کو کوئی سہولت حاصل ہو جاتی ہے اور اس سے اس کی تابعداری میں فرق آجاتا ہے تو فوراً جیل حکام اس کی مخالفت کرنا شروع کر دیتے ہیں ۔ ان کی فطرت انتہائی پست ہوتی ہے ۔ ان کا فلسفہ یہ ہوتا ہے

کہ قیدی جتنا محتاج رہے گا اسی قدر جیل کا انتظام بہتر چلتا رہے گا وہ قیدی کو محتاج دیکھ کر اور اپنے اختیارات کو جتا کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ یقیناً ایک جیل کا افسر اپنے آپ کو قیدی کا خدا سمجھتا ہے اور خواہش رکھتا ہے کہ ہر قیدی اس کو اپنا خدا سمجھے

جیل میں قیدی سے جیل حکام دو قسم کی رشوت لیتے ہیں۔ ایک تو ماہواری رقم جس کو تاریخ کہتے ہیں۔ دوسری خلاف ورزی قانون جیل پر۔ یہ کھلی رشوت کہلاتی ہے۔ تاریخ سات اور دس روپے کے درمیان ہوتی ہے مگر اس میں کمی بیشی قیدی کی حیثیت پر منحصر ہے۔ جس وقت تاریخ داروغہ کی جیب میں پہنچتی ہے تو باقی ملازمان بھی دانت پیستے ہیں۔ ان کو نہ دیا جائے تو وہ چین نہیں لینے دیتے ان لوگوں میں ڈاکٹر، جمعدار، بابو، چکر منشی ہوتے ہیں۔ غرض جو قیدی ان ان لوگوں پر بیس روپے ماہوار خرچ کرتا ہے وہ خوشی کے ساتھ جیل میں اچھے دن کاٹ لیتا ہے۔ ورنہ جہنم بنی رہتی ہے۔

ملاقات کی فیس

مجرم کے ورثا سے ملاقات بھی ایک زرخیز کام ہے۔ تین ماہ کے بعد عام قیدیوں کو ملاقات کا حق اور خط لکھنے کی اجازت ہوتی ہے دور دور سے رشتہ دار اور دوست احباب ملنے آتے ہیں۔ ملاقات کے لئے درخواست دیتے ہیں۔ داروغہ یا نائب انکار کر دیتا ہے کہ ملاقات مشکل ہے کیونکہ ابھی تین مہینے پورے نہیں ہوئے یا کوئی عذر کر دیتا ہے کہ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ہے اس کی ملاقات ہوئے۔ بچارے رشتہ دار دس بیس روپے کرایہ دے کر سفر کی صعوبتیں اٹھا کر آتے ہیں۔

ملاقات سے انکار سُنکر پریشان ہو جاتے ہیں، داروغہ کا اردلی یا نگران قیدی اگر سمجھاتا ہے آپ شریف آدمی ہیں اتنی تکلیف اُٹھا کے آئے ہیں دیکھو کچھ بندوبست ہو جائیگا، فکر مت کرو۔ مگر تم جانو دنیا میں لئے دئیے کے بغیر کام نہیں چلتا۔ دو روپے ملاقات کا نذرانہ تو عام ہے خاص حالتوں میں ۱۰، ۱۵ روپے فی ملاقات حاصل کئے جاتے ہیں دن میں بیسوں ملاقاتیں ہوتی ہیں، ملاقات کرانے والے کی تو خیر۔ ہر روز قیدی اردلی کا گلا بھر بھر کر مُنہ کو آتا ہے

ہڑتال جیل حکام کی شرارتوں کا صرف ایک ہی علاج ہے وہ اسٹرائک (ہڑتال) اسکے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے جس سے جیل حکام کو جھکایا جائے اور اپنی تکلیفوں کو دُور کرایا جائے، عرضداشتوں کو کوئی سنتا نہیں، ملاقاتیں بیکار جاتی ہیں، قیدیوں کے وفد بے اثر ہوتے ہیں اس لئے قیدی یہ آخری ہتھیار استعمال کرتا ہے، اگر اس میں ناکامی ہوتی ہے تو اس کا دھڑ ٹوٹ جاتا ہے، اگر کامیاب ہوتا ہے تو اس کا راج ہو جاتا ہے۔

شروع شروع میں دو تین روز بلکہ ہفتہ عشرہ تک جیل والے اسٹرائک کی پرواہ نہیں کرتے جب یہ ایام گذ جاتے ہیں تو وہ زبردستی کرتے ہیں بھوکوں کو زبردستی نلیوں سے دودھ اور انڈا ناک کے رستے اُتارنے کی کوشش کی جاتی ہے، کوئی مزاحمت کرتا ہے تو وہ نمبرداروں کی یا جمعداروں کی گرفت میں مضبوط پکڑ لیا جاتا ہے اور خوراک پیٹ میں پہنچائی جاتی ہے۔

بعض شریر اور مفسد افسران اسٹرائک پر قیدی کے خلاف مقدمہ بھی چلا دیتے ہیں جس میں قیدی کو مزید سزا بھگتنی پڑتی ہے، ان اسٹرائکوں میں جیل افسران

انتقامانہ کارروائی بھی کرتے ہیں، غریب نہتے قیدیوں پر نمبرداروں سے لاٹھیاں پڑواتے ہیں، سروں کو پھوڑتے ہیں، جسم کو لہولہان کرتے ہیں اور کوئی انسانی ہمدردی محسوس نہیں کرتے۔ تکالیف کے دینے کا مقصد جیل کے قیدیوں کو یہ لگنا ہوتا ہے کہ کتنی ہٹ اور ضد کا مالک ہے، اگر اس کو مستقل مزاج اور خوددار پاتے ہیں تو اس کی ہر بات پوری کرتے ہیں۔

خاص طور پر بھوک ہڑتال قیدیوں کے لئے بڑی تکلیف کی چیز ہوتی ہے اس میں اُنہیں کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ یہ فعل بہ مجبوری کرتے ہیں۔

عام طور پر تجربہ کار قیدی اس فعل سے باز رہتے ہیں۔ بھوکے رہنے سے صحت پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ جو لوگ جیل میں بھوک ہڑتال مسلسل کرتے ہیں اُن میں سے اکثر تپ دق کے مریض ہوجاتے ہیں اور بچتے نہیں۔ مگر کرنے والے بھی کرتے ہیں اور جان دیتے ہیں، بے عزتی اور ذلت کی غلامانہ زندگی برداشت نہیں کرتے۔

مجھ کو ستمبر ۱۹۴۲ء میں اولڈ سنٹرل ملتان جیل کے اندر سو نظربندوں کے ساتھ بھوک ہڑتال کرنے کا موقعہ ملا۔

مجھ کو اچھی طرح یاد ہے کہ پانچ وقت کی بھوک ہڑتال نے ہم کو اور دوسرے ساتھیوں کو کافی کمزور کردیا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ سوائے لیڈر کے اور کوئی آدمی اپنے ارادوں سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا، ایک دن املی کے پتے کھائے جارہے تھے کہ اُن میں کسی سردار جی کے سر کے بال اٹکے ہوئے تھے تو املی کے پتوں سے بھی نفرت ہوگئی۔

مجرم عورتیں

سنہ ۱۹۲۶ء کی مجرمہ عورتوں کی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان اور برما کی جیلوں میں علاوہ انڈیمان (کالے پانی) کے ہر قسم کی قیدی عورتوں کی آمد کی حوالات میں روزانہ اوسط ۲۱۳۹ تھی۔ جس میں سزایافتہ عورتوں کی تعداد سال کے آخر تک ۱۸۰۳ پہنچ جاتی تھی۔

اتنے وسیع جغرافیائی رقبے میں یہ معمولی سی تعداد ظاہر کرتی ہے کہ ہندوستان میں بمقابل انگلستان کے مجرم عورتیں بہت کم ہیں اور انگلستان کی عورتوں کی طرح جرم کے ارتکاب میں بے باک نہیں ہوتیں۔

ہندوستان کی اکثر ڈسٹرکٹ جیلوں میں قیدی عورتوں کے لئے الگ الگ وارڈ بنا دیئے گئے ہیں جن میں ان کو محفوظ طریقے پر رکھا جاتا ہے ان کے پاس مردوں کو بھٹکنے تک بھی نہیں دیا جاتا۔ ان کے لئے ایک میٹرن رکھی جاتی ہے جو ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مقرر ہوتی ہے اس کی عدم موجودگی میں جیل افسران بھی عورتوں کے وارڈ میں داخل نہیں ہو سکتے۔

زنانہ جیلیں پنجاب اور صوبہ بمبئی نے لاہور اور یروودہ میں زنانہ جیلیں بنوادی ہیں۔ لاہور کی زنانہ جیل اپنی دیواروں اور بارکوں کی کثرت کی وجہ سے انگلستان کی نیٹو ڈیلی اور ہولوے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری والی جیلوں کی طرح ہے۔

گرچہ سی۔ پی میں سوگوڑ جیل سے ۱۹۲۶ء میں کرسمس کی کالی راتوں کو خوبصورت خاوندوں کے لالچ میں تین عورتوں نے فرار ہونے کی کوشش کی۔ اور اسی طرح پورٹ بلیر کی زنانہ جیل میں (جو حکومت ہند کی سب سے بڑی جیل ہے) بھاگنے کی شاذونادر سکیمیں بنیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ عورتیں عام طور پر جیل میں پر امن زندگی گذارنے کی عادی ہوتی ہیں اور بہت کم بھاگتی ہیں۔ ان کی جیلوں کی دیواریں آٹھ فٹ اونچی ہوتی ہیں۔ اور بعض کی اس سے بھی کم ہوتی ہیں۔ جیسی پورٹ بلیر کی جیلوں کی دیواریں ہیں۔ جو آٹھ فٹ زیادہ سے زیادہ اونچی ہیں۔ اور ان کی سمندر کی جانب کی دیواریں اونچائی میں اس سے بھی کم ہیں۔

سی۔ پی کے صوبہ میں عادی اور اتفاقی قیدی عورتوں کو علیحدہ علیحدہ رکھنے کے لئے جبل پور اور ناگپور میں جیل بنا دیا گیا ہے۔ جبل پور میں عادی مجرموں کو بھیجا جاتا ہے اور ناگپور میں اتفاقی مجرموں کو رکھا جاتا ہے۔

مشقت

ضلع کی جیلوں میں تقریباً چھ قیدی عورتیں رکھی جاتی ہیں۔ جن سے عام کام نہیں لیا جا سکتا۔ البتہ انہیں گھریلو کام پر لگایا جا سکتا ہے۔ نواڑ بنوائی جا سکتی ہے۔ ٹوکرے، جھاڑو بنانا اور اناج چھنوایا جا سکتا ہے۔ پورٹ بلیر کی جیل کے کاموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتیں اچھے اور نفیس کام انجام دے سکتی ہیں۔

گرچہ یہ جیل ۱۹۰۳ء کی جیل کمیٹی کی رپورٹ کی وجہ سے بند کر دی گئی تھی لیکن اس سے پہلے یہ صنعت کا گھر تھی۔ اس کے اسٹاف میں ایک تمام وقت کی مالکہ، اور تھوڑے کی وقت کی داروغہ اور ایک لیڈی ڈاکٹر

تھیں اس کے علاوہ تمام جیل کا انتظام قیدی عورتیں خود ہی انجام دیتی تھیں ان کی تین سو کی آبادی نہ صرف جیل کے کاموں کو چلاتی تھی بلکہ دس ہزار اونی سوتی کپڑے قیدیوں کے لئے بھی تیار کرتی تھیں، سوتی کپڑا پاؤں والی کھڈی پر بنایا جاتا تھا جس کی مشینوں کی مرمت بھی عورتیں کرتی تھیں۔

اس کے علاوہ چارتولیئے، جھاڑن، بچھونے وغیرہ بھی بُنتی تھیں، مچھلیوں کے جال بنائے جاتے تھے اور تمام قیدیوں کے گیہوں بھی صاف کئے جاتے تھے ہسپتال میں دائی اور کمپونڈری کا کام سکھایا جاتا تھا اور تربیت کے بعد انھیں دوسرے ہسپتالوں یا گھروں میں جانے کی اجازت تھی۔

پورٹ بلیر میں ایک عمر قید سزا یافتہ لڑکی کو ایسی تربیت دی گئی کہ وہ ہندوستان بھیجدی گئی جہاں اس نے ایک سال مدراس مٹرلی ہسپتال میں اعزازی نرسوں کے ساتھ کام کیا، دائی اور نرسنگ کا امتحان پاس کرنے کے بعد اس کو پورٹ بلیر روانہ کردیا گیا، وہاں وہ ہندوستانی پردہ نشین عورتوں کے لئے ہسپتال کی انچارج بنادی گئی۔ ایک جیل سے ایک موقعہ پر ایک سزا یافتہ آیا۔ ٹیلیفون کے ذریعہ طلب کی گئی تو فوراً ایک قابل ومہذب اور خوش مزاج عورت بھیجدی گئی اگلے دن سپرنٹنڈنٹ نے اس عورت کا فائل دیکھا تو بڑا حیران ہوا، وہ پیشہ ور بچوں کو زہر دینے والی تھی اور اسی جرم میں مقید تھی، چنانچہ اس کو اسی وقت بلا لیا گیا۔

پورٹ بلیر کی جیل کی قیدی عورتوں کو شادی کرنے کی بھی اجازت تھی وہ بستی کے ایک گاؤں میں اپنے نئے خاوندوں کے ساتھ رہ سکتی تھیں،

اس جیل کی مفتہ وار شادی پریڈ کی ایک مشہور رواج تھا، اندا سکے
زبانی قانون اور ساتھ ہی سرکاری ہدایتیں تھیں مثلاً اگر کوئی عورت
شادی کی پہلی پیش کش قبول کرلیتی تو اُس کی ساتھی عورتیں یہ سمجھتی تھیں
اُس نے اپنے آپ کو ذلیل کیا اور ساری جیل کی عزت کو بٹہ لگایا۔

ان عورتوں میں زیادہ تعداد خاوند یا بچوں کو قتل کرنے والی عورتوں
کی تھی ایک انسپکٹر جنرل نے رنگون ہائی کورٹ کے مشہور جج کی بیوی سے
اس سلسلہ میں تبادلۂ خیال کیا جو جیل کا گشت لگانے میں مصروف تھی، اُس نے
بتایا کہ "میری سب سے زیادہ ہمدردی خاوند کے قتل کرنے والیوں کے ساتھ
خاوند بعض موقعہ پر بہت زیادہ بدمزاج ہو جاتے ہیں۔"

یہ قیدی عورتیں پورٹ بلیر میں بہت خوش وخرم رہتی تھیں ، اگر ان
ہندوستان بھیجے جانے کا تذکرہ کیا جاتا تو یہ زار و قطار روتیں، اور جا
لئے قطعاً تیار نہ ہوتیں [1]

لاہور کی نسوانی جیل میں بہت سا وقت فضول و فالتو کاغذ کے
میں صرف کیا جاتا ہے اور گھریلو کام بھی قیدی عورتیں نہیں کرتی تھیں۔ مگر کچھ س
وہاں بُننے سینے، پرونے، کشیدہ کاری اور بڑھیا کام کرنے میں ترقی کی گئی مو
مشینیں بھی لائی گئی اور اس کا کام سکھایا گیا۔

مانڈلے جیل

مانڈلے جیل میں قید عورتوں کی بنائی ہوئی ساڑھیوں سے معلو
ہے کہ عورتیں حتی کاموں میں کافی ترقی کر سکتی ہیں، یہ سا
کا کام ان کو سپرنٹنڈنٹ کی بیوی نے سکھایا تھا جس کو وہ

شغف سے انجام دیتی تھیں ۔

تعلیم ترقی کے ابتدائی دور میں ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم پر کوئی توجہ نہیں دی گئی، اگرچہ آجکل ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم کا بڑا چرچا ہے ۔

لاہور زنانہ جیل میں ایک زنانہ سکول کھولا جاچکا ہے جو نتائج کے اعتبار سے کامیاب ہے یو۔پی میں فنِ موسیقی و تعلیم کے لئے جدوجہد برابر جاری ہے ایک عورت جیل میں اُستانی مقرر کی جاتی ہے جو قیدیوں کو پڑھاتی ہے، گانے کا سامان میٹرن کے سپرد ہوتا ہے۔ وہ لاتی لے جاتی ہے ۔

جرم کی درجہ بندی یو۔پی میں ذ عمر بچیوں کو جو مجرم ہوتی ہیں علیحدہ جیل کے حصہ میں رکھا جاتا ہے، جو بچہ جیرلانے کے الزام میں سزا یافتہ ہوتی ہیں ان کو الگ بند کیا جاتا ہے اور اسی طرح باعزت عورتوں کے لئے علیحدہ جگہ ہوتی ہے ۔

دایہ حاملہ عورتوں کے لئے ایک دایہ ہوتی ہے جس کے لئے سند یافتہ ہونا ضروری نہیں ہے، وہ عورتیں جن کی سزائیں تین ماہ کے اندر اندر ہوتی ہیں اور حاملہ ہوتی ہیں تو ان کو ہسپتال میں بھیجدیا جاتا ہے ۔

عورتوں میں میڈیکل افسر مرد یو۔پی کے مستورات کی جیلوں میں میڈیکل آفیسر مرد بھی ہوتے ہیں تمام کاموں پر عورتیں ہی مامور نہیں کی جاتیں [1]

---

[1] تحقیقاتی کمیٹی جیلہائے یو پی سنہ ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۳۴

جیل کی عمارتیں

ہندوستان کے قیدیوں کی تعداد

ہندوستان میں ۷۷۳ جیلیں ہیں[1] جن میں حسب ذیل سالوں میں حسب ذیل مرد اور عورتیں قیدی رکھے گئے تھے۔

سال	مرد	عورت
سنہ ۱۹۳۱ء	۸۸۳۵۰۵	۱۹۶۳۳
سنہ ۱۹۳۲ء	۱۰۲۳۳۱۳	۲۸۴۳۴
سنہ ۱۹۳۳ء	۸۹۹۰۴۰	۲۳۰۸۲
سنہ ۱۹۳۴ء	۸۷۶۷۱۹	۱۹۹۷۶
سنہ ۱۹۳۵ء	۸۲۷۶۴۹	۱۹۲۸۱
سنہ ۱۹۳۶ء	۸۲۴۷۷۷	۱۹۷۵۴
سنہ ۱۹۳۷ء	۷۷۴۱۱۹	۱۸۴۲۰
سنہ ۱۹۳۸ء	۷۸۱۰۰۰	۱۷۴۷۹

سنہ ۱۹۴۲ء میں روزانہ قیدیوں کے آنے کا اوسط تمام ہندوستان کی جیلوں میں حسب ذیل تھا۔[2]

---

[1] بک فور پریزنرز [2] رپورٹ انتظامیہ جیلہائے یو پی سنہ ۱۹۴۲ء

صوبہ	قیدیوں کی روزانہ اوسط کی تعداد
یوپی	۳۸,۵۵۳
پنجاب	۲۲,۵۳۴
بنگال	۲۰,۶۳۴
مدراس	۱۸,۷۸۶
بہار	۱۸,۰۱۸
بمبئی	۱۰,۶۲۴
سرحد	۵,۶۳۴
سندھ	۵,۵۷۲
برار	۵,۴۵۷
آسام	۳,۱۹۹
اڑیسہ	۲,۲۳۶

ان جیلوں میں زیادہ تر جیلیں از سر نو تعمیر کی گئی ہیں - اور معدودے چند
بھی جیلیں ہیں جو پہلے سرائیں قلعے یا عالیشان عمارتیں تھیں - جن میں ترمیم و تنـ
اور ایزادگی کرکے جیلوں کی شکل دیدی گئی ہے -

جیلیں مشہور عمارتوں میں چنانچہ سہارنپور کی جیل پرانے قلعے میں ہے جس
پرانی دیواریں اور بعض بلڈنگیں محکمہ تعمیرا
کے ماتحت اب بھی ہیں -

مین پوری (یوپی) کی جیل سابق راجہ کے اصطبلوں کو مسمار کراکے بنائی گ

اور آگرہ کی سنٹرل جیل خاندان مغلیہ کے بادشاہ کے ہاتھی خانہ ترتا واکر تعمیر کی گئی ہے۔ جونپور جیل کے اندر مقبرہ کسی پرانی عمارت کی شہادت دیتا ہے[1]

سرائے کارواں یا دہلی جیل

مصنف "دارالحکومت" دہلی جیل کے بارے میں لکھتے ہیں۔ جو دہلی دروازے کے باہر اور فیروز شاہ کوٹلہ کے مقابل ہے اور لال دروازے سے تھوڑی دور جنوب میں۔ یہ جیل حقیقت میں سرائے تھی[2]۔ پرانی دلی کیساتھ یہ سرائے بھی ویران ہوگئی یہانتک کہ عالمگیر ثانی اور شاہ عالم ہی کے وقت میں بالکل ویران ہوگئی تھی۔ انگریزوں کو جیل کے لئے اس سے بہتر اور موزوں عمارت نہ ملی۔ اس سرائے کی شکست و ریخیت کر کے جیل کے لائق کرلیا اس سرائے کا دروازہ بہت بلند اور عالی شان ہے اور ایسے معقول مکان بنے ہوئے تھے کہ جیل کا داروغہ بھی اس میں بفراغت رہتا تھا۔ اسی کے میدان میں پھانسی دی جاتی تھی۔

یہ سرائے درحقیقت فرید خاں کی کارواں سرائے تھی جو ۱۰۱۷ھ میں بنی فرید خاں شاہ جہاں کے عہد میں گجرات کے صوبہ دار تھے اور فریدآباد بھی انہی کا بسایا ہوا ہے۔ سلیم گڈھ کے قلعے کو بھی انہوں نے درست کیا۔ فرید خاں سرائے شاہ جی میں مدفون ہیں جو بیگم پور کی مسجد سے مشرق کی طرف کوئی چار سو گز کے فاصلہ پر ہے۔"

اس سرائے کی فصیل نما پرانی دیواریں اب بھی موجود ہیں جو موجودہ مطبخ سے شروع ہوکر منڈ ابارک کے ساتھ چلی گئی ہیں، چکیاں، کارخانہ اور چیچک ہسپتال سرائے کے بیرونی حصہ میں بنائی گئی ہیں - اور اندرونی

---

[1] تحقیقاتی رپورٹ یوپی سنہ ۱۹۲۹ء ص ۵۲ [2] دارالحکومت دہلی حصہ دوم صفحہ ۵۹

حصہ میں بھی ہسپتال، مطبخ اور پھانسی کوٹھڑیاں تعمیر ہو چکی ہیں، جو کہ پختہ، مضبوط اور پاک وصاف ہیں پھانسی گھر بھی اندر بنا دیا گیا ہے اور اندر ہی پھانسی دی جاتی ہے اس کی کوٹ موقعہ کی دیوار پتھروں کی بنی ہوئی ہے جس میں جیل کی نئی اور پرانی چیزیں محصور ہیں۔

جیلوں کی نوعیت

اس جیل کی طرح ہندوستان کی اکثر جیلیں کچی بنی ہوئی ہیں جن کو کچی گماں اینٹوں سے چن کر مٹی کے گارے سے پلاستر کیا گیا ہے جو گارا عام طور پر جیلوں میں استعمال کیا جاتا ہے اس میں جیلوں کی نالیوں اور بیت الخلاء کا غلیظ اور گندہ پانی ڈالا جاتا ہے جو ہفتوں گارے میں پڑا سڑتا اور تعفن پیدا کرتا ہے اور دیواروں میں لگنے کے بعد کثیر بیماریوں کا باعث بنتا ہے۔

پنجاب میں سوائے قصور، کیمل پور، گجرات، راولپنڈی اور نیو سنٹرل ملتان جیلوں کے اور کوئی جیل پختہ نہیں ہے بلکہ تمام مٹی کی لپی ہوئی کچی جیلیں ہیں جو صفائی کی دشمن اور خس وخاشاک کا مجموعہ ہیں اور عام طور پر برسات میں مہلک وموذی جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کی آماجگاہ بنی رہتی ہیں چنانچہ اسی بنا پر سڑکوں پر کیچڑ ہی کیچڑ نظر آتی ہے اور چلنا پھرنا دوبھر ہو جاتا ہے۔

جیلوں کی مقام آبادی

پنجاب میں سوائے لدھیانہ، حصار، اولڈ گجرات، جالندھر، دہلی اور گوڑگانوہ جیلوں کے اور کوئی جیل شہر کی آبادی میں یا شہر کے قریب نہیں، تمام جیلیں شہر سے دور اور دو دو تین تین میل کے فاصلہ پر ہیں مثلاً اولڈ سنٹرل ملتان جیل شہر سے تقریباً ۲ میل اور انبالہ جیل چھاؤنی سے چار میل کے فاصلہ پر ہیں۔ اس فاصلے سے جیل ملازمان اور چالان شدہ قیدیوں کو کافی تکلیف ہوتی ہے

ملاقات کو شہر سے اشیاء خوردونوش لینے میں وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ذرا ذرا سی چیز کے لئے شہر کی طرف دوڑنا پڑتا ہے اور قیدی کو بھی آہنی اور وزنی بیڑیوں کے ساتھ میلوں پیدل چلنا مصیبت لگتا ہے، اتنی لمبی مسافت طے کرنے میں ان کے پاؤں لہولہان ہو جاتے ہیں اور چلتے چلتے بلبلا اٹھتے ہیں۔

پنجاب کی جیلوں میں بڑی جیلیں لاہور سنٹرل، نیو ملتان، منٹگمری، لاہور بورسٹل جیلیں ہیں جہاں تین تین چار چار ہزار قیدیوں کے رکھنے کا انتظام ہے۔

اولڈ سنٹرل ملتان جیل میں ۱۶ بارکیں اور ڈھائی سو

اولڈ سنٹرل ملتان جیل کی کوٹھڑیاں رسیلنا ہیں، جو ۶۰ اور ۳۰ آمنے سامنے ۱۸۰ چکیوں ۲۰ اور ۴۰ چکیوں کی شکل میں بنی ہوئی ہیں، ۶۰ چکیوں کے ۵۰ اور ۱۰ چکیوں میں دو حصے کئے گئے ہیں۔ ۱۰ چکیاں ان لوگوں کے لئے ہیں جو ۵۰ چکیوں میں غل غپاڑہ کرتے ہیں اور اودھم مچانا چاہتے ہیں تاکہ ان کے شور کا دوسرے قیدیوں پر اثر نہ پڑ سکے۔ یہ ۶۰ چکیاں قصوری چکیاں کہلاتی جاتی ہیں۔ جس میں قصوری اور فسادی قیدیوں کو رکھا جاتا ہے، ان قصوری چکیوں پر سخت گیر بدکلام، سنگ دل اور بدتمیز نمبردار لگائے جاتے ہیں جن کی قانون کے مطابق ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ شام قیدیوں کو کھول کر ضروریات سے فراغت دلائی جائے لیکن وہ ایسا کرنے کے لئے اپنے آپ کو نہیں پاتے، ایک گھنٹے کے بجائے دس دس منٹ اور زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹے کیلئے کھولتے ہیں اور بعض بعض موقعہ پر ایسے آزاد ہوتے ہیں کہ چار چار دن بھی قیدیوں کے کھولنے کا نام نہیں لیتے وہیں ان کو حوائج ضروریات سے فارغ ہونا پڑتا ہے اور وہیں دونوں وقت ان کو کھانا کھلایا جاتا ہے کسی کتاب کے مطالعہ کی اجازت نہیں ہوتی

۲۰،اور ۲۰ چکیاں عام نوآورد قیدیوں کے لئے ہیں۔ جن کو ان میں مدت قرنطینہ گذارنے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ ان چکیوں کے آمنے سامنے دو دروازے ہوتے ہیں۔ ایک دروازہ آہنی سلاخدار ہوتا ہے۔ اور تھوڑا صحن چھوڑ کے دوسرا دروازہ ڈیڑھ گز کے فاصلہ پر لکڑی کا ہوتا ہے۔ رات کو دونوں دروازے مقفل کر دیئے جاتے ہیں۔

۴۰ چکیاں سمنٹ کی پختہ ۲۰۔۲۰ دو طرف بنی ہوئی ہیں۔ جو آرام دہ مضبوط اور صاف وستھری ہیں۔

مطبخ اس جیل کے مطبخ کی مجموعی حالت اچھی ہے۔ پختہ جالی دار اور صاف وشفاف ہے۔ مشقتوں کی بداحتیاطی سے دروازہ کھلے رہنے پر مکھیاں اندر چلی جاتی ہیں اور کافی برات لگالیتی ہیں۔ ورنہ بناوٹ کے اعتبار سے مکھیوں کے جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ البتہ دال، یا سبزی پکانے کی دیگ اصول حفظان صحت کے منافی ہے۔ وہ چولھے میں گڑھی رہنے کی وجہ سے اچھی طرح دھوئی نہیں جا سکتی۔ جب تک اس کو علیحدہ کر کے نہ دھویا جائے۔ کپڑے کا پوچا وہ بھی مہینہ دو مہینہ میں کرنے سے صفائی کا مقصد پورا نہیں کرتا

اسی طرح گرمیوں میں آٹا گوندھنے والے مشقتی پسینوں سے شرابور ہوتے ہیں ان کے جسم پر پسینوں کی تلیاں بہتی ہوتی ہیں اور وہ گویا پانی سے نہیں بلکہ اپنے پسینوں سے آٹا گوندھنے کا کام انجام دیتے ہیں۔ ان مشقتیوں میں ہر قماش اور ہر طرح کے مریض اور غیر مریض قیدی ہوتے ہیں۔ جن کا پسینہ ہر قیدی کو کھانا پڑتا ہے اور وہ لاعلمی میں طرح طرح کے مرضوں کا شکار ہوتے ہیں

گندا پوچا اس جیل میں پانی کا معقول انتظام ہے، تمام جیل میں نل لگے ہوئے ہیں پانی کی قلت نہیں ہوتی، البتہ بارکوں کے سامنے زمین پر پوچا (چھڑکاؤ) غیر شریفانہ نظریہ کے ماتحت کرایا جاتا ہے۔ بارکوں میں پانی کی جو ہودیاں ہیں اور جن میں دال روٹی برتن کی دھوون اور مسواک کی غلاظت ڈالی جاتی ہے، اُس کا پانی پوچے کے لئے استعمال کرایا جاتا ہے اور اس زمین پر چھڑکا جاتا ہے جس پر گرمیوں میں رات کو قیدی سوتے ہیں اور سوتے وقت ان کے بھپکیوں اور بدبوؤں میں کروٹیں لے لے کر رات کا کافی حصہ پریشانی میں گزار دیتے ہیں۔ اس قسم کے گندے پوچے کا رواج عام طور پر پنجاب کے تمام جیلوں میں ہے۔

بے پردہ بیت الخلاء اولڈ ملتان جیل میں بیت الخلاء دو قسم کے ہیں ایک پختہ اور دوسرے خام، پختہ بیت الخلاء صاف اور آرام دہ ہیں لیکن خام بیت الخلاء بے پردہ اور تکلیف دہ ہوتے ہیں، جو برابر ایک لائن میں چھوٹی چھوٹی دیواروں کے بنائے جاتے ہیں جسمیں بیٹھنے کے بعد ایک دوسرے کی گردن نکلی رہتی ہے، اُٹھتے وقت اردگرد نگاہ پڑجائے تو ستر چھپایا نہیں جاسکتا، ایک کھڈی سے دوسری کھڈی کے جاتے وقت بے پردگی ہوتی ہے جو پنجاب کی جیلوں کی خصوصیات شمار کی جاتی ہیں، دروازہ یا کوئی پردہ اُس میں نہیں ہے چھتوں پر بانس کے میٹرے پڑے ہوئے ہیں جو فوجی نظریئے کے ماتحت بنائے گئے ہیں، بارک ۱۵، ۱۶ میں پختہ، اور ۷، ۸ بارک میں چھپر کے کچے بیت الخلاء ہیں۔

نہانا دھونا: غسل کے لئے اور کپڑے دھونے کے واسطے ۷، ۸ اور ۱۵ بارکوں کے بیچ

میں دو ہودیاں چوڑی کم اور لمبی زیادہ بنائی ہوئی ہیں جو سوا بالشت سے کسی طرح زیادہ گہری نہیں ہیں، اسکے ایک کے پانی سے نہایا جاتا ہے اور دوسرے کے پانی سے کپڑے دھوئے جاتے ہیں، جس پر ایک مرتبہ پچاس ساٹھ آدمی بیٹھ کر نہاتے ہیں اور ہندو مسلمانوں کو نہانے کے معاملہ میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا اور نہ کسی قسم کی چھوت چھات برتی جاتی ہے۔

انبالہ جیل انبالہ جیل دو مربع فرلانگ جگہ بنا ہوا ہے جس میں گیارہ سو قیدی ۶ بارکوں اور سو قصوری اور غیر قصوری چکیوں میں رکھے جا سکتے ہیں ہسپتال کی بلڈنگ اصولِ حفظانِ صحت کے منافی، مضحکہ خیز اور غیر تسلی بخش ہے پھانسی گھر انتہائی بوسیدہ، خاک آلود حالت میں ہے جس کا تختہ گلا ہوا اور دیواریں شکستہ ہیں اسی طرح پھانسی کوٹھڑی بیدردانہ طریقے سے بنائی گئی ہے دروازوں پر جالیوں کے باوجود تختے جڑے ہوئے ہیں جس سے کوٹھڑیوں میں چوبیس گھنٹے اندھیرا رہتا ہے اور مرتے کو مارے شاہ مدار پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔

پانی کی قلت اس جیل میں پانی کا انتظام نہایت غیر معقول اور پریشان کن ہے اس علاقہ میں پانی کی بے حد قلت ہے، کنوئیں انتہائی گہرے ہیں جس کی وجہ سے گرمیوں میں کربلا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور پانی کے ایک ایک گھونٹ اور چلو کے لئے ترستا پڑتا ہے۔ پانی کی فراہمی کی ذمہ داری انبالہ میونسپل کمیٹی پر ہے جسکے پانی کا کنکشن باہر سے ہے، جیل میں کوئی کنواں نہیں، پانی کا ایک پمپ جیل کے باہر زمین میں اُترایا جا رہا ہے جس میں قریب قریب ایک سال صرف ہو چکا ہے مگر کام پورا نہیں ہوا۔

اب ٹنکیوں میں پانی جمع ہوتا ہے اور آہنی بڑے بڑے ڈولوں سے تقسیم کیا جاتا ہے جس کے بھرنے میں بیحد بد احتیاطی برتی جاتی ہے، چنانچہ جب ٹوٹی میں ڈول لٹکا کر پانی بھرا جاتا ہے اُس کے نیچے ڈول رکھنے کے لئے ڈول کی لمبائی کے برابر گڑھا کر دیا جاتا ہے جس میں پانی بھرتا رہتا ہے اور بھرتے بھرتے ٹوٹی تک پہنچ جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دھوئے پاؤں سے مسلا مسلا گندہ پانی ڈول میں چلا جاتا ہے جو کہ قیدیوں کو پینے کے لئے دیا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ جیل اپنی وضع قطع کے اعتبار سے ایک دلکش گاؤں معلوم دیتا ہے جس میں نہ جیلوں کی سی ہیبت ہے اور نہ اس سے قیدیوں کی طبیعت زیادہ مکدّر و پراگندہ ہوتی ہے، البتہ پانی کی قلت یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ایسے خشک بے آب مقام پر یہ جیل کیوں بنایا گیا اور قیدیوں کے لئے کیوں ایسی جگہ پسند کی گئی۔

نیو سنٹرل ملتان جیل } یہ جیل تمام پنجاب کی جیلوں میں خوبصورت، مضبوط، شاندار اور عالیشان جیل ہے جو ۱۹۲۶ء میں تیار ہوئی اور استعمال ہونا شروع ہوئی تمام پنجاب کی جیلیں یکمنزلہ ہیں لیکن یہ جیل دو منزلہ ہے اور اسکی ہر چیز بارکیں، چکیاں اور ہسپتال بھی دو منزلہ ہیں وسط جیل میں چمنستان ہے جس کے گرد تین چکروں میں ایک میل محیط دائرہ بنتا ہے اور سامنے بائیں جانب ۱۱ چکیوں کے ۶ احاطے ہیں، دو احاطے کنارے پر ہیں جس میں ۹، ۱۹ قیدی رکھے جاتے ہیں باقی چکیوں کے چار احاطوں میں ۲۶-۲۶ چکیاں ہیں۔ بارکوں کے ۔ احاطے دائیں جانب ہیں، یہ بارکیں اور چکیاں لمبی سلاخدار کشادہ ہیں جو گرمیوں میں نہایت آرام دہ اور ہوا بخش ہیں۔ لیکن جاڑوں میں اتنی آرام دہ نہیں جتنی کہ ہونی چاہئیں۔"

اس میں جاڑے سے قیدی ٹھٹھر جاتا ہے اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔

کارخانہ اور تپدق ہسپتال جیل کے پچھلے حصہ میں ہے۔ قیدیوں کو چمنستان کے پھول استعمال کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ اسکے پھول جیل افسران اپنے گھروں کو مزین کرنے کے لئے گلدستے بنوا کر لیجاتے ہیں یا اپنے افسران کو ڈالیوں میں پیش کرتے ہیں۔ راولپنڈی، فیروزپور کی جیلوں میں بھی پھولوں کی بہتات ہے مگر قیدی ان سے مستفیض نہیں ہو سکتے۔ یہ اسیروں کی قسمت میں نہیں لکھا کہ وہ اس چمنستان کے گل و بلبل کی چہک اور مہک سے حظ اور سرور حاصل کر سکیں۔

فیروزپور کیمپ جیل فیروزپور کیمپ، جیل سے ملحق ہے۔ اس میں چار بارکیں پختہ آہنی جنگلے اور جالیدار ہیں۔ ایک بارک ۹ کوٹھڑیاں اور چاروں بارکوں میں ۳۶ کوٹھڑیاں ہیں جو چودہ فٹ لمبی اور ۹ فٹ چوڑی اور اونچائی میں پندرہ فٹ ہیں۔ صحن نما برانڈہ کوٹھڑی کے سامنے ہے جسکے دائیں بائیں پختہ دیوار، اور سامنے جنگلے دار دروازہ اور جنگلے دار چھت ہے۔ چار کچی بارکیں ہیں مٹی کے چبوترے بنے ہوئے ہیں جن پر چھپر ڈالے ہوئے ہیں اور چھپروں کے نیچے خیمے تنے ہوئے ہیں ایک بارک میں مطبخ ہے۔ جہاں کیمپ کے نمبردار رہتے اور سوتے ہیں پہلی بارک میں پہلی کوٹھڑی کے اندر ہسپتال کا دفتر ہے اور بقایا ۸ کوٹھڑیوں میں نظربند اور پولیٹیکل قیدی رکھے جاتے ہیں۔

کچا باورچی خانہ کچن کچا ہے۔ جو ایک کچی بارک میں ہے۔ اس کی چھتیں چھپر کی ہیں۔ آہنی جالی کا نام و نشان تک نہیں ہے مکھیوں کا ٹڈی دَل گھسا رہتا ہے۔ کچن کا فرش بھی کچا ہے۔

بے پردہ بیت الخلا بیت الخلا غسل کے مقام کے مقابل ہے۔ جو اک بارک میں ہے۔ جسکی کھنڈیوں کی قطاریں دیواریں پست پر سلسلے دار بنی ہوئی ہیں۔ انہی کے قریب ایک باہر بلا چھت کے کھنڈیاں بنی ہوئی ہیں دائیں بائیں دیواریں بہت چھوٹی ہیں۔ جس سے کافی بے پردگی ہوتی ہے کھنڈیوں میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ اس لئے بے پردہ ہر شخص سامنے چلا جاتا ہے۔ اور کھنڈیوں میں بیٹھنے والا خاموش بیٹھا رہتا ہے۔

غسل خانہ غسل کے لئے کوئی عمارت نہیں ہے۔ دو ہویاں لمبی، چوڑائی اور گہرائی میں کم، پانی بھرنے کے لئے ہیں۔ ان کے ایک جانب ایک باغ کی دیوار ہے۔ جس میں دونوں طرف نل لگے ہوئے ہیں۔ ایک طرف کے دونوں نلوں سے کپڑے دھوئے جاتے ہیں اور دوسری طرف کے دونوں نلوں سے غسل یا اشنان کیا جاتا ہے۔ ان ہی غسل کی ٹونٹیوں پر برتن وغیرہ مانجھے جاتے ہیں پانی کا معقول انتظام ہے۔ ہر چار کی بارکوں میں چار زمین دوز ہینڈ پمپ ہیں جن کا پانی نلوں سے بہتر اور ہاضم ہوتا ہے۔ کیمپ کے نظر بند قیدی اسی پانی کو پینے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ کورٹ موقعہ کچا اور بارہ فٹا ہے۔ جیل میں شہتوت کے درخت ہیں اور گلاب کے پودے کثرت سے ہیں۔ گوار کے بھی درخت ہیں۔

بجلی کیمپ کے کمپاؤنڈ میں بجلی ہے۔ لیکن بارکوں میں بجلی نہیں ہے۔ ٹھیک نہیں کرائی گئی ہے۔ رات کو دِتیا دوسی ڈبی پھوٹی کلے کی لالٹین پانی سے ملی کے تیل سے جلائی جاتی ہے۔ جو کبھی آدھ گھنٹے اور کبھی زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ جلتی ہے۔ ورنہ کبھی بتی غائب ہوتی ہے۔ کبھی تیل ہی ندارد ہوتا ہے

گھپ اندھیرے میں رات گذارنی پڑتی ہے۔

اکھاڑہ غسل کرنے کی جگہ قریب ایک چھوٹا سا میدان ہے جس میں ایک اکھاڑہ بھی بنا ہوا ہے۔ یہ اکھاڑہ پنڈت شترو گھن جی (نظر بند) کی کوششوں کا نتیجہ ہے اور وہی اس اکھاڑے کے اُستاد تھے اور صابری اس کا پٹھا تھا جس نے کم و بیش سات آٹھ مہینے وہیں کسرت کی، انسانی جسم کے پٹھے اُترنے پر مولانا نورالدین صاحب سلنے کی خدمت انجام دیتے تھے اور وہ اس فن میں کمال رکھتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں جو چیختا چلاتا آتا خوش و خرم جاتا تھا۔

کیمپ کی جائے وقوع کیمپ فیروز پور جیل کے مقابلہ میں کافی نیچی جگہ پر بنا ہوا ہے اور زمین کی گہرائی میں ہے چنانچہ اسی وجہ سے اس میں برسات کے موسم میں کافی وقت اُٹھانی پڑتی ہے۔ پانی نکلنے کا معقول و مناسب راستہ نہیں ہے برسات میں چلنا پھرنا دو بھر ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی ان دریاؤں سے گذرتا ہے تو تکلیفوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس پانی میں ایک موذی جانور پیدا ہو جاتا ہے جو پاؤں کی اُنگلیوں میں جوتیوں کے اندر ہی گھس کر کاٹ لیتا ہے۔

کیمپ کے قیام کی وجہ نہ معلوم ایسی مضر صحت مقام پر یہ کیمپ کیوں بنایا گیا ہے یہ کیمپ احرار کی کشمیر تحریک پر بنا۔ پہلے اس کے چاروں طرف آہنی تار باندھے گئے تھے جب کچھ قیدی معزز ہوئے تو اس کو پختہ بنوایا گیا، اس عمارت کی تعمیر پر حکومت کشمیر کا روپیہ خرچ ہوا۔ اس کے بعد اس میں پولیٹیکل قیدی رکھے جانے لگے۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء کی ستیہ گرہ کے سی کلاس پولیٹیکل قیدی انہیں رکھے گئے تھے اور آجکل ۱۹۴۲ء کی تحریک کے نظر بند اور سزا یافتہ پولیٹیکل حضرات بھی یہیں مقید کئے جاتے ہیں۔

جیل کا عملہ

لندن میں جولائی ۱۹۲۶ء کے اندر سمندر پار فیدی افسروں کی کانفرنس میں کرنل جے ایس نوکس نے فرمایا کہ اچھا اسٹاف وہ ہے جو مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھے۔

(۱) احکامات کو وفاداری سے پورا کیا جائے۔

(۲) اپنے کام کو نگرانی اور بلا نگرانی دونوں حالتوں میں یکساں طور پر بہتر طریقے سے انجام دیں۔

(۳) اپنے ماتحت ملازمین سے اجنبیوں کی طرح ہوشیاری سے سلوک کریں۔

(۴) مختصراً ہر طرح لوگوں کی امداد کریں۔

انگریزی جیلوں کا اسٹاف تجربہ کار ہے اور خدمت کرنے کے اچھے طریقے جانتا ہے جن کو معقول تنخواہ ملتی ہے اور اچھی پنشن کے ملنے کی بھی امید ہوتی ہے وہ کام زیادہ وقت میں نہیں کرتے عمدہ قسم کے رہائشی مکانات میں رہتے ہیں انفریح کے لیے کافی وقت مل جاتا ہے۔ وہاں کل ۳۴ جیلوں اور ۸۰۰ ۶۰۰ افیدیوں کے ۲۰۰ انتظامی افسر ہوتے ہیں سالانہ ۵۰ سے ۱۰۰ تک مزید افسروں کی ضرورت پڑتی ہے جس کے لئے پانچ ہزار امیدوار درخواست دہندہ ہوتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قابل ملائق آدمی منتخب ہوتے ہیں، تمام امیدواروں کو

ایک فارم بھرنا پڑتا ہے جس میں وہ اپنی ساری زندگی اور تعلیم کا مفصل حال لکھتے ہیں۔ کمشنران پانچ ہزار فارموں میں سے پانچسو امیدواروں کو ملاقات کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ ۲۵ فیصدی منظور کئے جاتے ہیں اور ان کو کسی ایک سکول میں ٹریننگ دینے کے لئے رکھ لیا جاتا ہے۔ یہ ٹریننگ آٹھ ہفتہ تک ملتی ہے اور اس میں تقریباً دس فیصدی فیل ہو جاتے ہیں۔ کامیاب امیدواروں کو دو مہینہ کی خاص ٹریننگ کے لئے مختلف مقامات پر بھیجا جاتا ہے ورنہ تین مہینہ کی مزید ٹریننگ دیجاتی ہی اور اگر اس میں بھی فیل ہوتا ہے تو اس کا فارم رد کر دیتے ہیں۔

اس تقرری کے بعد ایک سال کے لئے عارضی ڈیوٹی ملتی ہے۔ اس میں مفید و کامیاب ثابت ہوتا ہے تو "مستقل" ورنہ علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔

نکمہ عملہ ہندوستان میں جیلوں کا اسٹاف انتہائی نکمہ ہے جس کی وجہ ان کی کم تنخواہوں کا ہونا ہے۔ یوپی اور پنجاب کی جس جیل میں جائیں گے یہی رونا ہوگا کہ اس موسم کی فلاں آفیسر نے روئی کی رقم اڑا لی۔ فلاں ڈاکٹر نے دوائیوں کی رقم میں سے اتنی رقم بچالی۔ مریضوں اور قیدیوں کو پینے کے لئے دوائی اور پہننے کے لئے کپڑے نہیں ہیں۔ غریب قیدی جاڑوں میں ٹھٹھرتے ہیں اور مریض موت کا شکار ہوتے ہیں اور ان کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں۔ اور ان کی رضائیاں اور لحاف روئی کے بجائے تاگوں کے گچھوں کے تھیلے بنے ہوئے ہیں۔ قیدی جیل افسران اور ہر مریض ڈاکٹر سے تنگ آیا ہوا ہے، رشوت دیتے دیتے تھک گیا ہے کوئی ہلکی مشقت جب ہی ملتی ہے جب چیف وارڈ ...

اور جیل آفیسر کو کچھ چٹایا جائے۔ ہسپتال میں جب ہی داخل کیا جاتا ہے اجب کمپونڈر اور ڈاکٹر کو نذرانہ دے ، ورنہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کے مرجائے، کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا ، ایک معمولی ساوارڈر بھی غریب قیدی کا خون چوسنا چاہتا ہے۔ یہ سب کمزوریاں اس بات کی ہیں کہ ملازمان جیل کو ملازمت میں وقت پورا دینا پڑتا ہے اور تنخواہ اخراجات سے بہت کم ملتی ہے۔

ہندوستان میں گریجویٹ ان ملازمتوں کے لئے سخت مقابلہ کرتے ہیں جب کہیں جاکر ان کو داروغہ جیل کی جگہ ملتی ہے جس کو ۳۵ سے ۴۰ تک ماہوار سے شروع کیا جاتا ہے جو کسی طرح بھی تعلیم یافتہ خاندانی شریف آدمی کے لئے باعث کشش نہیں ہو سکتا ۔ البتہ پنجاب گورنمنٹ نے گریجویٹ نائب داروغہ کے لئے ۸۰ روپیہ ماہوار (ترقی ۷ ۱/۲ روپیہ سالانہ) دو سو روپیہ تک تنخواہ مقرر کردی ہے ۔ اور داروغوں کو ۲۰۰ سے ۵۰۰ روپیہ تک کی شرح ماہوار قائم کردی ہے ، نائب داروغوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کو ٹریننگ پر لگایا جائے اور جو تین ماہ سے کم نہ ہو ۔ برما میں اسی قسم کا ٹریننگ کا سکول تھا لیکن اور صوبوں میں یہ ٹریننگ اسکول نہیں ہے ۔

جیل افسران

جیل کا انچارج ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ یعنی جیلر ہوتا ہے اس کے دو یا تین اسسٹنٹ ہوتے ہیں ، ان کو کام تقسیم کر دیئے جاتے ہیں ، کسی کو ملاقات کرانا اور کارخانہ کی مشقت لینا دیدی جاتی ہے اور کسی کو محبس کی دیکھ بھال ، اور چالان کرنے کا انچارج بنا دیا جاتا ہے یا قیدیوں کے خطوط پڑھنے اور ان کو سنسر کرنے کی ڈیوٹی دیدی جاتی ہے ۔

ایک اسٹاک کیپر بھی ہوتا ہے۔ جو جیل کی تیار کردہ اشیاء کی فروختگی، تمام کھانے پینے اور استعمال کرنے کی چیزوں کا حساب رکھتا ہے۔ اور قیدیوں کو روزانہ حساب سے راشن دیتا ہے۔

ہسپتال میں ایک یا دو یا تین ڈاکٹر ہوتے ہیں جس کا انچارج میڈیکل آفیسر ہوتا ہے۔ بعض جیلوں میں مثلاً دہلی، فیروزپور، انبالہ میں مقامی سول سرجن ان فرائض کو انجام دیتا ہے اور بعض سنٹرل جیلوں میں مثلاً لاہور، اولڈ سنٹر اور نیو سنٹرل ملتان جیل میں مستقل جیل میڈیکل آفیسر پورا وقت دے کے قیدیوں کی نگرانی کرتا ہے اور علاج و معالجہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

وارڈ

جیل کے وارڈ سرکاری ملازم ہوتے ہیں جن کو تنخواہ عام طور پر اکیس روپے ماہوار دی جاتی ہے اور ہر تین برس کے بعد ایک روپیہ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ جیل میں ۸ گھنٹے ڈیوٹی روزانہ دیتے ہیں۔ جتنی بڑی جیل ہوتی ہے اسی کے تناسب سے وارڈ زیادہ ہوتے ہیں، ہر پندرہ وارڈوں پر ایک ہیڈ وارڈر ہوتا ہے سو جمعداروں پر چار ہیڈ وارڈر ہوتے ہیں۔ دہلی جیل میں تین ہیڈ وارڈر ہیں۔ جن کی ڈیوٹی ایک کارخانہ میں ایک کی کھیت کے پیچھے پر اور ایک کی جیل کے باہر ہوتی ہے۔ قیدیوں کے کام کی نگرانی اور ان کی گنتی وغیرہ کرتے رہتے ہیں۔ ان ہیڈ وارڈوں کا ہیڈ چیف وارڈر ہوتا ہے جو صرف جیل حکام کو جواب دہ ہوتا ہے۔ درونِ جیل کے اندر ہر شخص اس کے ماتحت ہے۔ اصل میں جیل کا کرتا دھرتا وہی مانا جاتا ہے جو تقریباً چوبیس گھنٹوں میں اٹھارہ گھنٹے جیل کے اندر موجود رہتا ہے۔ جمعداروں کی ڈیوٹی وہی لگاتا ہے اور اسی کے مشورہ کا دخل

ہوتا ہے۔ جس کا سلسلہ یوں شروع ہوتا ہے۔

وارڈر کی ڈیوٹیاں جیل کے باہر دروازہ یعنی سنگین پہرہ پر ایک جمعدار لگاتا ہے جس کے ہاتھ میں بندوق ہوتی ہے۔ جیل کے پہلے دروازے پر ایک دربان جمعدار ہوتا ہے جو قیدیوں کی آمد و رفت کو رجسٹر میں لکھتا ہے۔ جیل کے صدر دروازے کی کنجیاں اس کے پاس ہوتی ہیں وہی کھولتا اور بند کرتا ہے۔ افسران کی آمدورفت پر صدر دروازہ پورا کھولا جاتا ہے معمولی ملازم اور قیدیوں کی آمدورفت پر صدر دروازوں کی کھڑکیاں کھولی جاتی ہیں۔ قیدیوں کی تلاشی بھی یہی دربان لیتا ہے۔ قیدیوں کے لئے جو کھانا آتا ہے اس کو چکھنے کا کام بھی اسی کے سپرد ہے۔ یہی دروازہ کی آمدورفت کا مالک ہی صبح و شام جیل کے دروازہ پر دو دربانوں کی ڈیوٹی ہوتی ہے جو کم از کم ایک ماہ تک مسلسل رہتی ہے اس ڈیوٹی پر نہایت ایماندار اور جفاکش و محنتی جمعدار کو لگایا جاتا ہے۔

جیل کے چکر یعنی دروازہ کی چھت پر رات کو ایک جمعدار کی اس لئے ڈیوٹی ہوتی ہے کہ وہ تمام بارکوں کے نمبرداروں سے بارکوں کی حالت دریافت کرتا رہے اور منٹ منٹ کی خبر رکھے۔ وہ ہر دو منٹ کے بعد آواز لگاتا ہے۔ "نمبر ایک" جواب آتا ہے "سب اچھا" اس طرح تمام بارکوں کے نمبر منتظر ہوتے ہیں۔ وہ سلسلہ دار سب کو پکارتا جاتا ہے۔ اور ہر اک بارک سے "سب اچھا" کے جواب مل جاتے ہیں۔

اگر بارک میں کوئی قیدی بیمار ہوتا ہے تو اسکی رپورٹ دروازہ کے سپاہی کو دیدی جاتی ہے۔ وہ ڈاکٹر کو اس کی رپورٹ دیدیتا ہے۔ ڈاکٹر فوراً قیدی کو دیکھنے

کے لئے آتا ہے اور وہ ایاں دے کر یا ہسپتال میں داخل کرکے چلا جاتا ہے۔

کوٹ موقعہ پر جو نمبردار لگائے جاتے ہیں ان کی دیکھ بھال کے لئے ایک گھڑی والا جمعدار لگایا جاتا ہے جو وقتِ مقررہ پر چابی گھنٹہ لگاتے ہوئے کوٹ موقعہ کی دیوار سے لگاتا ہے جو کوٹ موقعہ کی دیوار میں لگی رہتی ہے۔ اگر جمعدار سستی اور کاہلی سے کام لیتا ہے تو اسکو دیر لگ جاتی اور چابی لگانے سے اُس کی چوری معلوم ہو جاتی ہے۔ یہ گھڑی ڈیوٹی کی جانچ کے لئے بہترین چیز ہے۔

ہیڈ جمعداروں کے ساتھ کارخانہ میں جمعدار بھی لگائے جاتے ہیں، ہر بارک پر ایک وارڈر بھی مقرر ہوتا ہے جو قیدیوں کی دیکھ بھال کرتا ہے اور خلاف ضابطہ حرکت کرنے والے قیدی کی چیف وارڈر کو رپورٹ کرتا ہے جو اس کو جیلر کے سامنے پیش کرکے سپرنڈنٹ کے سامنے سزا کے لئے پیشی کراتا ہے۔

وارڈر کی حیثیت

ہندوستان کی جیلوں میں وارڈر کی حیثیت انتہائی پست سمجھی جاتی ہے چنانچہ ہندوستان کی جیل کمیٹی سنہ ۲۰-۱۹۱۹ء کی رپورٹ کے مطابق وارڈر وہ پس ماندہ لوگ ہیں جن کو پولیس اور فوج کے محکموں نے ٹھکرا دیا ہو، اس کی بنا تنخواہ کی کمی اور معمولی ترقی ہے جب تک یہ کمیاں پوری نہیں کی جائیں گی اُس وقت تک وارڈروں کی یہی حالت وحیثیت قائم رہے گی۔

ان وارڈروں کی حالت بعوض تنخواہ پولیس کے سپاہیوں سے بھی بدتر ہے لیکن ڈیوٹی اور فرائض کے مقابلہ میں سخت ہیں بسنہ ۱۹۲۱ء تک پولیس کے ملازم سپاہی

ملتی تھی چنانچہ جیل کمیٹی نے سفارش کی کہ "وارڈروں کی بھرتی کے معیار کو بلند کیا جائے" اور تنخواہوں میں اضافہ ہو تو اس وقت کافی حیل وحجت کے بعد تنخواہوں کا معیار اونچا کیا گیا تھا اور وارڈروں کی تنخواہیں بتدریج سترہ روپیہ تک کی گئی تھیں جس سے ان کا گذارہ نہ ہو سکا۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء کی پنجاب جیل کمیٹی نے بتایا کہ وارڈروں کی تنخواہ بیس دن تک چلتی ہے اور بقایا دس دن وہ قیدیوں سے بٹور کر پورے کرتے ہیں اس لئے کمیٹی نے سفارش کی کہ ان کی تنخواہ ۲۱ روپے ماہوار کم از کم ہونی چاہیے۔

نمبردار

جیل کے نمبردار تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک سفید وردی والا، دوسرا کالی وردی والا، اور تیسرا پیلی وردی والا۔ یہ تینوں قسم کے نمبردار نیم سرکاری مانے جاتے ہیں۔ سفید وردی والا ۱/۴ سزا بھگتنے کے بعد نمبردار بنایا جاتا ہے اور کالی وردی والا ۱/۲ سزا کاٹنے پر کالی وردی لینے کا مستحق ہوتا ہے اور پیلی وردی والا ۳/۴ قید کے دن گذارنے پر پیلی والا بن سکتا ہے، ہر قیدی کو سلسلہ وار سفید، کالی اور پیلی وردی کا نمبردار بننا پڑتا ہے، کوئی شخص ایک دم پیلی وردی کا نمبردار نہیں بن سکتا، اور کالی وردی کے نمبردار کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی سزا کم از کم دو سال سے کم نہ ہو، اگر کم ہوگی تو کالی وردی لینے کا وہ مستحق نہ ہوگا۔ اس طرح پیلی والے کے لئے بھی سزا زیادہ ہونے پر پیلی وردی ملتی ہے۔ سب سے آخری عزت جیل میں قیدی کو پیلی وردی ہوتی ہے جو انتہائی وفاداری اور جیل حکام کے فرمانبردار ہونے کی نشانی ہے۔

شری اور باغی قیدیوں کو نمبرداری نہیں دی جاتی خواہ اس کی سزا

پانچ یا چھ سال ہی کیوں نہ ہو۔

قیدی کو سفید نمبرداری کے لئے دو ماہ امیدوار رہنا پڑتا ہے جس میں رات کو اپنے دوسرے ساتھی نمبرداروں کے ساتھ تین گھنٹہ بارکوں میں ڈیوٹی دینی پڑتی ہے اور سب اچھا کی آوازیں لگانا پڑتی ہیں، اس کے بعد باقاعدہ طور پر اس کو نمبردار بنایا جاتا ہے۔ اس کو ایک سیٹی ملتی ہے اور ایک بازوبند، یعنی بازو پر باندھنے کے لئے ایک بلاّ دیا جاتا ہے۔ جس پر سی، این، ڈبلیو کھدا ہوا ہوتا ہے۔ اس نمبردار سے چھ گھنٹے دن میں پہرہ چلائی کا کام لیا جاتا ہے اور تین گھنٹے رات کو بارکوں میں سب اچھا کی آوازیں لگوائی جاتی ہیں۔ سفید وردی والے نمبردار کو مہینہ میں نمبرداری کے چار دن ملتے ہیں اسی طرح کالی وردی والے کو چھ دن، اور پیلی وردی والے کو آٹھ دن مہینے میں دیئے جاتے ہیں، کالی اور پیلی وردی والے کو بلاّ اور سیٹی کے ساتھ ایک چمڑے کی پیٹی دی جاتی ہے۔

ان نمبرداروں میں ایک ایک نمبردار سپرنٹنڈنٹ جیل، جیلر اور اسسٹنٹ جیلروں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں جو ان کو جیل کے تمام حالات سے واقف کراتے رہتے ہیں اور تمام اطلاعات اپنے افسروں کو پہنچاتے ہیں، جیلر ہمیشہ اپنا نمبردار جسیم اور مضبوط قیدی رکھتا ہے جو محافظ کے فرائض بھی انجام دیتا ہے تاکہ کوئی قیدی حملہ آور نہ ہو جائے اور بے عزتی نہ کر سکے، ایسے قیدی اپنا قید کا کافی حصہ جیلر کی دربارداری میں گذارتے ہیں اور تبدیل ہونے کا نام نہیں لیتے۔

ان نمبرداروں کو کھانے پینے اور بیڑی سگرٹ پینے میں کوئی دقت نہیں ہوتی - عمدہ مال کھاتے ہیں، جیلر کے منہ چڑھے ہوتے ہیں اس لئے زندگی اچھی گزارتے ہیں - ان کو جیل، جیل معلوم نہیں دیتی -

لیکن ان نمبرداروں کی مصیبت کے دن جب آتے ہیں جب جیلر تبدیل ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا جیلر آجاتا ہے "ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت" کے مطابق وہ ان کو اپنا اعتمادی نہیں بناتا، دوسرے نمبرداروں کی قسمت کھلتی ہے، وہ جیل کے مالک بنتے ہیں اور کسی ظلم سے دریغ نہیں کرتے -

نمبرداروں کی تنخواہ

۱۹۲۸ء سے قبل تک نمبردار قیدیوں کو جو سفید پوش، کالی پیلی والے مشہور ہیں، ماہوار تنخواہ دی جاتی ہے - جس کا معیار یہ ہوتا تھا کہ سفید پوش کو سہ ر، کالے والے نمبردار کو ۲ ر اور پیلی والے نمبردار کو عہ ر ماہوار ملتا تھا، عام قیدیوں کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا - حتیٰ کہ قیدیوں کو گڑ، تیل صابن سے بھی ترسنا پڑتا تھا اور وہ جائز طریقے سے ان اشیاء کو حاصل نہیں کر سکتے تھے نہ اپنے پیسوں سے منگا سکتے تھے اور نہ جیل والوں سے مطالبہ کر سکتے تھے - ان چیزوں کی جیل میں آنے کی ممانعت تھی -

۱۹۲۸ء کے بعد یہ طریقہ بدلا اور عام قیدیوں کو بھی سوا روپیہ ماہوار دیا جانے لگا، یہ تنخواہ روزانہ کے کام پر مقرر تھی، اتوار، تعطیل، بیمار، عدالت، یا چالان کے دنوں کو اجرت سے مستثنیٰ سمجھا جاتا تھا، اس لئے کہ ان دنوں میں قیدی کا کام

نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ہفتہ کی نصف اجرت ڈھائی آنہ میں گڑھ، صابن، تیل، کتابیں اور سگرٹ خرید لیتا تھا۔ اور نصف اجرت ڈھائی آنہ اس کے حساب میں جمع کردی جاتی تھی۔ جو اس کو رہائی کے وقت ملتی تھی۔ وہ ایک ہفتہ میں ڈھائی آنہ سے زیادہ کی چیزیں خرید نہیں سکتا تھا۔ خواہ اس نے پچھلے دو ہفتوں میں ایک پیسہ کی بھی چیز نہ خریدی ہو۔ جس ہفتہ میں وہ کچھ بھی نہ خریدتا تو اس ہفتہ کے ڈھائی آنہ اس کے حساب میں جمع کرادیئے جاتے تھے۔ اگر وہ کسی ہفتہ شرارت کرتا تو سپرنٹنڈنٹ کو اختیار ہوتا کہ وہ اس کو اس ہفتہ کی کوئی چیز نہ خریدنے دے۔ لیکن ہفتہ کے ڈھائی آنہ اس کے حساب میں ضرور جمع ہو جاتے تھے۔

لیکن ۱۹۳۲ء میں سوا روپیہ ماہوار دینا اور نمبرداروں کو تنخواہ دینا بند کردیا گیا جو قیدیوں کے لئے انتہائی مضر ثابت ہوا!

لیکن ایک چھٹانک گڑھ روزانہ اور سکھوں کے لئے ہفتہ میں ایک مرتبہ تین اوپلے دیئے جانے لگے۔

جیل کی رقم پر نہیں بلکہ قیدی کی اپنی رقم پر صابن، گڑھ، تیل، جوتی کتابیں منگانے کی اجازت دیدی گئی۔ جو اب تک قائم و برقرار ہے۔

یہ ماہوار تنخواہ کبھی کبھی جمع ہوتے ہوتے بعض بڑی سزا کے قیدیوں کو رہائی کے وقت پچاس پچاس روپے تک ملتے تھے۔ ایک سال اور چھ مہینے کے قیدی بھی سات آٹھ اور چار پانچ روپے لیکر رہا ہوتے تھے۔ اس کو خرچ کرتے برسوں جن خواہشات کو دبا دبا کے رکھتے تھے۔ ان کو پورا کرتے،

گھر پہنچتے اور انہی روپوں سے چھوٹا موٹا کاروبار شروع کر دیتے، چاہتے ا
بیڑی اور چھولے کے خونچے لگاتے، موزے - بنیان، رومال کی پھیری پھر
اور پھل، ترکاریاں فروخت کر کے اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالتے تھے
جب سے یہ طریقہ بند ہوا اس وقت سے بہت سے قیدی رہا ہونے
بعد اپنے گھروں پر بھی نہیں پہنچتے بلکہ گاڑی میں ہی روپیہ پیسہ نہ ہونے ا
کی وجہ سے چوری کر کے گرفتار ہو جاتے ہیں اور گھر پہنچنے کے بجائے جیل خا
میں پہنچا دیئے جاتے ہیں - اس ماہوار تنخواہ کے طریقے کے بند ہونے
قیدیوں کے لئے مصیبتوں کا ایک مستقل باب کھل گیا ہے -

غیر سرکاری وزیٹر

مسٹر پاول فرماتے ہیں :-
کہ غیر سرکاری وزیٹروں کی جیل کے معائنہ کے
کو بہت کم ممالک نے اختیار کیا ہے - یورپ اور دیگر براعظموں میں یہ خیا
جاتا ہے کہ جیل سرکاری ہیں - سرکاری کاموں پر پبلک کی نکتہ چینی کو کیسے
آمدید" کہا جاتا ہے -

انگلستان میں ہر غیر سرکاری وزیٹر کے سپرد قیدیوں کا کچھ حصہ یا کچھ
کر دی جاتی ہے - وہ ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں وہ ان سے ہر ہفتہ ملنے
ہیں ان کی مشکلات و مصائب کو ختم کرنے کے لئے ان سے مشورہ کرتے ہیں
عام طور پر ایک ناصح کا پارٹ ادا کرتے ہیں - ابتدائی اور عام تعلیم کا بھی خیال
ہیں - وہ جیل کے انتظام پر نکتہ چینی نہیں کر سکتے - البتہ ان کو جو تکلیف آ
رفت میں ہو - اس کی شکایت کر سکتے ہیں -

بقول پاول ہندوستان میں بھی جیل کے انتظامات میں پبلک دخل دے سکتی ہے اور غیر سرکاری وزیٹروں کی حیثیت کافی اہمیت رکھتی ہے، سرکاری وزیٹروں کے ساتھ وہ بھی بورڈ میں لیے جاتے ہیں اور باری باری جیل کا معائنہ کرتے ہیں، وہ نہ صرف قیدیوں کے معاملات میں دلچسپی لے سکتے ہیں بلکہ جیل کے انتظامات میں بھی مداخلت کر سکتے ہیں اور ان کی رائے معاملات کی تفصیل پر اکثر لی جاتی ہے۔ پبلک اور سرکاری جماعتوں کے درمیان مفید درجہ رکھتے ہیں۔"

غیر سرکاری وزیٹر کے ساتھ غیر کا لفظ برائے نام لگایا گیا ہے، جہاں تک ان کی تقرری کا تعلق ہے وہ گورنمنٹ آف انڈیا کے حکم سے مقامی حکومت کرتی ہے جس سے ان کی پوزیشن بالکل سرکاری بن جاتی ہے اور وہ بھی اپنے آپ کو سرکاری سمجھنے لگتے ہیں اور آئندہ کے انتخاب میں آنے کے لیے کوئی ایسا فعل نہیں کرتے جس میں سرکار یا مقامی افسران ناراض ہوں، وہ جیل کا معائنہ کرنے آتے ہیں اور کبھی کبھی جیل کے اندر گشت بھی لگا لیتے ہیں ورنہ ہمیشہ جیل کے دفتر میں ملازمان جیل سے مل کر رجسٹر پر صرف دستخط کر کے تشریف لے جاتے ہیں اُن کو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا کہ جیل میں قیدیوں کی کیا حالت ہے۔ وہ کسی قیدی سے بات تک نہیں کرتے اور اگر کوئی ہوشیار قیدی اپنی تکالیف کو ان کے سامنے رکھتا ہے تو وہ اُس کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور افسرانِ بالا کی توجہ اس طرف مبذول نہیں کراتے۔ ان سے قیدیوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور یہ حقیقت ہے کہ غیر سرکاری وزیٹر اور جیل کے سرکاری ملازمان میں کسی حیثیت سے بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ ملازم سرکار کو خوش کرنا چاہتا ہے اور اس کے حکم و نظام کے سامنے

سرچشمہ کانا فرض سمجھتا ہے اور غیر سرکاری وزیٹر بھی حکام کی خوشنودی کا متلاشی
رہتا ہے۔ جیل کی بدعنوانیوں کے ذکر کو اپنے لئے خطرناک سمجھتا ہے، اور وفاداری
کے ساتھ مدت وزیٹری ختم کر دیتا ہے۔

ان غیر سرکاری وزیٹروں میں بعض مذہبی واعظ بھی ہوتے ہیں، جو عام
طور پر قیدیوں کے عام عقیدے کے مطابق لیکچر دیتے ہیں۔ مسلمان واعظ نماز، روزہ
اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تلقین کرتا ہے۔ ہندو پنڈت پوجا اور پرارتھنا
زور دیتا ہے۔ عیسائی اپنے اصولوں کا پرچار کرتا ہے۔

بعض جیلوں میں یہ مذہبی واعظ اعزازی نہیں بلکہ ملازمانہ حیثیت سے
تمام دن کے لئے وعظ و پند و نصائح کرتے ہیں، ان میں بعض اعزازی طور پر بھی
خدمت انجام دیتے ہیں اور ان کو صرف معمولی سفر کے اخراجات دیئے جاتے
ہیں۔ ہر ایک کے مذہب کے مطابق اُس کے مقدس دن پر لیکچر دیا جاتا ہے۔
مولوی جمعہ کے روز پادری اتوار کے دن اور پنڈت منگل کے روز آ کر اپنے اپنے
مذہب کے اصول و پیغام سُنانا اور سمجھاتا ہے۔

پہلے شاہ پور کی تپ دق جیل میں روزانہ کتھائیں اور وعظ ہوا کرتے
لیکن جب سے شاہ پور جیل سے تپ دق قیدیوں کو ہٹایا گیا ہے۔ اس وقت
سے وہاں یہ سلسلہ بند کر دیا گیا، البتہ بہت سے بورسٹل جیلوں میں روزانہ
کہنے اور دیا کھیان دینے کا اب بھی طریقہ رائج ہے۔

نابالغ قیدی

نابالغ قیدی قدرتی طور پر جیں حکام اور عام پبلک اس بات کی خواہاں ہے کہ سوسائٹی کو زیادہ ایماندار اور قوانین شہری کا محافظ ہونا چاہیئے۔ اور مجرموں کی تعداد کم کی جائے۔ اس نیک مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ احتیاط برتی جائے جو دوا سے بہتر ہے۔ تمام مصنفین تعزیرات کا یہ خیال ہے کہ مجرموں کو کم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ نابالغ قیدیوں کا خیال رکھا جائے اس سے پیشتر کہ معمولی جرم اس کو عادی مجرم بنا دیں۔

کوئینٹن صاحب لکھتے ہیں :-

تجربہ نے سکھایا ہے کہ اصلاحی طریقوں کی کامیابی مجرموں کے عمر کے لحاظ سے ہوئی ہے۔ جوان مجرم عمدہ اور معقول سلوک سے سدھرے ہیں لیکن بڑی عمر والے مجرم جو اپنی عادات میں پختہ ہو چکے ہیں اُن پر اصلاحوں کا کوئی اثر نہیں پڑا[1]

اگر مجرم بچوں کو گناہ کے راستہ سے بچایا جائے اور اُن کو اس طریقے سے تربیت دی جائے کہ وہ ایماندار اور قانون شہری کے قدردان ہو سکیں تو ان

---

[1] دی موڈرن پریزنس

زندگی شروع سے ہی اچھے اثرات کے ماتحت گزرنی چاہیئے۔
اچھی صحبت بھی کسی حد تک گناہ کو روک سکتی ہے کیونکہ زندگی

جرم کے اسباب

کی کشمکش میں صحت یافتہ جسم اگر ضروری چیز ہے۔ اگر بچہ پیدائش سے کمزور ہو تو اس کو شروع ہی سے مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا کئی بچے اس وجہ سے مجرم بنے کہ ان کی آنکھوں اور کانوں میں خرابیاں تھیں ہو سکتا ہے کہ ایسے نقائص بچے کی تعلیم و فلاح و بہبودگی میں نقائص ڈالنے والے ثابت ہوں۔ اور ان کی وجہ سے اپنے ساتھیوں کے مقابلہ میں روزی کمانے کے قابل نہ ہو سکیں یا ان عیبوں کی وجہ سے سوسائٹی ان سے نفرت کرنے لگے حتیٰ کہ والدین اور سکول ماسٹر کی ناراضگی و خفگی کی وجہ سے انصاف حاصل نہ کر سکیں [1]

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بچے پر نسلی اثر ہوتا ہے لیکن صحبت و ماحول کا اثر اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے اچھی صحبت کافی حد تک نابالغوں کو گناہ سے روکتی ہے۔

مرشیر صاحب فرماتے ہیں:۔
جرم کو روکنا بھی کئی اور چیزوں کی رکنے کی طرح ہے۔ اور وہ صرف اس حالت میں رک سکتا ہے اگر اس کے اسباب کو ختم کیا جائے اگر مجرم پیدائشی مجرم نہ ہوں اور وہ ماحول کی وجہ سے

---

[1] Imprisonment by Bark. p82

بنا ہو تب ہم جرم کو اس طرح روک سکتے ہیں کہ اس کی گندگی کو دور کیا جائے ۔ اور اس گندگی کو بہانے کے لئے نالیوں کا اچھا طریقہ ہے ۔ اگر جرم کی بنا تعلیم کا نقص ہے تو ہمیں اپنے سکولوں کو درست کرنا چاہئے ۔ جرم جب ہی دور ہو سکتے ہیں جب کہ ان کی وجوہات پر پوری طرح قابو پا لیا جائے ۔ ؁

چھوٹے بچوں کے لئے اچھا گھر اور اچھے والدین کا ہونا لازمی ہے ۔ اگر والدین لایق اور معقول ہوں تو گھر رہنے کی اچھی جگہ ہوگا ، خواہ وہ غربت ہی سے کیوں نہ ہو ۔ اگر والدین غیر شریفانہ زندگی بسر کر رہے ہوں یا مر چکے ہوں تو بچے ایسے گھر سے گلیوں میں اینڈنے کا موقعہ ملتا ہے ، وہ بدسیرت ساتھیوں آوارہ گرد لوگوں میں پھنس جاتا ہے جس کا نتیجہ اس کو پریشانی اور ... ہوتی ہے ۔ اس کا ثبوت ہندوستان کی گلیوں سے مل سکتا ہے ، بہت جرم وہ نابالغ بچے کرتے ہیں جن کے والدین مر چکے ہیں یا جن کی گھریلو زندگی ہو چکی ہو اور ان کی پرورش و تربیت کرنے والا ان کا کوئی رشتہ دار نہ ہو ۔

ایسے بچوں کو حکومت تربیت دے اور تربیت دینے والے سکول کھولے اس کو پتہ چلے گا کہ کتنی تعداد میں بچے سڑکوں پر بیٹھ کر عادی مجرم بنتے ہیں اور اپنی زندگی معمولی چوری کرنے میں گذارتے ہیں ۔

مجرم والدین کی اولاد | ہندوستان میں وہ بدقسمت بچے بھی ہیں جو

مجرم والدین کی اولاد ہیں اور پیدائش کے بعد ہی سے انھوں نے جرم میں پرورش پانا شروع کر دیا ان کے لئے صرف یہی علاج ہے کہ پیدائش کے بعد ہی سے اُن کو والدین کے اثرات سے مکمل طور پر محفوظ رکھنا چاہیئے اور یہ صورت بلا قانون کے ظہور میں نہیں آسکتی اور اس قسم کا قانون رائے عامہ ہی سے پاس ہو سکتا ہے، ہندوستان کے بہت سے شہروں میں پولیس آوارہ گرد اور چور بچوں کو پکڑتی ہے جو چوری اور معمولی جرموں سے اپنا گذارہ کر رہے ہیں اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر کیا کریں۔

• بچوں کو قید کرنا جرم ہے ان کو جیل میں بھیجنا بھی ایک جرم ہے لیکن پھر بھی عام طور پر ان کو جیل میں بھیجا جاتا ہے اگر کھیل کود کی وجہ سے بچہ راستہ رُکتا ہو اور وہ زخمی گدھے کو ہکا رہا ہو تو اس کو عام طور پر سات دن کی قید محض کی سزا دی جاتی ہے، یا اگر آٹھ سال کا بچہ ایک دُکان سے خوراک چرا لیتا ہے اور ضمانت نہیں دے سکا اور اس کو دفعہ ۱۰۹ ضابطہ فوجداری کے ماتحت ایک سال محض قید کی سزا کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔

تفتیش کیجاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کا صرف ایک رشتہ دار تھا جس نے اس کو گلیوں میں مارے مارے پھرنے کا عادی بنایا تھا اور اسکو اچھی تربیت حاصل نہ ہو سکی تھی۔

بچوں کو موجودہ قانون جیل میں بھیجکر جہاں بے انصافی کرتا ہے وہاں وہ بچوں کو محض قید کی سزا دیکر ان کو بدمعاشی وغنڈہ گردی کی طرف مائل کرتا ہے محض قیدی کوئی کام نہیں کرتے ان کا دماغ جرائم کی طرف رجوع ہوتا ہے اور وہ ان کا اثر قبول کر کے دھاڑی قسم کے مجرم بن جاتے ہیں۔

جب تک ان آوارہ گرد بچوں کے لئے کوئی قانون پاس نہ کیا جائیگا اس
ب پولیس اور مجسٹریٹ اپنے فرائض پورے کرتے رہیں گے اور ان کو سزاویں
ں ملتی رہیں گی۔

انگلینڈ میں بچوں کے سدھار کا قانون ۱۹۰۸ء سے کامیابی کے ساتھ
ا ہے۔ جن کے لئے صرف ہندوستان میں اتنا ہی کافی نہیں کہ صرف وہ اسمبلی
س ہو جائے بلکہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایسی مشینری مہیا کی جائے جو اس
ں کے ضابطہ پر آسانی سے عمل کرا سکے۔ جس طرح انگلینڈ میں ریمانڈ۔ آزمائشی
رانیوالے آئین، بچوں کی عدالتیں اور مصدقہ سکول بنے ہوئے ہیں۔ اسی
ہندوستان میں قائم ہونے چاہئیں۔

مدراس میں بچوں کا ایکٹ ۱۹۲۰ء میں منظور ہوا اور ہندوستان میں مدراس
ب ایسا علاقہ ہے جس میں کامیابی کے ساتھ نابالغ مجرموں کا سدھار ہو رہا ہے
س قانون کو مدراس کے شہر پر صرف نافذ کیا گیا تھا۔ لیکن پھر تمام صوبہ مدراس
ر دیا گیا۔ یو پی اور سی پی کے صوبوں میں بھی ایسے قانون پاس کئے گئے ہیں
مجرم بچوں کی عادات و اطوار درست کرنے کے لئے جس مذکورہ مشینری
ورت ہے۔ اس کی حقیقت اور نوعیت ہے۔

نڈ ہومز | ریمانڈ ہومز (Remand Homes) وہ مقامات ہیں جہاں
بچوں کا چالان کر کے ان کے مقدمہ کے فیصلہ تک

ہندوستان میں ایسی کوئی جیل نہیں ہے جہاں حوالاتی بچوں کے لئے کوئی علیحدہ احاطہ ہو، البتہ بچوں کو عام طور پر علیحدہ کوٹھریوں میں رکھا جاتا ہے جو مناسب اور موزوں طریقہ نہیں ہے اور بچے ایسے طریقوں کی وجہ سے جیل کے بُرے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے، لیکن ریمانڈ ہومز اس سے بالکل مختلف ہیں، یہاں قیدیوں کو بھاگنے سے روکنے کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ اس کی دیواریں جیل نما بڑی بڑی نہیں ہیں، بچے اس افسر کی نگرانی میں ہوتے ہیں، جو بچوں کو تربیت دینے میں ماہر ہو اور بچوں کو اپنے اعتماد میں لے سکتا ہو اور ان کو صفائی، ایمانداری، صداقت اور دستکاری کے اصولوں کو منوا سکتا ہو اس کو ان کے بری ہونے اور سزا پانے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ریمانڈ ہومز میں داخلہ کے وقت اس بچہ میں جو بُری عادات ہیں اُس میں جاتے وقت کمی ہو جائے اور کچھ نہ کچھ یہاں سے سُدھر کر نکلے۔

بچوں کی عدالتیں

کم عمر قیدی کو عدالت میں پیشی کے وقت حسبِ معمول مجسٹریٹ کے سامنے پولیس کے دبدبہ اور رعب کے ساتھ پیش نہیں کرنا چاہیے جس سے قیدی خوفزدہ ہو بلکہ اس کو بچوں کی عدالت میں لے جانا چاہیئے جو بالکل مجسٹریٹ کے ذاتی کمرے کے مشابہ ہو۔ مجسٹریٹ مرد نہ ہو بلکہ عورت ہو تو زیادہ مناسب ہے کیونکہ عورت بچے کو زیادہ کھینچ سکے گی، اور زیادہ امکان ہو سکتا ہے کہ عورت اصلیت جرم کا پتہ جلد لگالے۔

کم عمر قیدی کو بجائے باوردی پولیس کے سپرد کرنے کے یہ بہتر ہے کہ اس
د "نیک چلنی پر رہا ہونے والے قیدی کے افسر"؛
ی نگرانی میں رکھا جائے۔ جس کا تعلق عدالت سے ہو۔ اس کا کام یہ ہو گا کہ
مقدمہ شروع ہونے سے پہلے بچہ کی عادات اور گھریلو حالات کا پتہ لگائے۔
ر مناسب و معقول مقام مل سکے تو اس کے والدین یا کسی اور ذمہ دار شخص کی
عیت میں اس کو دیدیا جائے اور اس وقت مجسٹریٹ مجرم کو محض آزمائشی رہائی
چھوڑ دے اور آئندہ کی زندگی کی دیکھ بھال کرے۔

اگر جرم کی نوعیت سخت ہو اور مجرم کا چال چلن اور طرز زندگی حد سے
یادہ خراب رہی ہو تو اس کو بجائے جیل کے کسی مصدقہ سکول میں بھیجد یا جائے

مصدقہ سکول

یہ مصدقہ درسگاہیں دو قسم کی ایک بڑے لڑکوں اور دوسرے
چھوٹے لڑکوں کے لئے ہونی چاہئیں۔ یہاں ان کو کئی
سال رکھا جائے۔ اور ان کو تعلیم و دستکاری سختی کے ساتھ سکھائی جائے
ور ان کی سیرت و صحت کی حفاظت کی جائے۔

دراس پریذیڈنسی کے اندر انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات کی رہنمائی میں
ھوٹے اور بڑے مصدقہ سکول عمدہ کام کر رہے ہیں۔ جن کے نتائج بڑی تعداد
ں کامیاب ثابت ہو رہے ہیں۔ سیرت کی اصلاح کے دوسرے طریقوں میں
ت اسکاؤٹ اعلیٰ درجہ کا مالک ہے۔ جو ان سکولوں میں سکھایا جاتا ہے۔

پہلے ہی روز سے ان لڑکوں میں "اجتماعی زندگی" کی ذہنیت پیدا کرنے
کوشش کی جاتی ہے کیونکہ یہ چیز عام طور پر ان میں بالکل نہیں ہوتی۔ وہ

خود غرضی اور خود پرستی کے بندے ہوتے ہیں اور یہی ان کے اعمال کی کسوٹی ہوتی ہے۔ ہمارے خیال میں اخلاق کا پہلا اور ضروری سبق اجتماعی زندگی کی ذہنیت پیدا کرنا ہی ہے۔ چاہے دماغی نکتہ نگاہ سے ہمیں یہ پسند نہ آئے۔ لیکن اصلاح اخلاقیات میں یہ بے بہا قیمت کی مالک ہے۔

ساری سوسائٹی کی بہبودگی کے لئے کام کرنے کے فرض کی یہ مضبوط ذہنیت ہے جس میں اپنے اغراض یا چند مخصوص اغراض کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ یہی اخلاق کی بنیاد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس کو مناسب طریقہ پر پھیلایا جائے تو کم عمر قیدیوں پر بھی اس کا اچھا اثر پڑ سکتا ہے۔

ان کم عمر قیدیوں کے لئے اور بھی کئی مقید رکھنے کے مقامات ہیں جن کا مقصد بھی اصلاح ہے۔ انہیں دست کاری سکول اور ریفرمیٹری سکول کہا جاتا ہے۔

ریفارمیٹری سکول

ریفرمیٹری سکول دہلی اور جبل پور میں ہے۔ جو خاص قانون ریفرمیٹری کے ماتحت چلایا جاتا ہے۔ اور ان کا استعمال خاص قسم کے مجرموں پر ہوتا ہے چنانچہ جس آٹھ سال کے عمر کے لڑکے کو ایک سال کی سزا ہوئی تھی اس کو ریفرمیٹری سکول میں نہیں بھیجا گیا۔ اسی صوبہ میں دو لڑکے دس اور بارہ سال کی عمر کے قتل کے جرم میں عمر قید کی سزا پا کر آئے۔ وہ بھی ریفرمیٹری سکول میں داخل نہیں کئے گئے۔ کیونکہ زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند سزا دی گئی تھی۔

اگر یہ سکول مصدقہ سکولوں کے اصولوں پر چلائے جاتے تو پھر بھی سارے

ہندوستان کے لئے ایک بچوں کے قانون کی ضرورت پڑے گی جس میں تمام کم عمر قیدی شامل کئے جائیں۔ ریفارمیٹری سکول میں داخل ہونے کے لئے آئینی طور پر پندرہ سال کی عمر کی قید ہے اور بوسٹل میں داخل ہونے کے لئے ۱۶ سے ۱۷ سال تک کی عمر کی پابندی ہے ۔ بچوں کے قانون کی عدم موجودگی میں ایک سال کی گڑ بڑ سے بچہ نہ ریفارمیٹری سکول کا رہتا ہے اور نہ بوسٹل کا اس سے کئی مرتبہ مشکلات پیش آتی ہیں ۔ مجلس قانون ساز اگر کم عمر بچوں کی عمر ۱۵ سال کے بجائے ۱۶ تک قرار دے دے تو ریفارمیٹری اپنے کم عمر بچوں کو براہ راست بالغوں کے مخصوص درسگاہوں میں بھیج سکتی ہے ۔ بچوں کا قانون اس مشکل کو حل کرتا ہے ۔ ایسے قانون میں ۱۴ سال سے کم عمر والے کو بچہ سمجھا جائیگا اور ۱۴ سے ۱۶ سال تک کی عمر والے کو نوجوان خیال کیا جائے گا ۔

مصدقہ اسکول اس قانون کے ماتحت نوجوان اور بچوں دونوں کو بھیج دینے کے لئے بنائے گئے ہیں ۔ بارہ سال سے کم عمر کے چھوٹے بچے چھوٹے مصدقہ سکول میں بھیجے جاتے ہیں اور بارہ سال سے زیادہ لیکن سولہ سے کم عمر والوں کو بڑے مصدقہ اسکول میں داخل کیا جاتا ہے ۔ چنانچہ جن دو بچوں کو عمر قید کی سزا ہوئی تھی ان میں سے ایک کو چھوٹے سکول میں اور دوسرے کو بڑے مصدقہ سکول میں شامل کیا گیا ۔ چھوٹے مصدقہ اسکول میں سولہ سال سے زیادہ عمر کا بچہ مقید رکھا نہیں جاتا اور نہ بڑے سکول میں ۱۸ سال کا نوجوان رکھا جا سکتا ہے ۔

قانون عدالت کو یہ حق دیتا ہے کہ اگر کم عمر مجرم یا نوجوان مجرم بے یار و مددگار اور آوارہ گردی کرتا ہوا ملے یا جس کے سرپرست درست نہ ہوں ، یا کسی نامی چور

صحبت میں وہ رہتا ہو۔ اندا اس کی عمر ۱۶ سال سے زیادہ نہ ہو تو اس کو کسی مناسب حوالات میں رکھا جاسکتا ہے، اگر وہ بچہ ہو تو اس کو مصدقہ اسکول میں بھی داخل کیا جاسکتا ہے۔

ماہرانِ تعزیرات نے نہ صرف قوی و توانا مجرموں کو چھوٹی ہی عمر میں پکڑنے کی اہمیت کو پہچانا، بلکہ انہوں نے کم سن مجرموں کے ساتھ بالغ مجرموں سے مختلف سلوک کی ضرورت سمجھی۔

۱۹۰۲ء میں سر ایولیلین رگلز برائز ( ) کی رہنمائی میں امریکہ کے تجربہ شدہ نظریہ کو مدِ نظر رکھ کر انگلستان نے کینٹ ( ) کے اندر بوسٹل جیل میں ریفارمیٹری طریقے سے اصلاح کی جس کے نتائج اس قدر تسلی بخش ثابت ہوئے کو ۱۹۰۸ء میں پارلیمنٹ نے ایک بہت ضروری قانون پاس کیا جسے جرائم کے انسداد کا قانون کہتے ہیں جس کی بنا پر کم سن مجرموں کے ساتھ خاص سلوک کیا جاتا ہے اور بوسٹل درسگاہوں کا قیام قبول ہوا۔

ان درسگاہوں میں تمام کمسن مجرموں کو تعلیم دینے کا رواج مخصوص نہ تھا، بوسٹل میں قید رکھنے کے لئے مجرم پر یہ شرائط عائد کی جاتی تھیں کہ وہ سولہ سال سے کم نہ ہو اور ۲۱ سال سے زیادہ نہ ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ عادات مجرمانہ ہوں یا بدخلق اشخاص کی صحبت میں رہا ہو۔

۱۹۰۸ء کے قانون کی روسے بوسٹل درسگاہیں وہ مقامات سمجھے جاتے تھے جس میں کہ کم سن مجرموں کو ایسی صنعت اور دیگر قسم کی تعلیم دی جائے اور ان کو ایسے ڈسپلن اور اخلاقی اثرات کے ماتحت رکھا جائے کہ جن سے ان کی اصلاح ہو جائے۔

اور جرم کرنا بند کر دیں۔

اس طریقے کے ایسے اچھے نتائج نکلے کہ سنہ ۱۹۱۰ء کی بین الاقوامی کانگریس نے ایک سلسلہ قرارداد پاس کیا جس میں ان کی متفقہ رائے یہ تھی کہ کوئی بھی قیدی ناقابل اصلاح تصور نہ کیا جائے اور سزائیں نہ صرف انتقامی غرض سے دی جائیں بلکہ اخلاقی بھی ہوں۔ اور ایسی اصلاح کا زیادہ امکان مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے ذریعہ ہو سکتا ہے جس سے دماغی قوت بڑھائی جا سکے اور جسمانی صحت میں ترقی ہو۔ اور قیدی اچھی صنعتی تعلیم بھی حاصل کر سکے یہ اصلاحی دستور معمولی سزاؤں سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی موزوں بورڈ کے مشورہ پر کچھ عرصہ کے لیے چھوڑنے کا (پرول پر) قاعدہ بھی بنا لیا جائے۔ ایسے مخصوص سلوک کا رواج بالغ مجرموں کے لیے ہونا چاہیے۔ چاہے وہ عادی مجرم ہو یا نہیں۔

اس تجویز پر عمل درآمد کرتے ہوئے حکومت پنجاب نے سب بالغ قیدیوں کو فوراً ایک جیل میں جمع کرنا شروع کر دیا۔ اور ہزار کوٹھریوں کی ایک جیل بنانا منظور کر لیا جس میں عادی اور اتفاقی دونوں قسم کے قیدی رکھے گئے۔ اس کے اندر بڑے بڑے کارخانے اور سکول بنائے گئے اور مذہبی و اخلاقی مضامین کی تعلیم دینے والے سند یافتہ معلم مقرر کیے گئے تاکہ جسمانی، دماغی، اخلاقی اور اصلاحی اثرات قیدیوں پر ڈالے جا سکیں۔

بدقسمتی سے یہ سرحد اور پنجاب کے کم سن مجرموں کے لئے خاص رہائش کا انتظام دہ انتظام ناکافی ثابت ہوا۔ اور سنہ ۱۹۲۳ء میں یہ ضروری سمجھا گیا کہ عادی مجرموں کو

اور جیل میں بھیجدیا جائے اور لاہور کی بورسٹل درس گاہ پہلی بار کے مجرموں کے لئے مخصوص کردی جائے۔ اس لئے فی الحال یہ درس گاہ بورسٹل اصولوں پر چلتی ہے لیکن یہ ان بالغ مجرموں کے لئے جن کے واسطے بورسٹل کا رواج چلایا گیا تھا مددگار ثابت نہیں ہوئی۔ یہ انگلستان کی اسٹار جیلوں سے ملتی جلتی ہیں۔ جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں ہی بنائی گئی ہیں۔

بورسٹل مدراس کی مقامی حکومت ہی ایک ایسی حکومت ہے جس نے ابتک ایک انگریزی نمونہ پر بورسٹل درس گاہ قائم کی ہے۔ تنجور کی درس گاہ لاہور سے قریب قریب نصف ہے۔ لیکن اس میں بھی فائدہ ہے۔ کیونکہ اس میں انفرادی طور پر زیادہ توجہ دی جاسکتی ہے۔ اس کی اصلاحی اور صنعتی تعلیم مکمل و معقول ہے اور قیدیوں کی جسمانی صحت بڑھانے میں بہت قابل تعریف طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔ لڑکوں کی جسمانی تعلیم جمناسٹک، ڈرل، کھیلوں اور قواعد سے دیجاتی ہے۔ اور فن سکاؤٹ کی شروع کی تعلیم طبی امداد (فرسٹ ایڈ) اور باہر کی ٹیموں سے میچ کا کھیلا جانا ان کے چال چلن کی تعمیر میں مدد کرتا ہے۔

یہ تمام خوبیاں لاہور کی قسم کی دوسری درس گاہوں میں چاہے کیوں نہ ہوں لیکن ایک خوبی میں تنجور کی درس گاہ ہندوستان کی باقی تمام درس گاہوں سے آگے ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہاں ایک قابل بورسٹل سوسائٹی کا وجود ہے جو کہ ان نوجوانوں کی رہائی کے بعد ان کی دیکھ بھال کرتی۔ اس کی اہمیت ناقابل اندازہ ہے۔

بورسٹل تعلیم کی چار ضروری باتیں بورسٹل کے تعلیمی کورس کے چار بڑے بڑے اصول ہیں۔

(۱) جسمانی (۲) دماغی (۳) اخلاقی (۴) صنعتی۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر روشنی [ڈا]لی جائے۔

[ج]سمانی | گوڈرڈ ر ( ) نے واضح کیا ہے[۱] کہ ذہنی اور جسمانی مریض جرائم کرنے کے عادی ہوتے ہیں اور اصلاح متحدہ امریکہ میں بیس [لا]کھ اشخاص ایسے ہیں جنہوں نے اس ملک کو ایک خطرناک قیام گاہ بنا دیا۔ کیونکہ [ا]ن کے ذہن کمزور ہوتے ہیں یا ان کو ذہنی بیماری ہوتی ہے۔ مسٹر گوڈرڈ مزید [فرما]تے ہیں۔

مجرم بچوں کی دیکھ بھال درسگاہ کے سپرد ہونی چاہیے نہ کہ جیل میں، ان درسگاہوں کی تعمیرات پر ممکن ہے کہ خرچ زیادہ ہو، لیکن اتنا خرچ کسی صورت میں نہیں ہو گا جتنا خرچ کہ موجودہ حالت میں ہوتا ہے جب نیویارک شہر کو صرف چالیس ہزار کمزور ذہن والے مجرموں کے لئے درسگاہ کی ضرورت پڑی تو اس وقت سنتائی ( ) شہر کے کمزور دل والے مجرموں کے مقدمات اور ان کی سزاؤں پر ۶۶ لاکھ روپیہ سالانہ خرچ کرنا پڑا۔

ہندوستان کے اندر بھی یہی حالت ہے۔ یہاں ذہنی وجسمانی بیمار

---

[۱] ایچ ایچ، گوڈرڈ

تندرست انسانوں کے مقابلے میں جُرم و گناہ زیادہ کرتے ہیں۔ ایک انگریزی مثل ہے بیماری میں ہر آدمی "بدذات" ہوتا ہے جبکہ بالغ پر بیماری کا اتنا اثر ہو سکتا ہے تو بچے سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی بھی جسمانی نقص بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی فرد سے جُرم کرا سکتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ایسے نقص کو جیل کی سزا دینے سے پیشتر دور کیا جائے۔

مسٹر گوڈرڈ نے اس پالیسی پر لگاتار عمل کیا ہے اور بہت سے قیدیوں کو جن میں نقائص پائے جاتے تھے علاج کر کے تندرستی کے مدارج پر پہنچایا ہے۔

معلمین نے مجرموں کو سدھارنے کے لیے جسمانی تعلیم کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے چنانچہ ڈرل یعنی فوجی تربیت اور ڈسپلن کا بوسٹل کے مجرموں پر بہت عجیب و غریب اثر پڑا ہے اور عامیانہ رفتار چال والے اور بھدی وضع کے نوجوان بڑی تیزی سے شاندار شکل والے اور درست نادیدہ نگاہ والے بن گئے اور یہ دونوں ہی ذاتی خوبیاں بڑی قیمتی خوبیاں ہیں اور انہیں ان کے معلموں نے مجرموں کے اخلاق سدھارنے کے لئے بہترین خوبیاں تصور کیا ہے گھر ہو یا سکول یا معمولی زندگی ڈسپلن کے لئے اخلاقی طریقے ایسا تعلیمی اثر کرتے ہیں جس سے قوم فیضیاب ہوتی ہے لیکن جیل میں تو وہ مجرم کو سدھارنے اُس کو سزا دینے یا اس کے روکنے وغیرہ کے لئے کامیاب علاج کی بنیاد ہیں لہٰذا جسمانی تعلیم خواہ وہ سویڈش قسم کی اعلیٰ ڈرل ہو یا کمپنی کی ڈرل ہو، جمناسٹک ہو یا اور کوئی مردانہ ہاکی فٹ بال قسم کا کھیل ہو وہ مجرموں

کے لئے درس گاہوں میں تعلیم کا ایک ضروری جزو ہے۔

دماغی تعلیم دماغی تعلیم سے مراد پہلی بنیادی تعلیم کی تربیت دینا ہے ہندوستان میں ان پڑھوں کی اب بھی تعداد زیادہ ہے اور ہر جگہ سکولوں کی ضرورت ہے۔ پرائمری تعلیم جہاں عام طور پر لوگوں کے لئے اچھی چیز ہے وہاں مقید مجرموں کے لئے بھی انتہائی کارآمد و مفید ہے ۱۹۲۶ء کے کمیٹی کے خیالات ختم ہو چکے ہیں اور اب تمام جیلوں میں بلیادی تعلیمی سکول بنانے کی کوشش ہو رہی ہے تاکہ کم عمر اور لمبی سزا والے قیدی اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ اور اخبار پڑھ سکیں یا اپنے دوست احباب اور عزیز و اقارب سے بہ آسانی خط و کتابت کر سکیں اور ساہوکار کی زد سے محفوظ رہنے کے لئے حساب و کتاب سے بھی واقف ہو جائیں۔

تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے کتب خانوں کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنی معلومات میں اضافہ کر سکیں تعلیمی مضامین اور علم صحت اور دیہات سدھار کے لئے میجک لالٹینوں کے ذریعہ گاہے بگاہے لیکچر ہونے چاہئیں تاکہ ان کے ذہن اس کو جلد قبول کریں۔

اخلاقی تعلیم مجرم کی اصلاح کے لئے سب سے اچھا طریقہ روحانی اور اخلاقی اثرات کا ہے ان ہی دو چیزوں کے ذریعہ مجرمانہ عادات والے اشخاص میں وہ اخلاقی ذہنیت پیدا کی جا سکتی ہے جس کی اس میں کمی ہے۔ ان کا ضمیر جب تک بیدار نہیں کیا جائے گا۔ اس وقت تک ان کی اصلاح ہونا ناممکن ہے کسی حد تک اخلاقی ذہنیت پیدا ہونا ضروری ہے۔ جو سب سے

اعلیٰ اور عمدہ علاج ہے۔ جس کا اثر پختہ اور بنیادی طور پر پڑتا ہے اور یہی مجرموں کی اصلاح کرنے والی تعلیم کا نصب العین ہے۔

صنعتی تعلیم صنعتی تعلیم کا مقصد قیدیوں کو رہائی کے بعد ذریعہ معاش مہیا کرنا ہے۔ جیل میں جب قیدی داخل ہوتا ہے تو اس کو وہی کام مشقت میں دیا جاتا ہے جس کو وہ جانتا ہے چونکہ عام طور پر ہندوستانی جیلوں کے قیدی بچھتر فی صدی غیر تربیت یافتہ زراعت پیشہ لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو شروع ہی سے تعلیم دی جاتی ہے۔ اس طرح زراعت صنعت کا ایک جزو بن گیا ہے۔ اسی وجہ سے قیدیوں کو موجودہ طریقے اور نئے اوزاروں کا استعمال کرایا جاتا ہے۔ ایسی تربیت میں مویشیوں کی دیکھ بھال بھی شامل ہے۔

کسی قیدی کو بڑھئی یا جلاہے کا کام سکھلانے اور اس کے چال چلن کو سدھارنے میں کافی وقت لگتا ہے اور بیحد محنت کرنی پڑتی ہے۔ کم سزا والے ان کاموں میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے البتہ لمبی قید والے ان کاموں کو حاصل کر سکتے ہیں جن کی سزا کم از کم تین سال ہو۔

اچھا اسٹاف بوسٹل جیل کے چار مذکورہ ضروری حصول کے علاوہ جیل کے لئے اچھی عمارتوں اور اچھے اسٹاف کی بھی ضرورت ہے۔ اگر یہ دونوں چیزیں مالی دقتوں کی وجہ سے پوری نہ ہو سکیں تو جتنا سرمایہ ہو وہ بجائے عالیشان عمارات پر لگانے کے اسٹاف پر لگایا جائے تو بہتر ہوگا۔

انگلستان میں پورٹ لینڈ کی بوسٹل ورس گاہ اس کی زندہ مثال ہے۔ آغاز میں تو ڈھیٹ مجرموں کے لئے بڑی تاریک سی کوٹھری والی جیل تھی۔ لیکن اب

میاب نتائج کا تعلق ہے کوئی ہوسٹل اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی
کے قیدی عادی مجرم ہوتے ہیں اور خطرناک مقدمات سے وابستہ
ر وہاں رہنے کے بعد چوں نہیں کرتے ۔
کا اسٹاف قابل اور لایق اور محنتی اشخاص پر مشتمل ہے ، ہر فن کے
ں شامل ہیں ، اس جیل میں سکول بھی ہیں ، مسٹر پارکر انسپکٹر جنرل
ت پنجاب فرماتے ہیں ۔
ں اس ہوسٹل میں صبح ۶ بجے اسٹاف کو جسمانی قواعد کراتے
ے دیکھنے کے لئے داخل ہوا اور ۹ بجے رات کو لوٹا جبکہ
سٹاف اسی خوش خرمی میں کام میں مصروف تھا اور
ت پڑنے پر آدھی رات تک بیٹھنے کے لئے تیار رہتا تاکہ اپنے
نظر پر بحث کر سکے ۔ (اپر زمنٹ صـ۹۰)
ستان کی ہوسٹلوں میں عمارتوں اور سامان کے مقابلہ میں اسٹاف کو ترجیح
ے اور قیدیوں کے اخلاق کو بلند کرنے میں قابل اور بلند کریکٹر لوگوں
لکچر کے مقابلہ میں زیادہ اثر پڑتا ہے ۔ ہندوستان میں بھی اس قسم کے
ضرورت ہے جو اعلیٰ کیرکٹر کے مالک ہوں اور سوشل خدمات انجام
ہوں جو قیدیوں کو قیدی نہیں بلکہ انسان سمجھ کر ان سے عملی ہمدردی
ے کے حالات و ماحول کو سمجھتے ہوئے اُن کو اونچا اُٹھانے کی

کی ان تجاویز کا کرنا یہاں ضروری ہے جو انہوں نے برہما میں عملی شکل میں چلائیں تاکہ اُن کے فوائد و اثرات کا اندازہ لگایا جا سکے

ان کی سکیم جس کا نام "قانون انسداد جرائم" رکھا گیا چار چیزوں پر مبنی تھی، اوّل ریفارمیٹری دوئم آزمائشی رہائش سوم بچوں کا قانون چہارم بوسٹل قانون۔

ان قانون کی بڑی بڑی شرطیں یہ تھیں [1]

(۱) چودہ سال سے کم عمر انسان کسی جیل یا حوالات میں نہ رکھا جائے۔ مقدمہ کے دوران میں ریمانڈ گھر میں رکھا جائے جو نظر بندی کے مقامات ہیں۔

(۲) چودہ سال سے کم عمر مجرموں کے مقدموں کی مقررہ عدالت میں نہیں بچوں کی عدالت میں شنوائی ہو جہاں مجسٹریٹ عورت ہو۔

(۳) تمام مجرموں کے لئے آزمائشی رہائی کا دن رائج کر دینا چاہیئے۔

(۴) جسمانی سزا جیل میں نہیں احاطہ عدالت میں دی جائے۔

(۵) ۱۶ سال سے کم عمر کے قیدی جیل میں نہ رکھے جائیں۔

اور امور ذیل کا انتظام حکومت خود کرے۔

(۱) مصدقہ سکول جہاں کم عمر قیدی جن کی عمر ۱۴ سال سے کم ہو اور جن سے جرم ہونے کا خوف ہو رکھے جائیں۔

---

[1] رپورٹ ۱۹۲۶ء جرائم اور مجرموں کے ساتھ سلوک مصنفہ ایکسن بٹرلین

ودہ سال سے کم عمر قیدیوں کے لئے ریفارمیٹری سکول بنائے جائیں۔
ودہ سال سے ۱۹ سال تک کی عمر کے مجرم ہوں۔ ان کے لئے تعلیمی سکول
ھولے جائیں اور جو سکولوں سے لڑکے نکلیں ان کی رہائی کے بعد نگرانی
ی جائے۔

حاظہ مدراس میں جہاں تمام مذکورہ قانون نافذ ہیں اور عمل پا رہے ہیں
ی قسم کی تبدیلی ہونا بے معنی ہے لیکن بقایا صوبے انسداد جرائم کے قانون
ینے کی کوشش کریں۔ علیحدہ علیحدہ ایک قانون کے نفاد کے جھنجھٹ
بنسے۔

ی رہائی | آزمائشی رہائی کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص پر کسی جرم کا الزام
ہو اور وہ ثابت ہو جائے تو اس کو جیل بھیجنے کے بجائے
ی رہائی پر چھوڑ دیا جائے۔ بشرطیکہ ملزم اپنا چال چلن عمدہ دکھائے
ی کے بدمعاشی نہ کرے۔

س طریقہ کو قانونی درجہ دینے کے لئے سنہ ۱۹ء میں انگلستان کے اندر
رہائی کا قانون پاس ہو گیا۔ جس کی بنیاد پر ہندوستان میں بھی یہ قانون
یا گیا۔

قانون پہلی مرتبہ کے سزا یافتہ قیدی کے لئے انتہائی مفید ہے اور قیدی
بجائے جیل کے "آزمائشی رہائی" ایک دوسرا اہم علاج ہے۔
نگلستان میں "آزمائشی رہائی" دو طریقہ سے کی جاتی ہے۔
لی جج مجرموں کو "آزمائشی رہائی" کے قانون کے مطابق رہا کر دیتے ہیں۔

ن کو آزمائشی رہائی "کے آفیسر کے سپرد نہیں کرتے۔ رہائی کے بعد وہ آزاد ہوتے
ان پر کوئی نگرانی نہیں کی جاتی۔ چنانچہ اسی وجہ سے یہ طریقہ غیر تسلی بخش ثابت
نے لگا اور کافی بدنامی کا باعث ہوا۔ اور مجرموں نے بھی اپنی اصلاح نہیں
لکہ آوارہ گردوں، بدمعاشوں اور لچے لفنگوں کی صحبت میں بیٹھنا شروع
یا اور بُرے اثرات سے محفوظ رہ سکے۔

ایسی صورت میں وہ عدالتوں کے سامنے دوبارہ پیش ہوتے تو اسس
ن کی ناکامیابی ظاہر ہوتی۔

یہ حقیقت ہے کہ "آزمائشی رہائی" کا طریقہ بغیر آزمائشی رہائی کے افسر کی
ائی کے چلانا غیر مفید ہے اور وہ کارآمد ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس طریقہ کار روح
اں آزمائشی رہائی کا آفیسر ہی ہے۔ جسے ملک کی طرف سے تنخواہ دی جاتی
اور جوابی متعلقہ عدالت کو براہ راست جواب دہ ہو۔

جیساکہ پاول ( ) صاحب کا خیال ہے کہ:۔

آزمائشی رہائی آفیسر اونچے اور بلند کیریکٹر کا ہونا چاہئے جو رحمدل
ہو اور مجرم اس پر بھروسہ کر سکیں اور جب مجرم برے خیالات اور
مشغلات میں پھنس جائے یا پھر اس کی عادات شنیعہ عود کر آئیں
تو وہ اس کو بچا سکے اور سہارا دے سکے۔

اس طریقہ پر بعض اس قسم کے اعتراضات بھی کئے گئے ہیں کہ ایسے مخلص
یماندار و معقول آفیسر ملنا مشکل ہے۔ اور خاص طور پر ہندوستان کے بڑے بڑے
اقوں اور دور دراز مقامات میں مجرم سکونت پذیر ہیں اس لئے بڑے سے بڑے

چالاک آفیسر کا ان کی نگرانی کرنا ناممکن ہے۔

ان اعتراضات میں اگرچہ کچھ جان ہے وہ بھی اس صورت میں جبکہ ملازمان کو کم تنخواہ دی جانے کی پالیسی برتی جائے، اگر اس کام میں فراخدلی سے کام لیا جائے اور معقول تنخواہ دی جائے تو ایماندار اور وقت دینے والے آدمیوں کی کمی نہیں۔

کسی آزمائشی رہائی کے آفیسر کے سپرد سو مجرموں سے زیادہ نہ کرنے چاہئیں عملی طور پر ایک لاکھ آبادی رکھنے والا ہر شہر آزمائشی رہائی اور بچوں کے قانون کے شرائط کے ماتحت ضروری لغذا مہیا کر سکتا ہے

ایک لاکھ یا زائد آبادی رکھنے والے ہندوستان میں تیس شہر ہیں اور پانچ ہزار سے کر ایک لاکھ کی آبادی والے ۲۲ سو کے قریب قصبات ہیں اور اس صنعتی زمانہ میں ہر سال لوگوں کا رجحان زیادہ سے زیادہ شہروں میں آباد ہونے کا ہوتا جا رہا ہے۔ اس بنا پر اس قانون کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے، البتہ دیہاتی علاقوں میں تمام وقت کے لئے ان افسروں کا مقرر کیا جانا ناممکن ہے۔ وہاں کے گاؤں یا برادریوں کے چودھری اور ایماندار اشخاص ہی اس کام کے لئے موزوں ہو سکتے ہیں جو تھوڑا وقت دے کر اپنے گاؤں کے مجرموں کی دیکھ بھال کر سکیں اور جرم نہ کرنے دیں۔

مسٹر ہیٹرسن کی رائے ہے:-

اگر یہ آزمائشی رہائی کا طریقہ پہلی مرتبہ کے سزا یافتہ قیدی پر استعمال کیا جائے تو چند سالوں میں ہزاروں قیدی جیل سے باہر آ کر سدھر سکتے ہیں۔

پرول پرول کا یہ مطلب ہے کہ زیر نگرانی قیدی کو سزا مکمل ہونے پر یا اس سے پہلے رہا کر دیا جائے اس میں پی۔ آر۔ ٹی کے طریقہ کے مطابق رہا شدہ عادی مجرم (جس پر پولیس کی جانب سے نگرانی ہوتی ہے) شامل نہیں ہے، پی آر ٹی طریقہ کا مقصد انسدادی ہے نہ کہ اصلاحی، یہ طریقہ پولیس احتیاطی طور پر اختیار کرتی ہے تاکہ آئندہ کے جرموں سے وہ محفوظ رہ سکے۔

پرول طریقے کے ماتحت کی نگرانی زیادہ رحمیانہ ہوتی ہے اور جہاں تک ہو سکتا ہے غیر سرکاری ہوتی ہے عام طور پر یہ لائسنس پر مشروط رہائی کی قسم ہے بشرطیکہ جیل میں اس کا کیریکٹر اچھا رہا ہو اور اس نے اودھم بازی یا غیر آئینی حرکتوں میں حصہ نہ لیا ہو۔

اس طرح کوئی بھی پرول پر رہا شدہ قیدی آزادی کے ساتھ اپنا روزگار چلا سکتا ہے اس پر کسی قسم کی پابندی نہ ہوگی ہاں اگر وہ جن شرائط کے ماتحت رہا ہوا ہے اُن کو پورا نہ کریگا مثلاً اپنی جائے رہائش کے علاوہ مختلف مقامات پر مارا مارا پھریگا اور چور ڈاکوؤں سے میل جول قائم رکھے گا تو اُس کو اُس کی بقایا میعاد گزارنے کے لئے جیل میں بھیجدیا جائیگا اور رہائی کی شکل ختم کر دی جائے گی۔

پرول کی رہائی کے لئے دو باتوں کی نگرانی ضروری ہے۔

(۱) ذریعہ معاش (۲) اس کے کام اور اس کے اخلاق کی نگہداشت

اگر مجرم عارضی طور پر کسی دیہاتی علاقے میں نظر بند کیا جاتا ہے تو اس کو کھیتی باڑی کا کام کرنا پڑتا ہے اور اس کا آفیسر زمیندار مقرر کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ کام کرے گا۔ غیر دیہاتی مجرم کو تجارتی کام میں لگایا جاتا ہے۔ اس کا آفیسر

سرکاری آدمی ہی مناسب ہو سکتا ہے۔ رہا شدہ قیدیوں کے لئے ملیں۔
خانہ، فیکٹریاں، ریلوے، کانیں، ملازمت کا سامان مہیا کر سکتی ہیں، اور
اداروں کی مدد کیلئے جیل کے افسران بھی منتظر رہتے ہیں۔

مثال کے طور پر مکتی فوج ( ) نے پنجاب، لاہور بوسٹل
کے ابتدائی زمانے میں کافی مفید کام کیا سالہا سال تک ماسٹر بوکھ ٹیکر بوسٹل
کے عارضی طور پر رہا شدہ بچوں کو مکتی فوج سے لے لیتے ہیں اور ان کو کسی نہ کسی صنعتی
میں تربیت دیکر ان کے گاؤں میں بھجوا دیتے ہیں جہاں وہ جیل کے پرندے سے
کے بجائے سوسائٹی کے باعزت ممبر بن کے رہتے تھے۔

اس فوج نے رنگون اور دوسرے مقامات پر بھی اچھا اور مفید کام انجام
ان مقامات پر کو بولی کا سپرنٹنڈنٹ آزمائشی رہائی کے آفیسر کا کام انجام دیتا
اسی طرح جنگ عظیم کے دوران میں رہا شدہ بچوں کی ایک بڑی تعداد نے دھاریوال
میں کام کیا، جہاں ان کو "فوز مین" کے ماتحت رکھا گیا۔

بوسٹل قسم کے اداروں میں نظر بند کرنے سے قبل کا خیال استقامت
پکڑتا۔ اس قسم کے قیدیوں کے لئے پنجاب اور مدراس کے صوبہ میں
نے ملازمتیں جائز کر رکھی ہیں۔ ممنوع قرار نہیں دیں، بہت سے
فتہ بچے ان اداروں کے چھاپے خانے میں تربیت پا کر گورنمنٹ
چھاپہ خانوں میں کام کرنے کے لئے عارضی اور مشروط طور پر رہا کر کے
دیے جاتے ہیں

بہت سے قیدی غیر سرکاری ملازمت حاصل کر لیتے ہیں جن کی ذمہ داری

ں کے مالکان پر ہوتی ہے کرنل پاول نے اس سلسلہ میں ایک تنبیہ کی ہے :-

غیر سرکاری مالکان کو ان بچوں سے سستی مزدوری دیگر سخت
کام کرانا نہیں چاہئے ورنہ وہ اس سے گھبرا کر جرم کا اعادہ کرکے
جیل جانے پر مجبور رہوں گے ۔

(انڈین پریزنس باب ۴ صفہ ۱۰)

قیدیوں کی عارضی رہائی کے طریقے سے جیل کی آبادی اور خرچ میں کمی پڑتی
ے اور یہ طریقہ مستقبل کے لئے انتہائی مفید ثابت ہوگا اور اس سے قیدیوں پر کوئی
نرا اثر نہیں پڑیگا ۔

۱۹۲۶ء میں پنجاب حکومت کی مقامی حکومت نے یہ قانون پاس کیا کہ نیک
ن قیدیوں کو چند شرائط کے ماتحت رہا کردیا جائے اس کا نام "نیک چلن قیدیوں
مشروط طور پر رہا کرنے کا ایکٹ قرار پایا"، اس قانون کا اصول یہ ہے اگر
مت ایک قیدی کے لئے جو خاص میعاد کے لئے مقید کیا گیا ہے، یہ کوئی محسوس کرے
وہ خاندانی ہے اور جیل کے دن بھی اس نے نیک چلنی کے ساتھ گزارے ہیں اور
ندہ بھی وہ جرم سے اجتناب کریگا اور نیک چلن محنتی رہے گا تو اس کو مقامی
ومت مشروط طور پر ایک گورنمنٹ آفیسر کے ماتحت یا کسی مذہبی ادارے یا کسی
ص کی ضمانت پر رہا کرنے کے لئے تیار ہوگی ۔

یہ قانون بچوں اور بالغ قیدیوں پر یکساں عائد ہوتا ہے
اس قانون کے ماتحت تھوڑی سزا کے قیدی اور ڈاکہ زنی کے مجرم رہا
ہیں کئے جاسکتے ۔

پنجاب گورنمنٹ نے اس قانون کے عملدرآمد کے لئے ایک نیا محکمہ قائم کیا ہے جو کہ اصلاح قانون کے مجرم بچوں کی بھی نگرانی کرتا ہے، اس کا سب سے بڑا افیسر آئی۔سی، ایس یا پی۔سی ایس ہوتا ہے، اس افسر کے فرائض بہت زیادہ اور مختلف قسم کے ہوتے ہیں، وہ جیل کے انسپکٹر جنرل کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے اور مندرجہ ذیل امور کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

(۱) بوسٹل اور اصلاحی آداروں اور مشروط رہائی کے کاموں کی نگرانی۔
(۲) بچوں اور بالغوں کی سرکاری کھیتی باڑی کا "نیک چلن قیدیوں کو مشروط طور پر رہا کرنے کے ایکٹ" کے ماتحت کل انتظام
(۳) بچوں اور بالغوں کی سزاؤں کے بارے میں کل اطلاعات فراہم کرنا اور مستحق مقدمات کی نگرانی کرانا۔
(۴) بیمار اور بوڑھے قیدیوں کی رہائی کی سفارش کرنا۔
(۵) مشروط رہائی کے لئے قیدیوں کا انتخاب کرنا اور گورنمنٹ سے اُن کی رہائی کے لئے سفارش کرنا۔
(۶) گورنمنٹ کو مجرم بچوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کے طریق بتانا۔
(۷) قیدیوں کی رہائی کے بعد نگرانی کرنے کا انتظام کرنا۔

یہ قانون اپریل ۱۹۲۷ء سے جاری ہے ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء تک ۹۹۰ قیدی لائسنس پر رہا کئے گئے ان میں سے چھ کے علاوہ باقی تمام پر اچھا پڑا۔

۱۹۲۷ء کے رہاشدہ قیدیوں کے پیشوں کا اندازہ حسب ذیل کیا جاتا ہے۔

گورنمنٹ ریفارمیٹری کھیتوں پر نزد منٹگمری	۸۷	آدمی
محکمہ زراعت	۶۲	″
فرم اور زمیندار	۱۲	″
جلد سازی	۱۳	″
مستری اور کھدائی کا کام کرنے والے	۱۳۸	″

قیدی رہا ہونے کے بعد خوش و خرم رہتے ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر انہوں نے ان آسان قوانین کو نہ مانا تو وہ جیل واپس بھیجدیئے جائیں گے وہ اس سے واقف ہوتے ہیں کہ اگر وہ دیانت داری سے کام کریں گے تو ان کی تنخواہ بڑھ جائیگی اور ان کو معافی بھی زیادہ ملے گی، اسلئے اُن میں ذمہ داری اور خودداری کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو آزاد زندگی بسر کرنے کے قابل بنلتے ہیں جس سے اُن کی زندگی سُدھر جاتی ہے اور اس طرح حکومت کے مستقل خرچ میں بھی کمی ہو جاتی ہے -

ہر وہ قدم جو جیلوں کی آبادی کی کمی کے لئے اُٹھایا جاتا ہے اُس سے حکام جیل کا کام کم ہو جاتا ہے اور کامل سکون کے ساتھ بقایا قیدیوں پر توجہ دی جانے لگتی ہے، موجودہ وقت میں جیلوں کی آبادی اُن میں رکاینٹ سے بہت زیادہ ہوتی ہے - اس صورت میں اصلاحی اقدامات کا کامیاب ہونا ناممکن ہو -

تمام ہندوستان میں پنجاب ہی ایک صوبہ ہے جس سے جی-سی' پی' پی، آر ایکٹ (یعنی نیک چلن قیدیوں کو مشروط طور پر رہا کرنے کے قانون) کے

سلسلہ میں قدم اُٹھایا، دوسرے صوبوں میں ایڈوائزری بورڈ کے مشورے کے مطابق رہا کیا جاتا ہے مگر اس میں دو بڑے نقصانات ہیں (۱) رہائی سے پہلے قیدیوں کا آزاد زندگی بسر کرنے کی تربیت ملتی ہے

(۲) جب وہ رہا کئے جاتے ہیں تو گورنمنٹ ان کے روّیہ اور کاموں پر کوئی نگہداشت نہیں ہوتی۔

جی۔سی،پی،آر، ایکٹ نہایت ضروری خلا کو پُر کرتا ہے اور یہ نہایت دانشمندانہ اقدام ہے جو دوسرے صوبوں میں بھی نافذ کیا جائے۔

پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ قانون وہاں کے لئے موافق و مناسب ہی ہے، یہاں زیادہ تر جنگجو طبقے بستے ہیں جو اکثر جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں، خون کا بدلہ لینا یا مویشی چرانا ان کا شیوہ ہوتا ہے، اس لئے وہ جرم تصور نہیں کرتے، ایسے مجرم خاص طور پر بورسٹل اور جی۔سی،پی، آر کے قانون کے اصولوں کے ذریعے بہتر بنائے جا سکتے ہیں۔

اتفاقی مجرم

ہندوستان میں پہلی مرتبہ کے سزا یافتہ قیدی کو "اتفاقی مجرم" اور انگلینڈ میں "پہلی بار کا مجرم" کہا جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں مقامات پر اس کا مطلب یہ نہیں لیا جاتا کہ اس مجرم نے پہلی ہی مرتبہ جرم کیا ہے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ پہلی بار گرفتار ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ گرفتار ہونے والا کئی جرائم کے ارتکاب کے بعد ہی گرفتار ہوا کرتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ پہلی مرتبہ جرم کرے اور گرفتار ہو جائے۔

قیدیوں میں سزاؤں کی وجہ سے جو درجہ بندی کی جاتی ہے۔ وہ انتہائی غیر ثابت ہوتی ہے۔ اور پہلی بار کے مجرم اس سے کافی سدھر جاتے ہیں۔

انگلستان میں اتفاقی مجرم کیساتھ سلوک

انگلستان کی بوسٹل درسگاہوں میں ۱۶ سے ۲۱ سال تک کے عادی کمسن مجرموں کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ بالغ مجرم جو کہ پہلی مرتبہ عدالت کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ وہ شاذونادر ہی جیل میں بھیجے جاتے ہیں انھیں عام طور پر ضمانت یا آزمائشی رہائی پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یا ان کو کوڑوں یا جرمانوں کی سزا دی جاتی ہے۔ انگلستان کی جیلوں کی آبادی میں تخفیف کی وجہ درحقیقت آزمائشی رہائی کا اصول اور جرمانوں کی ادائیگی کی مہلت دینے کی اجازت ہی ہے۔ جس سے بہت سے شریف انسان جیلوں کا منھ تک نہیں دیکھتے

س سے حصّہ کا سا حاصل کر لیتے ہیں ان کا اگر جرم سنگین ہوتا ہے تو ان کو لازمی
یل میں بھیجدیا جاتا ہے، جرم کی مناسبت سے جیل بنی ہوئی ہے، جو قیدی جس
ا ہوتا ہے اُس کو وہاں جانا پڑتا ہے چنانچہ دو تین جیلوں کے حالات ملاحظہ کیجئے
یں مجرمین کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے اس سے ان کا اندازہ لگ
ا۔

ونیڈزورتھ (جیل خانہ لندن کے کئی علاقوں
رموں کے رکھنے کا ایک مرکز ہے جہاں سات سو قیدیوں میں سے
یا دو سو سپیشل کلاس میں رکھے جاتے ہیں، یہ ۲۱ سے ۲۶ برس کے
جوان ہوتے ہیں جن کی سزا چند دنوں سے دو سال تک ہوتی ہے، انکو
عمر بالغ اور عادی مجرموں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے بالغوں کی جیل
ان کی کلاس سب سے مشکل اور دلچسپ شمار کی جاتی ہے۔ بقول گورنر جیل
گ سب سے زیادہ مشکلات پیش کرتے ہیں، لیکن ان کی بدعنوانی زیادہ تکلیف دہ
ہوتی ہے جیسے نوجوان سے ایسی ہی توقع کی جاتی ہے، کئی ایسے خوش مزاج نوجوان
ہیں جنہیں معقول طریقے سے ترتیب دی جائے تو وہ باہر نکل کر انتہائی نیک
۔ دنیک خصلت ثابت ہو سکتے ہیں۔

ان قیدیوں کو دوسرے قیدیوں سے نہ صرف علیحدہ رکھا جاتا ہے بلکہ خاص
ہ افسران ان پر مقرر کئے جاتے ہیں اور ہر ایک کار کارڈ ڈپٹی گورنر جیل رکھتا ہے
ایک گھنٹے کے لئے ان کو جسمانی تربیت دی جاتی ہے اور اس کے بعد
اص صنعتی کام کی مشق کرائی جاتی ہے۔ بڑھئی اور راج مزدوروں کا

کام وہاں زیادہ مفید سمجھا جاتا ہے، اور اس کے ساتھ برش بنانا، درزی کا کام اور قلعی گری بھی سکھائی جاتی ہے۔

ان میں سے کچھ قیدی اپنی تھوڑی سزا کی وجہ سے کوئی بھی تجارتی کام نہیں سیکھ سکتے اور نہ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، البتہ شائستہ قیدی کو شارٹ ہینڈ ڈرائنگ مینم گیری، اور گانے بجانے کے درس دینے کی کھلی اجازت ہے۔ یہ سارا تعلیمی کام رضاکارانہ طور پر کیا جاتا ہے اور لاریب اس سے قیدیوں کو بڑا فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ مذہبی اور روحانی تعلیم بھی پادری کے ماتحت دی جاتی ہے - ان کا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ قیدیوں پر موثر تعلیم کا اثر ڈالیں اور قیدیوں کی امدادی سوسائٹی کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے قیدیوں کی خانگی مشکلات کی چھان بین کر کے ان کو دور کرنے کی کوشش کریں - ہر وزیٹر کے سپرد ہفتہ وار بارہ قیدی سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ اگر ان کی مستورات سے متعلقہ کوئی کام ہوتا ہے تو وزیٹروں کی بیویاں ان کو انجام دیتی ہیں اور اُن کے گھروں میں جا کر دریافت کرتی ہیں۔

رہائی کے بعد ان قیدیوں کی دیکھ بھال، امدادِ قیدیان کی سوسائٹی کے سپرد ہوتی ہے جس کی جیل میں ہفتہ وار میٹنگ ہوتی ہے جو غیر سرکاری وزیٹروں کے پیش کردہ تجاویز پر غور کرتی ہے۔ اس کمیٹی کا خرچ ۱۹۳۰ء تک تیرہ سو پونڈ سالانہ تک پہنچ گیا ہے جو سوائے دو شلنگ فی کس سرکاری گرانڈ کے تمام رضاکارانہ چندوں سے پورا کیا جاتا ہے۔ اس کمیٹی کی طرف سے دو تنخواہ دار ایجنٹ ہوتے ہیں جو رہا شدہ قیدیوں کے لئے کام تلاش کرتے ہیں۔ اور

ں کی ترقی کی دیکھ بھال میں مصروف رہتے ہیں۔

یہ مختصر کیفیت اپنے اندر بہترین نکات رکھتی ہے۔ جس سے ہندوستانی جیلوں کے اتفاقی قیدیوں کا حل ہو سکتا ہے۔

(۱) اتفاقی مجرموں کو عادی مجرموں سے علیحدہ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ جس کو تمام ہندوستان میں تسلیم کیا گیا ہے اور کل صوبوں میں عجلت کے ساتھ قبول کیا گیا ہے۔

(۲) قیدیوں کو کئی مفید تجارتی کام سکھانے کی اہمیت۔

(۳) بنیادی تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت کی ضرورت ہے۔

ویکفیلڈ زورتھ جیل میں دن کے کام ہونے کے بعد شام کو تعلیم دی جاتی ہے لیکن ہندوستان میں یہ سلسلہ اس وقت تک جاری نہیں ہو سکتا۔ جبتک قیدیوں کو موجودہ روشنی سے بہتر روشنی اور اچھے قسم کا کمرہ مہیا نہ کیا جائے۔

(۴) ایسی جیل میں رضاکارانہ طور پر کام کرنے والوں کی ضرورت ہے جو کہ استاد بھی ہوں اور غیر سرکاری وزیٹروں کا کام بھی انجام دے سکتے ہوں۔ موجودہ اسٹاف سے یہ تعلیم کا انتظام تمام ہندوستانی قیدیوں کے لئے نہیں ہو سکتا۔ اور اس کا چلانا ناممکن ہے۔ گرچہ کچھ حد تک تعلیم یافتہ قیدی کے ذریعہ یہ کام کیا جا سکتا ہے یعنی قیدیوں کو پڑھایا جا سکتا ہے مگر تمام قیدی اس سے استفادہ حاصل نہیں کر سکتے۔

(۵) ہمیں آخر میں رہا شدہ قیدیوں کی امدادی سوسائٹی کی طرف توجہ دینی پڑیگی اور ساتھ ہی پبلک سے فیاضانہ امداد حاصل کی جائے گی جو قیدیوں کی

کی رہائی کے بعد ان کے کام آسکے۔

لندن کا دوسرا بڑا قید خانہ ورم وڈ سکرب (   )

ہے جس میں تیرہ سو قیدیوں کے لئے کوٹھریاں ہیں۔ قیدیوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے اس جیل کی آبادی تقریباً ۶۴۰ ہے اور اس میں دو قسم کے قیدی ہیں۔

(۱) پہلی مرتبہ کے بالغ مجرم جن کی سزا پانچ دن سے لے کر دو سال تک ہو۔

(۲) وہ مجرم جس کی بوسٹل کا سلوک ختم ہوا ہو اور جن کا لائسنس ضبط کر لیا گیا ہو ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ رکھا جاتا ہے۔

پہلی مرتبہ کے قیدیوں کے ساتھ عام قید خانوں میں نرم سلوک کیا جاتا ہے ان کی قید کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

کم از کم ان کی تربیت کا عرصہ چھ ماہ ہوتا ہے۔ ان مجرموں کو اس میعاد میں زیادہ سے زیادہ آزادی دی جاتی ہے۔ اور ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ باقی تفصیلات ویکفیلڈ کے جیل خانہ سے ملتی جلتی ہیں۔

ان مجرموں کے لئے جن کو عدالت سے سزا با مشقت ملی ہو اور کبھی جیل نہ گئے ہوں ایک خاص جیل (   ) میڈسٹون میں بنوایا گیا ہے اس قسم کے قیدی ہندوستان میں سٹار کلاس میں رکھے جاتے ہیں۔ یہ کلاس ہندوستان کے تمام صوبوں میں رائج نہیں ہے۔ اور اس وقت تک رائج نہیں ہو سکتی جب تک جیلوں کی آبادی مکانیت سے زیادہ ہے اس جیل میں جسمانی اور تجارتی تربیت کے علاوہ تعلیم پر بھی خاص توجہ دی جاتی ہے۔ اور گانا بجانا اور کھیتی باڑی کی تعلیم بھی عام ہے۔

میڈسٹوِن جیل خانہ میں ۳۵ وزیٹر پندرہ اُستاد اور دو اقتصادی کارکن
کارانہ طور پر کام کرتے ہیں تعلیم شام کو ساڑھے چھ بجے دی جاتی ہے، وزیٹر اپنے
چ پر میلوں چل کر اپنے کاروبار کو چھوڑ کر جیل کے معائنہ وغیرہ کے لئے
تے ہیں۔

کھیتی باڑی، مُنیم گیری، شورٹ ہیڈ معلومات عامہ اور فسٹ ایڈ کی تعلیم
ی جاتی ہے، فرنچ زبان اور ادبیات سکھائے جاتے ہیں ۱۹۲۶ء میں
بر آف کامرس کے امتحان میں ۴۷ امیدواروں میں ۳۲ اُمیدوار کامیاب ہوئے
نے خاص درجے حاصل کئے اور دو کو استادی کی سند ملی۔ فسٹ ایڈ میں ۶۰ میں سے
ہ پاس ہوئے اور شورٹ ہینڈ میں ۷ میں سے ۶ کامیاب ہوئے۔

اس جیل کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ہر سال کچھ منتخب شدہ قیدی
ن ہفتہ کے لئے تبدیل ہوا کی غرض سے وہائٹ کے جزیرے کیمپ ہل پر جو نظر
وں کے قید خانے ہیں ان میں بھیجے جاتے ہیں۔ یہ لوگ کشتی کے ذریعہ وہاں
پہنچتے ہیں اور کھلی ہوا میں وقت گزارتے ہیں اس تبدیلی کا جسمانی اور دماغی اثر
یت کامیاب ثابت ہوا ہے اور اس جیل کی ایک مستقل ضرورت بن گئی ہے۔

ویکفیلڈ جیل خانہ بالغ قیدیوں کی تربیت کے لئے بنایا گیا ہے جس میں
ل مرتبہ کے قیدی خاص طور پر بھیجے جا سکتے ہیں، اس قیدی کو جب بھیجا جاتا ہے
وہ کم از کم چھ ماہ یا زیادہ سے زیادہ ایک سال اپنی قید کی مدت کسی دوسری
ں میں گزارے، تھوڑی سزا کے قیدی اس جیل سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔
انگلستان میں ویکفیلڈ جیل سب سے بڑا جیل خانہ شمار کیا جاتا ہے، اسکی

تاریخی حیثیت بھی ہے۔

زمانہ سابقہ میں یہ پہلا جیل تھا جس میں صنعتی تعلیم دی جاتی ہے، یہاں بالغو کو اس طرح تربیت دی جاتی ہے جسطرح بوسٹل میں بچوں کو ٹریننگ ملتی ہے۔ یورکشائر (   ) جیسے صنعتی علاقہ میں یہ جیل خانہ ہے جس میں ایک ہزار سے زیادہ کوٹھریاں ہیں یہ علاقہ انتہائی بھدا ہے۔ اس جیل کی صورت بھی انتہائی بھیانک ہے اس میں سورج بہت کم دکھائی دیتا ہے ماحول گندہ اور خراب ہے اور بالکل گلاسگو (   ) زنانہ جیل کی مثل ہے۔

"مسٹر بارکر جنرل جیل خانہ جات پنجاب فرماتے ہیں:۔

"میں نے اپنے آخری سفر میں ویکفیلڈ جیل خانہ کو کافی تبدیلی کی حالت میں پایا"۔ (الیمپرزمنٹ صفہ ۱۱۸)

اس جیل میں ڈھائی سو قیدی تھے جو جیل کے کپڑے نہیں پہنتے تھے ان کے بال فیشن ایبل طریقے پر کاٹے جاتے تھے اور ان کو صفائی کے لئے تیل باقاعدہ طور پر ملتا تھا قیدی خوش وخرم نظر آتے ہیں اور وہ قیدی نہیں بلکہ کارندے معلوم دیتے ہیں۔ سب دن بھر کام میں مصروف رہتے ہیں، ویکفیلڈ میں سست و کاہل اور نکمے قیدیوں کے لئے جگہ نہیں، خاص طور پر افسران اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ قیدی بغیر کام کے اپنا وقت نہ گذارے جب انسان مصروف ومشغول رہتا ہے رہتا ہے تو اس کی توجہ برائی کی طرف رجوع نہیں ہوتی۔

جیسا کہ ۱۹۱۶ء بستہ ۱۹۲۶ء کی قید خانوں کی رپورٹ سے ظاہر ہے:۔

"جسمانی، صنعتی، دماغی، اخلاقی تربیت کے مکمل نظام پر عمل

درآمد ہے قیدی پندرہ گھنٹے پہلے روزانہ کام کرتا تھا۔ جس میں
آٹھ گھنٹے صنعتی کلوں میں صرف کئے جاتے تھے۔ قیدیوں میں
ذمہ داری کا احساس پیدا کیا گیا۔ اور تجربہ کے مطابق ان کے ساتھ
سلوک کیا گیا۔

صنعتی تربیت کے ساتھ قیدیوں کو جسمانی تربیت دی جاتی تھی۔ جو ہفتہ میں
ان صبح کو ملتی تھی اور شام کو دو گھنٹے تعلیم پر صرف ہوتے تھے۔ اور شب کو
بجے بند ہونے سے پہلے ایک گھنٹہ کھیلنے کے لئے دیا جاتا تھا۔

ویکفیلڈ مدراس کے کمبیٹر سنٹرل جیل ( ) سے
ملتا جلتا ہے۔ کیونکہ وہاں بھی دستکاری، درزی کا کام، بننے کا کارخانہ
صنعتیں کافی سکھائی جاتی ہیں۔ اور بوسٹل ادارہ کے مانند اس میں بھی
قیدیوں کی بہی خواہی کے لئے بنی ہوئی ہے۔ جو ان کے مفاد کی حفاظت
ہے۔

ویکفیلڈ کی سکیم بالغ مجرموں کے لئے بوسٹل کا کام دیتی ہے گو بالغوں کے
پختہ ہو جاتے ہیں مگر تجربہ نے ثابت کیا ہے کہ اس طریقے سے بھی کامیابی
کی جا سکتی ہے۔

انگلستان کی جیلوں میں قیدیوں کو سدھارنے میں مہارت حاصل کرنا زیادہ
ہے۔ اس لئے کہ ان قیدیوں کی تعداد ان کی مکانیت سے بہت کم ہے۔
ان اعلیٰ طبقے سے متعلق ہوتے ہیں۔ وزیٹر رضاکارانہ طور پر خدمات انجام
لے ہوتے ہیں۔ جس سے افسران کے کام کا بوجھ کم ہو جاتا ہے انگلستان

یک جیل خانہ پر سالانہ بارہ سو روپیہ خرچ ہوتا ہے برہما میں ایک سو بیس روپیہ
نہ، مدراس میں ۱۲۷ روپیہ سالانہ اور یوپی میں ۹۵ روپیہ سالانہ خرچ کیا جاتا ہے
اتفاقی مجرم پر خرچ شدہ رقم نتیجہ کے اعتبار سے مفید ثابت ہوتی ہے۔ لیکن
کو نصب العین قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بہت سے اتفاقی مجرم حادثاتی مجرم
تے ہیں۔ جن کو عادی مجرموں سے علیحدہ رکھنا چاہیے۔ تب ہی جرم کا سلسلہ
سکتا ہے۔

ہندوستان کے بہت سے صوبوں میں اتفاقی اور عادی مجرموں کے لئے
ہ علیحدہ جیلیں ہیں۔ لیکن دوران مقدمہ میں ان دونوں قسم کے قیدیوں کو علیحدہ
ں رکھا جاتا۔ عدالتی کارروائی مہینوں تک چلتی ہے۔ جس سے اتفاقی مجرم پر
ی مجرم کا اثر پڑنا لابدی ہے اس تواتر جرم کو روکنے کے لئے پولیس افسران کو مجرم
سزاؤں کے بارے میں اطلاعات بہم پہنچا کر جیل افسران کے گوش گزار کرانی چاہیے۔
جہاں تک صوبجاتی اخراجات اجازت دیں ان ہر دو قسم کے زیر سماعت
یوں کے لئے علیحدہ علیحدہ بارکیں یا وارڈ بننے چاہئیں۔

قیدیوں کو ترقی دیکر نمبردار د) بنائے جانے
صول کی عام طور پر انگریزی حکام مخالفت کرتے ہیں۔ مگر انگلینڈ میں یہ نظام خاص
پر پیٹرہیڈ جیل خانہ میں زیادہ زور پر رائج ہے۔ گرچہ اس کا وہاں نام دوسرا ہے۔
یہ نظام ہندوستان میں اس وقت تک مقبول رہے گا جب تک جیل میں رات
یک جگہ سونے کے لئے بڑی بڑی بارکیں استعمال کی جاتی رہیں گی۔ اس نظام
متعلق بہت سے ہندوستانی ماہرین کی یہ پختہ رائے ہے کہ اس کے فوائد

نقصانات سے بہت زیادہ ہیں۔"

اس کا سب سے بڑا نقص عادی مجرموں والی جیلوں میں اتفاقی قیدی نمبردار کو لگانا ہے جس کو بند ہونا چاہیئے۔ اندراس اور صوبجات متوسط میں اس اصول پر عمل کیا گیا ہے اور عادی مجرم پر اتفاقی قیدی کو نمبردار نہیں لگایا جاتا۔ اسی طریقے کی طرف دوسرے صوبوں کا رجحان پایا جاتا ہے۔ البتہ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ وکفیلڈ کے "پروگیسو ٹریننگ سنٹر" اتفاقی اور عادی دونوں مجرم داخل کرلئے گئے ہیں۔

عام طور پر جتنی زیادہ بلا لحاظ اتفاقی قیدیوں کو بورسٹل کے اصولوں پر تربیت دی جائے گی۔ اتنے ہی اچھے نتائج نکلیں گے مستقبل کے لئے ہندوستانی جیلوں میں ہمارا یہی مقصد ہونا چاہیئے۔

دو باریہ مجرم یا عادی مجرم

جس طرح کمسن مجرموں کے واسطے پرہیز علاج سے بہتر ہے اسی طرح مجرمانہ عادتِ ثانیہ کو درست کرنے سے بہتر افراد کو پیشہ کے طور پر جرم کرنے سے باز رکھنا ہے۔

جب کبھی کوئی ڈاکٹر بیمار کے معائنہ کے لئے آتا ہے تو وہ محض مریض کیلئے دوائی ہی تجویز نہیں کرتا بلکہ مرض کے علامات کی فوری وجہ تلاش کرتا ہے اور ساتھ ہی ان عام حالات کی بھی کھوج لگاتا ہے جس کی وجہ سے وہ علامات ظاہر ہوئیں۔ مثال کے طور پر اگر مریض کو بخار اور دردِ سر ہو تو وہ صرف بخار کی دوائی اور اسپرین ہی دے کر مطمئن نہیں ہو جاتا بلکہ اصلیت کی تفتیش کرتا ہے کہ یہ علامات ملیریا کے جراثیم کی وجہ سے ہیں جو کہ شہر کی دودھ ڈائری سے آگئے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈائری کے بازار کی مسموم فضا ہے اور وہاں مکھیوں کی بھرمار ہے جس کا باعث اس علاقہ کے باشندوں کی لاپرواہی اور میونسپل کمیٹی کے ملازمان کی کاہلی و کوتاہی ہے اور مریض کی موت کی وجہ بلا واسطہ سب قانون کی عدم موجودگی ہے۔

یہی حالت مجرم کی بھی ہے جیسا کہ "ریگر برائز" نے کہا ہے۔

جرم پر مستقبل حاکمانِ قوم اور ماہرانِ سائنس کے نقطۂ نگاہ

ہوتا ہے۔ منتظم جیل انتظامی معاملات میں بہت ہی معمولی اور تھوڑا حصہ لیتا ہے، لیکن "وجوہاتِ جُرم" کے مطالعہ اندوہ اپنے تجربات سے اس کو اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایسی ہدایت دے سکتا ہے جن سے بتدریج مسئلہ کا حل نکالا جاسکے۔ (انگلش پریزن سسٹم)

جرائم کے اسباب

وہ تمام اسباب وعلل جن کی وجہ سے جرائم کی پیداوار ہے دوبارہ مجرموں کی تعداد بڑھانے کی ذمہ دار ہے لیکن ہم یہاں صرف ان مخصوص وجوہات کا ذکر کریں گے جو پہلی بار کے مجرم کو دوبارہ جُرم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایسے اسباب مختلف ملکوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ انگلستان عادی مجرموں کا گروہ ہے جو کہ بتدریج کم ہو رہا ہے لیکن پھر بھی اس سے جیل کی آبادی قائم ہے۔

انگریزی جرائم

انگریزی جیلوں کی روزانہ اوسط آبادی ۱۹۲۷ء میں ۱۱ء۱۷۹ تھی، اور اسی سال ۳۰۸۰ و ۳۶ مرد اور ۶۳۶ و ۷ عورتیں جیل میں داخل ہوئیں۔ ۱۹۲۶ء میں سزا یافتہ قیدیوں میں سے ۶۶ فی صدی آدمی اور ۸۰ فی صدی عورتیں سابقہ سزا پائی ہوئی تھیں اور ان میں سے بھی چالیس فی صدی سے زیادہ مرد اور ۶۰ فی صدی سے زیادہ عورتیں چھ یا چھ سے زیادہ سابقہ سزا یافتہ تھیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ انگلستان کی جیلوں کی آبادی پس ماندہ لوگوں پر مشتمل ہے جن کی اصلاح ناممکن ہے۔ ان کا صرف یہی علاج ہے کہ ان کو محدود

عرصے کے لیے جیل میں رکھنا چاہیئے۔

مجرم جن جرائم کی وجہ سے جیل میں آتے ہیں اُن کی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ قابلِ الزام جرائم میں جو سب سے زیادہ جرم کیا جاتا ہے وہ چوری اور نقب زنی ہے اور ناقابلِ الزام جرائم میں بھیک مانگنا، آوارہ گردی کرنا اور اس سے تگنی شراب نوشی کرنا جرم ہے۔ اب بھی شراب نوشی کی وجہ سے انگلستان میں زیادہ سزائیں دی جاتی ہیں اور دوبارہ مجرموں کی تعداد بھی اسی بنا پر ہے۔ قانوناً شراب نوشی جرم کہلانے کی مستحق نہیں۔ جرم محض دماغ اور جسم کی کمزوری پر منحصر ہے شراب نوشی کی حالت میں انسان جرم کر بیٹھتا ہے جس کی وجہ سے اُس کو سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

ہندوستانی جرائم

ہندوستان میں حالت اس کے برعکس ہے یہاں شراب نوشی سے عادی مجرم بہت کم بنتے ہیں، البتہ چوری نقب زنی کی عادت ان کو عادی مجرم بنانے میں کافی مدد ثابت ہوتی ہے۔ گویا انگریز کو سرمایہ داری جیل دکھاتی ہے اور ہندوستانی کو غربت مجرم بناتی ہے۔

ہندوستان میں سے دھاڑی چوروں اور ٹھگوں کو کافی مٹایا جاچکا ہے مگر پھر بھی ایسے لوگوں کی تعداد موجود ہے جو گزارہ جرم اور گناہ ہی سے کرتے ہیں اور اپنی چھوٹی عمر کی اولاد کو جرم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

سنہ ۱۹۲۶ء میں مدراس کی جیلوں میں ۵۷۰ ایسے قیدی تھے جو آوارہ گردی اور چوری کے الزام میں مقید تھے اور ضمانت داخل نہیں کر سکتے تھے۔

مندرجہ ذیل تعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں عادی مجرم کتنی

ہیں اور ان کا مسئلہ بہت اہمیت رکھتا ہے ۔

مدراس میں کل سزا یافتہ قیدیوں میں سے تقریباً ساڑھے بارہ فی صدی قیدی سابقہ سزا یافتہ تھے اور جنہیں عادی مجرم سمجھا گیا وہ تقریباً ساڑھے بیس فیصدی قیدی تھے۔ اس صوبہ کی جیلوں میں جو قیدی مقید تھے ان کی عادی مجرموں کی اوسط تین ہزار روزانہ تھی ۔ اس طرح پنجاب میں عادی مجرموں کی روزانہ اوسط ۷۵۰۰ سے زیادہ ہے اور چار بڑی بڑی جیلیں عادی مجرموں کے لئے ہی بنائی گئیں جو ان ہی سے چلتی ہیں۔

انسپکٹر جیل خانہ جات صوبجات متوسط اور برار عادی مجرموں کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"باقاعدہ مجرم آبادی کا نصف حصہ عادی مجرموں کا ہے اور اس سے متناسب سے زیادہ مشکل ہے"

عادی مُجرموں کی قسمیں

مسٹر پاڈل نے ہندوستانی عادی مجرموں کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:۔

(۱) پیشہ ورانہ مجرم، جو یہ سمجھتے ہیں کہ جرم کرنے سے فائدہ ہوتا ہے ۔ اور پولیس کو چکمہ دینا باعثِ فخر ہے ۔ لیکن یہ مقابلتاً تعداد میں کم ہیں ۔

(۲) مجرمانہ ٹولیاں ۔ ان میں بہت سے لوگ اسلئے جرم کرنے لگے ہیں کہ تہذیب کی ترقی کی وجہ سے ان کا ذریعہ معاش چھن گیا ہے مثلاً بنجارے لوگ جن کا پیشہ دیہاتوں میں اناج اٹھانے کا تھا

ریلوں کی وجہ سے چھن گیا۔ اور جو چھپر بند طبقہ فوجوں کے ساتھ جاتا تھا کہ ان کے لئے چھپر ڈال دیں وہ بھی بیکار ہو گیا۔ اب بھی آسانی سے مجرم ٹولہ بن سکتا ہے۔ اگر پانچ ہزار شملہ کی پہاڑیوں کے رکشا والے اچانک بی۔بی آسٹن موٹر کے استعمال کے رائج ہونے سے ذریعۂ معاش چھوڑ بیٹھیں تو یقینی بات ہے کہ اُن کی طبیعت کا رجحان جماعتی شکل میں چوری اور ڈکیتی کی طرف ہوگا۔

(۳) بھیک منگوں کی حوصلہ افزائی۔

(۴) وہ نوجوان جو غربت اور تعلیم نہ ہونے اور خراب ماحول کی وجہ سے یا آوارگی کی بنا پر چھوٹی عمر سے روزگار کے لئے مکروفریب اور چالاکیوں سے کام لیتا ہو۔

دوبارہ مجرموں کا علاج

قدرتی طور پر اس کے دو حصے ہوں گے۔

(۱) جیل سے باہر (۲) جیل کے اندر۔

(الف) ان عادی مجرموں کی ٹڈی دل فوج کے لئے جو مسلسل رہائی کے زمانے میں پبلک اور پولس کے لئے پریشانی کا باعث بنتے ہیں اور جیل میں جا کر ٹیکس دہندوں اور حکومت کے لئے بار ثابت ہوتے ہیں یہ ضروری ہے کہ ایسے طریقے نکالے جائیں جو رہا شدہ یہی بار کے مجرم کو ایماندارانہ زندگی بسر کرنے میں معین ثابت ہوں۔ تمام طریقے تمام حالتوں میں نتیجے کے اعتبار سے ایک ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس کی خاصیت اور تاثیر کسی فرد کے چال چلن اور آغازِ جُرم پر منحصر ہے، مثال کے طور پر جبکہ اتفاقی مجرم قرار دیا گیا ہو اس

ائے وہی عمل نہیں کیا جائے گا جو مجرم گروہ کے ممبر کے لئے کیا گیا تھا جس نے
ا جیل میں اپنی میعاد ختم کی ہو، اوّل الذکر قیدی کی پوزیشن کو سدھانے رکھنے
ے ان کے لئے پرول آفیسر اور امدادی سوسائٹی کی ضرورت ہوگی اور
ر الذکر قیدی کے لئے مجرم گروہ کی بستی میں تبدیل کرنا ہی بہتر ہوگا۔

وقتی رہائی کا طریقہ بھی انتہائی مفید ہے جیل کی زندگی قیدی کو ایسی تربیت
یں دے سکتی جس سے وہ اپنی ذات کو آزاد زندگی کے قابل بنا سکے، اس کے
لازمی ہے کہ وہ ایک درمیانی سٹیج اختیار کرے جبکہ آزاد زندگی کی عادت
ے۔ مجرم طبقوں کی بستیاں مثال کے طور پر اس کام کے لئے پیش کی جا سکتی
ں اور کئی صوبوں میں بالغوں کو لائسنس کی رہائی کے نام سے وقتی رہائی کے
ول پر عمل کیا گیا ہے، پنجاب میں یہی اصول بالغوں کے لئے رکھا گیا ہے جس کا
"نیک چلن قیدیوں کی آزمائشی رہائی کا قانون" ہے۔

اسی طریقہ پر عادی مجرموں کو بھی چلانا چاہئے، ان کے لئے زراعتی بستیاں
ی جائیں جس میں ان کو کھیتی باڑی کا کام مہیا کرنا چاہئے تاکہ قیدی جیل کے
ے ہوئے فنون سے رہائی کے بعد روزی کما سکیں۔

رموں کی بستیاں

صوبہ پنجاب میں گزشتہ ۲۲ سال سے جرائم پیشہ
ڈلی کا انتظام ایک مخصوص محکمہ کے سپرد ہو چکا ہے
ں میں تقریباً ۱۶ ہزار رجسٹرڈ شخص داخل ہیں ان میں سے دس ہزار سے
ئد جرائم پیشہ بستیوں میں نظر بند ہیں جس میں ۱۶ زراعتی اور ۸ صنعتی اور ۳
یا رسپٹری بستیاں ہیں جو کہ تمام پنجاب میں پھیلی ہوئی ہیں بقایا

لوگ مخصوص دیہاتوں میں رہتے ہیں، یعنی پرول معافی کے ماتحت آزادزندگی کی اجازت دیدی گئی ہے۔ بستی کے قیام کے دنوں میں ان لوگوں ذریعہ معاش کے طریقے بتائے جاتے ہیں اور کمسن قیدیوں کو بنیادی تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت دی جاتی ہے اور کھیلوں پر بھی توجہ دی جاتی ہے جس سے دماغ اور جسم پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

بستی کی زندگی میں پانچ سال سے دس سال تک کے عرصہ کے بعد قیدی کو دو سال کی آزمائشی رہائی پر چھوڑ دیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اُسے روزگار پیدا کرنے والا کام اور سکونت کے لئے ایک مکان مل جائے جو لوگ دس سال سے بھی زیادہ بستی میں رہنے کی خواہش رکھتے ہیں تو ان کو زراعتی زمین کھیتی باڑی کرنے کے لئے دیدی جاتی ہے اگر وہ زراعتی کام سے واقف ہوتے ہیں۔

(ب) عادی مجرم کی سزا اتفاقی مجرم سے زیادہ طویل ہوتی ہے اسی لئے اُسے اصلاح کرنے کا موقعہ باہر کے نسبت اندر زیادہ مل جاتا ہے، تھوڑی سزا میں طریقہ علاج اور ان کا اثر کیسے ظاہر ہو سکتا ہے جبکہ اس مدت میں مجرم کی طبیعت کا اندازہ بھی نہ لگایا جاسکا ہو۔ اچھے نتائج حاصل کرنے کے لئے زیادہ وقت کی ضرورت ہے۔

جُرم کے اعادہ کو گھٹانے کے لئے ضروری ہے کہ جب مجرم حوالاتی کے طور پر دوبارہ جیل میں داخل ہو تو اُس کے فیصلہ کا انتظار کئے بغیر اس کی اصلاح کے لئے قدم اٹھانا چاہئے۔ انتظار کرنے سے بہت سا وقت اور محنت رائیگاں جائے گی۔ یہ انتہائی ضروری ہے کہ اتفاقی حوالاتیوں کو عادی حوالاتیوں سے

مقدمہ کے دوران میں علیحدہ رکھا جائے۔ تاکہ وہ عادی مجرموں کے
سے محفوظ رہ سکیں۔ اس سلسلہ میں ہندوستانی جیلوں میں کافی اصلاح کی
ہے اور یہ اصلاح اس وقت تک قابل عمل نہیں ہو سکتی جب تک
ور مجسٹریٹ قیدی کی سابقہ سزاؤں کے متعلق جیل حکام کو آگاہ نہ کریں۔
تفاقی اور عادی مجرموں کے لئے یہی مفید ہے کہ ان کی سزا کے پہلے چھ ماہ
وک تھام کے لئے صرف کئے جائیں۔ اور اگر ان کی سزا تھوڑی ہی ہو یعنی
س سے کم تو سزا کو جرم کے روک تھام میں لگا دینا چاہئے۔
انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات صوبہ مدراس لفٹنٹ کرنل کیمرن فرماتے ہیں:-
تھوڑی سی سزا والے مجرموں کو کوئی فن نہیں سکھایا جا سکتا یا اصلاحی
اثرات سے وہ مستفید نہیں ہو سکتے۔ اور موجودہ حالت میں معمولی سزا
کوئی سزا ہی نہیں بلکہ یہ مدت محض جیل کی زندگی سے واقف کرانے
کے مترادف سمجھی جانی چاہئے جس سے قیدی یہ خیال لے کر جیل خانہ
سے باہر آتا ہے کہ آخر جیل اتنی بری جگہ نہیں جو مجرم کو جرم کرنے
کی ترغیب دیتا ہے۔

ہم اس برائی کو ایک برکت میں تبدیل کر دینا چاہتے ہیں۔
اور وہ اس طرح کہ قیدیوں کو ایسا عبرتناک سبق دیا جائے جس
سے ان کو ہوش آ جائے اور وہ سمجھنے لگیں کہ مجرمانہ زندگی ایماندارانہ
زندگی کے مقابلہ میں تکلیف دہ ہے۔

آسان مشقت دی جاتی ہے جو اصولاً غلط ہے۔ اور جس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ جرم کی روک تھام کے بجائے جیل کی زندگی باہر کی زندگی سے بہتر ہے۔ اور قیدیوں کے موج اڑانے کے لئے ہے۔

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جرم کی روک تھام کے اصول کو اختیار کرنے میں کافی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے لیکن وہ ناممکن نہیں۔ اور بالآخر قیدی کو اس اصول سے فائدہ پہنچتا ہے۔

عادی مجرموں کے لئے بھی سزا کا پہلا حصہ جرم کی روک تھام کے لئے ہونا چاہئے تاکہ انہیں ڈسپلن سکھایا جا سکے۔ اور ان میں استحکار فرمانبرداری اور محنت کرنے کی عادت پڑ جائے۔ اس کے بعد کسی قسم کی تربیت یا کوئی فن یا اخلاقی و روحانی تعلیم دی جا سکتی ہے۔

اتفاقی اور عادی مجرموں کے اکھٹے رہنے سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اس کا علاج ان کو علیحدہ علیحدہ جیلوں میں رکھنا ہے۔ اس اصول کو ہندوستان کے تمام صوبوں میں عادی مجرموں کے لئے جیلیں بنا دی گئی ہیں لیکن وہاں اتفاقی قیدی عادی مجرموں پر نمبردار کی حیثیت سے لگا دئے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ مفید نہیں ہے۔ جس پر توجہ دی جا رہی ہے اور بتدریج اصلاح پذیر ہے۔

اگر رات کی بڑی بارکوں میں قیدیوں کو رکھا جانا ضروری ہے تو عادی مجرموں پر اتفاقی مجرموں کا نمبرداری کا سلسلہ صحیح نہیں ہے۔ عادی مجرموں پر عادی مجرموں کا ہی نمبردار لگانا چاہئے اور اس کا انتخاب نیک چلنی اور بد چلنی کی بنا پر ہونا چاہئے۔

۔ رشوت کے بل بوتے پر۔

[...]دی مجرموں کی تقسیم

عادی مجرموں کو دو حصوں میں منقسم کیا جانا چاہئے
(۱) معمولی (۲) ناقابلِ علاج۔

پہلے قسم کے معمولی عادی قیدی عام طور پر نیک چلنی اور شریفانہ طریقے سے [...]گزارتے ہیں اور قاعدوں اور ضابطوں پر چلتے ہوئے اپنی مشقت پوری [...]تے ہیں اور بہت کم تکلیف دیتے ہیں۔

دوسرے قسم کے عادی مجرم مختلف ذہنیت کے ہوتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں [...]یل کے ڈسپلن کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں، انھیں معمولی قیدیوں سے [...]ندہ رکھنا چاہیئے اور مخصوص طریقے آزمانے چاہئیں، یہ قیدی پیشہ ور مجرم ہیں [...]ن کے خیالات سوسائٹی سے بالکل مختلف ہوتے ہیں جن کی اصلاح ناممکن ہو[...] [...]کافی محنت و کوششوں کے بعد شدھرتے ہیں۔

انگلستان میں ان ناقابلِ علاج عادی مجرموں کے قضیہ کو "روک کا دی[...] [...]ظربندی" ( ) کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش [...] گئی ہے۔ اسکوٹ ۱۹۰۸ء میں ایک اسپیشل قانون کے ماتحت اختیار [...]یا۔ جس کے بعد کیمپ پر وہائٹ جزیرے میں ایک بڑی لاگت کی جیل تعمیر کی گئی جہاں [...]ن پیشہ ور مجرموں کو رکھا گیا۔ شروع میں ان کی نظر بندی لامحدود تا حیات [...]ھی گئی تھی، لیکن پارلیمینٹ نے اس کو منظور نہیں کیا بلکہ زیادہ سے زیادہ [...]یس سال اور کم سے کم پانچ سال کی مدت مقرر کی اور عام طور پر عملاً پانچ سال ہی کی [...]سزا دی گئی، کئی نیک چلن تین سال ہی میں رہا کر دیئے گئے۔ اس جیل کی اوسط آبادی

ڈیڑھ سو ہے اور اس کے تمام قیدی پہلے ہی کسی نہ کسی جرم میں جیلوں میں رہ چکے ہیں۔

اس جیل میں مجرموں کی اصلاح کی طرف راغب کرنے کے لئے حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے۔ کچھ فالتو سہولتیں بھی ملتی ہیں یا ڈسپلن ڈھیلا کر دیا جاتا ہے کئی مرحلوں سے گزرنے کے بعد رہائی سے ۶ ماہ پہلے "پرول لائن" پر رکھا جاتا ہے۔ جہاں ان کا اپنا کمرہ ہوتا ہے اور خود کام کرتے اور کھانا پکاتے ہیں۔ ہر قیدی پر اعتماد کر لیا جاتا ہے کہ وہ فرار نہ ہوگا اور نہ اُن کے مشقت کی نگرانی ہوتی ہے۔ اس "رکاوٹی نظر بندی" کے طریقے میں یہ نقص ہے کہ نیک چلن مجرم کو دو سال میں پرول کی رعایت ملنے کے اسٹیج پر بھیجتے ہیں حبس کے بعد آئندہ کے اصلاح کی اُمید جاتی رہتی ہے۔ پرول لائین کی متقابلتاً آزادی ہوتے ہوتے بھی خوش و خرم نہیں ہوتے کیونکہ پرول لائین میں چار پانچ سے زیادہ قیدی نہیں ہوتے تب وہ جیل کی ملنسارانہ زندگی کے بعد تنہائی کی زندگی سے اُداس رہنے لگتے ہیں۔

نتائج کے اعتبار سے ۱۹۱۲ء سے لے کر رجب سے یہ جیل آباد ہوئی) اب تک اس کے رہا شدہ قیدیوں میں سے ۳۲ فی صدی قیدی دوبارہ مجرم نہیں بنے۔

گرچہ یہ تعداد کامیاب معلوم نہ دے لیکن یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ یہ تعداد ان قیدیوں کی ہے جو انتہائی لاعلاج اور ناقابلِ اصلاح ہوتے ہیں اور جن کی گھٹی میں شیطنت سما جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ رکاوٹی نظربندی کے اصول کو قانون نے بالکل نکما کر دیا ہے۔

ہم ۳۰۳ فیصدی کی کامیابی اس تجربہ کی تائید میں ہے۔ جس سے ہم متفق ہیں کر
رے سے برے قیدیوں کی بھی اصلاح ممکن ہے۔

اسی جیل کے کرنل فرماتے ہیں :۔

میں کیمپ ہل کی جیل کے قیدی سے ۱۹۲۹ء میں ملا تو اس جیل کے بارے میں اس کی یہ رائے تھی۔ اس سے پوچھا گیا کہ تمہاری رہائش کا انتظام کیسا ہے تو اس نے جواب دیا بہت عمدہ، کھانے کے متعلق دریافت کیا گیا تو اس نے کہا یہ بھی بہت عمدہ ہے اور کہا جب کبھی میں کھانے پر بیٹھتا ہوں تو یوں سمجھتا ہوں کہ خدا کا شکر ہے کہ برطانیہ کے باشندے ٹیکس ادا کر رہے ہیں۔

ہندوستان میں بھی رکاوٹی نظر بندی کی ضرورت ہے خواہ وہ کسی قسم کی ہو۔ چاہے محدود ہو یا لامحدود ہو۔ ماہران تعزیرات نے کئی بار اس پر زور کیا ہے اور ہندوستان کے ہر صوبہ میں نا قابل اصلاح مجرموں کی تعداد بھی موجود ہے جنھیں اگر رہا کیا جائے تو مسلسل مصیبتوں کا باعث بنتے ہیں اور معمولی جیلوں میں رکھا جائے تو نظام کو درہم کرتے ہیں۔ ان کے لئے بستیاں اور جزیرے زیادہ مفید ہو سکتے ہیں۔ مدراس کے نا قابل اصلاح قیدیوں کو کچھ سال کے لئے پورٹ بلیر میں رکھنے کی تجویز ہوئی تھی۔ لیکن بعد میں جزائر انڈیمان میں رکھا گیا جہاں کامیابی خاطر خواہ حاصل ہوئی ؟!

علاج

بقول ڈاکٹر جونسن اٹھارہویں صدی سے قبل پچاس میں یعنی ہاورورڈ کی رپورٹ تیار ہونے سے پہلے انگریزی جیلوں میں تقریباً سالانہ پانچ ہزار قیدی علاج و معالجہ نہ ہونے کی وجہ سے مرجاتے تھے۔ ہر سال ۲۵ فی صدی اموات ہوتی تھیں۔

انگلینڈ کی موجودہ حالت اس سے بالکل مختلف ہے سنہ ۱۹۲۶ء میں مقامی جیلوں کی شرح اموات صرف ایک ہزار میں تقریباً تین ہیں۔ جیل ہسپتال میں بیماروں کی اوسط تعداد سالانہ ۲۴ فی ہزار ہے۔ اس سے دگنی تعداد بیرونی مریضوں کی ہوتی ہے۔

جو بیمار خطرناک اور چیر پھاڑ کا ضرورت مند ہوتا ہے اس کو سول ہسپتال بھیجدیا جاتا ہے۔ جیل کے میڈیکل افسروں کا کام بہت معمولی اور ہلکا ہوتا ہے ان کا تعلق بیمار کے جسمانی حالات سے ہوتا ہے اور وہ زیادہ بیماری کی روک تھام کرتے ہیں۔ جیلوں کی صفائی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔ نئے داخل شدہ قیدیوں کو جراثیم سے پاک کیا جاتا ہے اور ان کا معائنہ جسمانی ہوتا ہے۔ اور شاذونادر ہی ان کو کورنٹین اسٹیج سے گزرنا پڑتا ہے۔

اس احتیاط، اچھی غذا، مناسب کام اور ورزش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انگلستان کے ہر جیل کا قیدی باہر نکل کر جیل میں داخلہ کے وقت کی صحت سے اپنی صحت بدرجہا بہتر پاتا ہے۔

ماغی حالت اور جرم

اصل میں انگلستان کے جیل ڈاکٹر قیدی کی دماغی حالت پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور ...پنے فرائض میں اس کو دلچسپ ترین حصہ تصور کرتے ہیں، وہ جسمانی صحت ...طرف بہت کم خیال کرتے ہیں۔

سنہ ۱۹۲۶ء میں کم از کم ۱۵۹۵ آدمی اور ۶۹۰ عورتوں کو دماغی معائنہ ...سے جیل میں رکھا گیا ان سب کا اچھی طرح امتحان کرکے اُن کے دل و ...ماغ کی حالت کو رپورٹ کر عدالت میں پیش کرنا مقصود تھا۔ تشخیص میں ...۲۰ پاگل نکلے اور ۹۸ دماغی طور پر کمزور۔

ہندوستان میں دماغی حالت کی رپورٹ شاذ و نادر ہی مانگی جاتی ...ہے اور اس قسم کا قانون بھی ہندوستان میں موجود نہیں ہے جیسا کہ انگریزی ...ماغی کمزوری کا قانون سنہ ۱۹۱۳ء انگلستان میں موجود ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ انگلستان میں دیوانوں کو پاگل خانہ میں بھیجا جاتا ہے لیکن ...ماغی کمزوری کے غیر مصدقہ مریضوں کو جیل میں رکھا جاتا ہے۔

احاطۂ مدراس میں بھی دماغی کمزوری والے لوگوں کے لئے ایک خاص جیل ہے ...جن میں سے منتخب کرکے کنا پور جیل میں بھیجے جاتے ہیں ان میں تین سو کے قریب ...لوگوں کو رکھا جاتا ہے۔ اگر ڈاکٹر ان کی دماغی حالت کی طرف توجہ دیں تو ...پاگل قیدیوں کو جیل سے نکال کر دماغی نقص والے جیل میں زیادہ بھیج سکتے ہیں۔

ہندوستان کے لوگوں کی دماغی کمزوری کے مسئلہ پر ابھی تک کوئی ...توجہ نہیں دی گئی۔ البتہ امریکہ اور انگلستان میں عدالتی انصاف کے سلسلہ میں بہت

کچھ کیا جا رہا ہے اور وہ وقت دور نہیں جبکہ مقدمہ اور سزا کا دار و مدار ڈاکٹر کی شہادت پر ہو گا جو مجرم کی دماغی ذہنیت کے بارے میں دی جائے گی۔

ہندوستان میں بھی دماغی صحت کی ایک ایسوسی ایشن بنائی گئی ہے، جو ہندوستانیوں کے درمیان کام کی ممکنات کا مطالبہ کرے۔ یہ حقیقت ہے کہ زیادہ امید افزا میدان ہندوستان کی جیلوں میں ہی نظر آئے گا اور صوبہ جاتی جیلخانوں کے محکمے اس قسم کی امداد کو خوش آمدید کہیں گے، کیونکہ غیر تفتیش شدہ مجرم سے زیادہ کسی قوم پر بار نہیں ڈالا جا سکتا، اور اس کے دور کرنے میں پیش پیش نظر آئیں گے۔

ہندوستانی حکومت کی یہ پالیسی رہی ہے کہ جیل کو میڈیکل افسروں کے ماتحت کر دیا جائے، اور مشقت، کپڑے، خوراک، اور صفائی کے نگران بھی وہی ہوں جو بیماری کی روک تھام اور علاج معالجے کے بھی ذمہ دار ہوں، لیکن یہ طریقہ انگلستان کے طریقے کے بالکل برعکس ہے وہاں صرف ایک جیل کا آفیسر میڈیکل آدمی ہے۔

انگلستان کے میڈیکل آفیسر کا اندازہ ہے کہ علم النفسیات کے ماہر ڈاکٹروں کی مدد سے دماغی کمزوری کے قانون کے اطلاق نے جیل کی آبادی نے روزانہ دو سو قیدیوں کی اوسطاً ایک دوائی تخفیف کر دی ہے، اگر اسی طرح ہندوستان میں تخفیف ہو جائے تو ہر ایک صوبے میں ایک ایک جیل تو لازمی طور پر خالی ہو جائے گی اور اس سے حکامِ جیل کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ کہ ان کو دماغی خرابی کے لوگ نکما اور ادھورا کام کر کے پریشان نہ کر سکیں گے۔

بیماروں کی جیلیں ہندوستان میں بعض بیماروں کے لیے علیحدہ علیحدہ جیلیں ہیں۔ مثلاً تپ دق کے لئے میکیاں برہما میں علیحدہ جیل تھی۔ اسی طرح ترچناپلی اور بلاری (مدراس میں) پنجاب میں شاہ پور اور سی پی جھنڈواڑہ میں بھی تپ دق کے مریضوں کے لئے جیلیں بنی ہوئی ہیں اسی طرح کوڑھیوں کو بھی جیلوں کے خاص خاص بارگوں میں علیحدہ علیحدہ رکھا جاتا ہے۔

ہندوستانی جیل ہسپتالوں کی ناگفتہ بہ حالت مگر مجموعی اعتبار سے ہندوستان کی جیلوں میں بیماروں کا علاج انتہائی غیر اطمینان بخش اور پریشان کن ہے۔ جانوروں کا علاج جیلوں کے انسانی علاج سے ہزار درجہ بہتر کیا جاتا ہے۔ جیل کے ڈاکٹروں کو قیدیوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر ہسپتال میں جب قیدیوں کے معائنہ کے لئے جاتا ہے یا قیدی ہسپتال کے دفتر کے واسطے ڈاکٹر کے پاس آتے ہیں تو ڈاکٹر ان کا جوتوں کی نوک سے استقبال کرتا ہے۔ خطرناک اور نازک مریضوں کو بارکوں سے گھسٹوا گھسٹوا کر لاتا ہے۔

یہی سبب ہے کہ ہندوستان کی بعض جیلوں کے اسٹاف کا کوئی اچھا ریکارڈ نہیں ہے بلکہ پنجاب کی جیلیں مثلاً انبالہ۔ اولڈ سنٹرل ملتان جیل، لاہور سنٹرل جیل اور لائل پور جیل اپنی لاپرواہیوں کی بدولت کافی بدنام ہیں اور طبی دنیا کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ بنی ہوئی ہیں۔

چنانچہ انبالہ جیل ہی کو لے لیجئے جہاں ڈاکٹر ایم۔ او اکی ہدایت کے

مطابق بیماروں کو ڈبو دس دس روز تک نسخہ تیار کرکے نہیں دیتا ان کی دیکھ بھال نہیں کرتا اور بیماروں کو چھوا چھوا کر اُن کو زندگی میں موت کا نقشہ دکھاتا ہے اور جو بیمار ہسپتال میں داخل ہونا چاہتا ہے اُس کو ڈاکٹر دھتکار دیتا ہے۔ حتیٰ کہ انتقال سے ایک روز قبل بھی مریض کو ہسپتال میں داخل نہیں کرتا اور اگر کرتا ہے تو دکھانے کے لیے بعد از مرگ۔

غضب خدا کا اس ہسپتال میں کونین جیسی عام دوائی بھی مریضوں کو نہیں دی جاتی تھی اس کے لیے بیمار کو ترسنا پڑتا تھا اور جب کہیں جا کر اس کی جگہ سنکونہ جیسی نکمی دوائی ملتی تھی۔

عبداللہ قیدی ایک سال سکنہ خواجہ باقی باللہ دہلی (متوفی درمیان شب ۲۵ ر ۲۶ ر نومبر ۱۹۴۳ء) بھی ڈاکٹر کی غفلت کی وجہ سے فوت ہوا۔ اس نے ڈاکٹر سے اپنا داخلہ ہسپتال میں انتقال سے ایک روز قبل کرانا چاہا مگر ڈاکٹر کے غرور نے اس کی اجازت نہ دی، رات ہوئی تو مطبخ میں توے پر روٹیاں ڈالتا ہوا قے کرکے مر گیا۔

چنانچہ اسی غرور و بے توجہی کا نتیجہ نکلا کہ انبالہ جیل کے ہسپتال میں نومبر دسمبر ۱۹۴۲ء کے اندر قریب قریب اسی اشخاص کا انتقال ہو گیا اور ان سات ماہ میں کوئی دن ایسا نہیں گیا جس دن کسی کی جان نہ گئی ہو۔

اس بدانتظامی کو دیکھ کر انبالہ جیل کے ۲۰ پولیٹکل قیدیوں نے مجبور ہو کر ۲۵ ر دسمبر ۱۹۴۲ء کو اپنی شکایات کو لکھ کر ایک درخواست سپرنٹنڈنٹ انبالہ جیل کی معرفت

زیر جیل خانہ جات پنجاب کو بھیجی اور تحقیقات کا مطالبہ کیا جس کو بھتّے کھاتے ہیں ڈال دیا گیا
ور ہسپتال کا نقشہ وہی کا وہی رہا۔

اولڈ سنٹرل ملتان جیل اپنی وسعت کے اعتبار سے شاندار جیل ہے اس کا
ڈیکل عملہ بھی اس کی شان کے مطابق کیثر ہے۔ تین ڈاکٹر اور ایک میڈیکل آنیسر
حہ کمپونڈروں کے تمام وقت کے ملازم ہیں، یہ عملہ اگر دو جیلوں کا انتظام کرنا
ہے تو بہ آسانی کر سکتا ہے مگر اس سے ایک جیل کا بھی انتظام نہیں ہوتا
روں کو دوائیاں دینے میں بخل اور دیر لگائی جاتی ہے۔ کسی کمزور بیمار کو
ن لگایا جاتا ہے تو سات سات روز کے بعد (جب اس کا ڈھیر نکل جاتا ہے)
وہ ملتا ہے۔ دودھ بیماروں کو نصیب نہیں ہوتا بلکہ نمبردار تمام دودھ ہضم کر جاتے
ں اور ڈاکٹر اپنے ان پہلوانوں کی خاطر مدارات عجیب و غریب طریقوں سے
تے ہیں۔ ستمبر ۱۹۴۲ء کا مشہور واقعہ ہے کہ جگ لال سکنہ متھرا نظر بند ۱۲۹
نس آف انڈیا رولز ۸ ستمبر کو رہا ہوئے۔ ڈاکٹر کچھ دن پہلے ان کا دودھ
بکا تھا۔ قاعدہ کے مطابق رہا ہونے کے بعد اس دودھ کا اندراج کٹنا
ہیئے تھا۔ مگر نہیں کٹا اور وہ دودھ ہسپتال کے نمبردار کو ملتا رہا۔
م یہ عنایت رشوت کی مرہونِ منت تھی یا جود و سخا کی، البتہ مشہور ضرور یہ
۔ اس قسم کی عنایتیں رشوت کے نذرانوں سے ہی بدولت کی جاتی ہیں، بہر
سی طرح ۸ دن تک نمبردار کو دودھ دیا جاتا رہا۔ ۱۵ ستمبر کو جب جگ لال ۲۶ ڈیفنس
شیا رولز کے ماتحت دوبارہ نظر بند کیا گیا تو بھانڈا پھوٹا اور ڈاکٹر سے شکایت
تو اس نے کہا ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔

ان بدعنوانیوں کی وجہ میڈیکل آفیسر کی غفلت، سستی و تساہل سے
وہ بمشکل تمام چھ گھنٹے کے لئے ہسپتال میں آتا ہے اس کی عدم موجودگی میں ڈاکٹر
سفید و سیاہ کے مالک ہیں من مانی کارروائیاں کرتے ہیں بیماروں کو کپڑے
اور چارپائی نہیں دیتے، برہنہ رکھتے اور زمین پر لٹاتے ہیں، میڈیکل آفیسر سے
شکایت کی جاتی ہے تو وہ اس کو اس طرح نظر انداز کر دیتا ہے جس طرح کہ وہ
اپنے آپ کو علم النفس کا ماہر سمجھتے ہوئے قیدیوں کی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتا۔[1]

لاہور سنٹرل جیل میں میڈیکل اسٹاف بھی دوائیوں کے استعمال کرنے میں
محتاط نہیں۔ ۱۹۳۲ء میں سردار دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر اخبار ریاست اس جیل
میں مقید تھے اور وہ کھانسی کے مریض تھے۔ ان کو دوائیوں کا مکسچر دیا گیا۔ شیشی کے
لیبل پر مرض کا نام لکھا ہوا تھا جو ظاہر کر رہا تھا کہ دوائی ایک دو ہفتہ کی بنی رکھی تھی
ضرورت پڑنے پر وہی اٹھا کے دے دی گئی اور نیا مکسچر نہیں بنایا گیا۔[2]

ہندوستان کی جیلوں میں کس قسم کی ادویات دی جاتی ہیں اور جیل کی ادویات کا
استعمال کس طرح ہوتا ہے اس کو دہلی کے مشہور پولیٹیکل قیدی مولانا عبدالقدیر صاحب نے
اپنے ایک مضمون "جیل کی آپ بیتی" میں واضح طور پر بیان کیا ہے۔ وہ لائل پور جیل
کی بدعنوانیوں کا خاکہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں۔[3]

---

[1] انبالہ جیل اور اولڈ سنٹرل جیل کی بدعنوانیاں میری نظربندی کے زمانہ میں میرے سامنے ہوئیں جن کو میں نے خود دیکھا اور تحقیق کر کے لکھا۔ [2] واقعہ سردار دیوان سنگھ مفتون نے مجھ سے خود بیان کیا۔ [3] اخبار تیغ دہلی ۱۷ مئی سنہ ۱۹۴۲ء

...دویات پر جیل افسران کی نظر

ادویات کا معاملہ طرفہ تماشا ہے جب تک سالانہ سپلائی نہیں ہوئی تھی اس وقت تک ہسپتال میں بہت سی ادویات نہیں تھیں مثلاً سوڈا بائی کارب، سوڈا سلیلاس، گلیسرین، نکس وامیکا وغیرہ۔ یہ نہیں معلوم کب سے ختم تھیں۔ یہ چیزیں ایسی تھیں جو روزانہ استعمال میں آتی ہیں۔ البتہ عملے کے واسطے خدا معلوم ہر چیز کہاں سے مل جاتی تھی۔ میرا مشاہدہ ہے کہ بیچارہ کمپاونڈر روزانہ کافی مقدار میں ادویات وسامان مرہم پٹی افسران کے گھر کے مریضوں کے لئے لے جایا کرتا تھا۔ اس کی حالت بعینہ غریب کی جورو سے کم نظر نہیں آتی تھی۔

...انی مفردات کا عجیب طریقۂ استعمال

ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ یونانی مفردات عجیب وغریب طریقے سے استعمال کرائی جاتی ہیں جن میں ملیٹھی، نوسادر، ریوند چینی، چرائتہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، یہ تمام ادویہ چینی کے تسلوں میں کھلی رہتی ہیں، ایک پاؤ سے بیس بیس پچیس پچیس بوتلیں تیار کیجاتی ہیں جنھیں نہایت فراخدلی سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان کے نمبر مقرر ہیں مثلاً ۲۵۔ اسمیں ملیٹھی کا پانی قریب آدھ پاؤ، سوڈا بائی کارب ½ تولہ سوڈا سلیلاس ایک تولہ ہوتا ہے، باقی نل کا پانی، یہ مکسچر زکام اور درد کے مریضوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ ۲۸ میں ریوند چینی کا نلال آدھ پاؤ، سوڈا بائی کارب ا تولہ۔ پیپرمنٹ ۳ بوند، باقی نل کا پانی یہ مکسچر بدہضمی کے لئے، ۳۰،

۳۱ میں ملیٹھی، آبِ زلال آدھ پاؤ، ڈسا در تین ٹکیہ سوڈا بائی کارب ½ تولہ، باقی نل کا پانی، یہ دونوں مکسچر کھانسی اور زکام کے مریض کے لیئے تیار کیئے جاتے ہیں۔ اگر مریض کو ایک جز سے آرام نہ ہو تو اُسے دوسرے نمبر کی بوتل سے دوا پلا دی جاتی ہے

میڈیکل عملہ کی ناواقفیت

ڈاکٹر صاحب اور سول سرجن صاحب طب یونانی سے بالکل یک قلم بے بہرہ ہیں ان کو یہ نہیں معلوم کہ یونانی مفردات کہاں کہاں اور کس کس کے ساتھ نافع ہے اور کہاں مُضر، اُن کا بدل کیا ہے، ان کی مقدار کیا ہے، کس مزاج، کس نمبر، کس موسم اور کس حالت میں کتنی دوا دینی چاہیئے، اور کس طرح یعنی جوش دیکر، پیس کر، گرم پانی میں بھگو کر، پکا کر، سفوف بنا کر، گولی بنا کر وغیرہ وغیرہ طریق پر دینی چاہیئے۔ کیا یہ علم طب یونانی، ڈاکٹری پر اور انسانیت پر بیک وقت ظلم اور دھوکا نہیں ہے۔

قیدیوں کے ساتھ رہائی کے بعد سلوک

دو سو سال کی بات ہے جبکہ جون ہاورڈ جیلوں کا سب سے بڑا مصلح پیدا
بہت عرصہ تک اس نے اور اُس کے جانشینوں نے قیدیوں کی حالت کو بہتر بنانے
ش کی، ان میں سب سے زیادہ کام کرنے والے انجمن احباب کے ممبران تھے
نے ۱۸۰۸ء میں قیدیوں کی امداد کے لئے ایک جماعت بنائی تھی ۔

ت امداد قیدیاں

اس جماعت کے قیام کے بعد ہمدرد خلایق اشخاص نے اپنا وقت اور توجہ جیل کی اندرونی حالت
دھارنے میں صرف کرنا شروع کر دی تھی ۔ لیکن اسی کے ساتھ اُنھوں نے یہ بھی
سمجھا کہ اندرونی جیلوں کی سدھار جب ہی کامیاب ہو سکتی ہے جبکہ رہا شدہ
کی امداد کی جائے ۔ یہ امداد جرایم کے انسداد اور سوسائٹی کی حفاظت
زمی ہے ۔

چنانچہ اس خیال و اصول کے ماتحت طے کیا گیا کہ ایک جماعت بنائی جائے جس
اطرافِ ملک میں پھیل جائیں ۔ اور اس کے مددگار ملک کے گوشہ گوشہ
اور وہ رہا شدہ قیدیوں کی اعانت کریں ۔ اور رائے عامہ کی مدد سے موجود
مفید تبدیلی کرائیں ۔

تھی ابتدا اس جماعت کی جس کا نام "رہا شدہ قیدیوں کی امدادی سوسائٹی"

ہے۔ جواب تک دُنیا میں کافی پھیل چکی ہے اور ہزاروں لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچ چکا ہے۔

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے اسمیں اس صدی سے قبل اس جماعت کے سلسلہ میں کوئی کوشش نہیں کی گئی سنہ ۱۹۰۷ء میں کلکتہ کے اندر رہا شدہ قیدیوں کی امدادی سوسائٹی بنائی گئی اور اس کے سات سال بعد بمبئی میں اس جماعت کا قیام ہوا جس کی جنگِ عظیم کی وجہ سے ترقی مسدود ہو گئی۔ لیکن جنگِ عظیم کے اختتام پر یہ کام پھر شروع ہو گیا اور سنہ ۱۹۲۱ء میں مدراس کے اندر اس جماعت کی بنیاد رکھی گئی۔ اس سے کچھ عرصہ پیشتر بلاری کے ضلع میں ایک مقامی سوسائٹی بن چکی تھی۔

سنہ ۱۹۲۶ء میں صوبہ جات متوسط اور برار میں ایک سوسائٹی بنی جس میں رائے پور، ننکور اور کچھ علاقے بھی شامل تھے۔ پنجاب میں سنہ ۱۹۲۸ء میں کافی مشکلات کے بعد پبلک میں جاگیرتی پیدا ہوئی، اسمبلی میں سوالات کئے گئے، اخبارات نے نکتہ چینیاں کیں مضامین لکھے، عام جلسے کئے تب کہیں جاکر سوسائٹیاں وجود میں آئیں سنہ ۱۹۲۹ء میں ان مقامی سوسائٹیوں کے نمائندوں کو جمع کر کے پنجاب کے صوبہ کی سوسائٹی کو تشکیل دیا۔ جس کا صدر دفتر لاہور مقرر ہوا، اسکی شاخیں سنہ ۱۹۳۴ء تک ۲۴ کے قریب ضلع کی قائم ہو گئیں جن کا باقاعدہ حساب آل انڈیا امداد قیدیاں کی سوسائٹی میں شائع ہوا جن کو پنجاب کے صوبہ سے سنہ ۱۹۳۴ء میں ۴-۹-۳-۲۷- ۱۰۰ آمدنی ہوئی اور ۵-۲-۴-۸۵۸ خرچ ہوا۔

یو، پی میں فی الحال کوئی باقاعدہ منظم سوسائٹی نہیں ہے۔ لیکن سب سے پہلے اس صوبہ میں سنہ ۱۸۹۷ء میں سوسائٹی کی بنیاد رکھی گئی تھی، اس کی پہلی میٹنگ

۲۴؍ فروری ۱۹۲۶ء میں ہوئی تھی جس کے فنڈ میں ۱۰ ہزار روپیہ حزین صاحب نے
دینے کا وعدہ کرتے تھے پہلے پہل فنڈ میں چندہ ہونا اور سب اٹھیاں بند شروع ہوئی
تھیں، فنڈ بھی کافی جمع ہو گیا تھا۔ لیکن چند سال کے بعد لوگوں نے چندے لینے
آہستہ آہستہ بند کر دیں صوبہ متحدہ کی سوسائٹیوں نے بھی اپنا انتظام چھوڑ دیا
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے اس فنڈ کو پولیس فنڈ میں لگا دیا اور اس کو خیراتی فنڈ کے
پولیس کے حوالے کر دیا۔

مزاکی کے حوالے صرف ۴۵۰ روپیہ ہے جس کا ششماہی سود انسپکٹر
جنرل جیل خانہ جات کو دے دیا جاتا ہے جو اس کو جیلوں میں تقسیم کر دیتا ہے تاکہ رہائی پر
قیدیوں کو کپڑے اور دو روپے سے امداد کی جا سکے۔ ۴۵۰۰ کے علاوہ
اس کے علاوہ لکھنؤ سوسائٹی نے بھی ایک ہزار روپیہ دیا ہے۔ گورنمنٹ بھی
دو سو روپے کی سالانہ گرانٹ دیتی ہے جو مذکورہ طریقے سے
تقسیم کی جاتی ہے۔

۱۹۲۳ء میں بنارس کی امن سبھا نے رہا شدہ مجرموں کی امداد کا
کام کیا مثلاً بعضوں نے فیکٹریوں میں یا گھروں کی ملازمتیں دلا کر ان کی
مدد کی۔ سال بھر کے بعد یہ سبھا ختم ہو گئی۔

۵ اگست ۱۹۲۳ء کو متھرا میں سوسائٹی بنائی گئی جس نے کچھ ہی سال کام
کیا۔ ۱۹۲۵ء میں اٹاوہ میں ایک سوسائٹی بنی جس کو ڈھائی سو روپے کی مدد بھی
دی گئی۔ اسی سال الہ آباد میں بھی سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا۔
۱۹۳۲ء میں ہر دوئی اور لکھنؤ سوسائٹی ان مختلف کامیابیوں کے ساتھ چلیں

متھرا سوسائٹی کے آنریری سکریٹری نے رپورٹ کی کہ متھرا سوسائٹی محض کاغذی ہے ؎۱

چنانچہ وہ توڑ دی گئی اب صوبہ کا تمام نظام درہم برہم ہے۔ صوبہ یو۔ پی کو اس سبھا کی قسم کی سوسائٹیوں سے اس سے زیادہ اور کیا امید کی جاسکتی ہے جن کے بانیوں کی کوئی پبلک پوزیشن نہ ہو وہ جماعتوں کا ایسا ہی حشر بناتے ہیں ان کی نیتیں صاف نہیں ہوتیں، جو قدم اٹھتا ہے غرض کے لئے ملازمتوں کے لئے وہ پبلک بھلائی کے لئے نہیں ہوتا ہے۔ اسلئے آگے نہیں چلتے، ذرا سا لالچ قدم ڈگمگا دیتا ہے۔ آل انڈیا قیدیوں کی امداد سوسائٹی بھی ایسے لوگوں کے ہاتھوں تباہ ہوئی۔

بڑی شان و شوکت سے ۱۱ اپریل ۱۹۳۴ء کو نئی دہلی میں سر عبداللہ المامون سہروردی ایم ایل اے، بیرسٹرایٹ لا سے اس کا افتتاح کرایا گیا اور اس آل انڈیا سوسائٹی کے ممبر بھی ملک کے مقتدر و معزز حضرات بنائے گئے صدارت کی عزت لیڈی بہیر کو بخشی گئی اور جنرل سکریٹری نے فرائض کو انجام دینے کے لئے مسٹر برکت رام کالیہ نے اپنا نام پیش لیا۔

جنرل سکریٹری نے ایک ڈیڑھ سال بڑی سرگرمی سے کام کیا، یو۔ پی میں بریلی - نینی تال، لکھنؤ، بنارس، الہ آباد اور صوبجات متوسط جبلپور، نرسنگھ پور امراوتی اور ناگپور کی جیلوں کا معائنہ کیا۔ گورنروں سے ملاقات کی۔

؎۱ سالانہ رپورٹ آل انڈیا امداد قیدیاں سوسائٹی ۱۹۳۴-۳۵ء صفحہ ۳۸

تعلقات بڑھائے اور جب معتمدِ عظیم ملازمت مل گئی تو یہ "مصلحِ اعظم" قیدیوں
کے گروہوں پر مظالم ڈھانے کے لئے چڑھ گیا اور تمام سابقہ ہمدردیوں کا ریکارڈ مات
دیا، نہ کوئی آل انڈیا سوسائٹی رہی اور نہ اس کا خیال۔ انگلینڈ کی ہوا کھانے
کے بعد قیدیوں کے لئے مقررہ ہمدردانہ نعرے بھی ختم ہوئے، اور اس کے برعکس
ظلم اٹھنے لگا۔

چنانچہ اب اس آل انڈیا سوسائٹی کا عرصہ سے کوئی اجلاس بھی نہیں ہوا
نہ کوئی اس کی میٹنگ ہوئی، کس مپرسی کی حالت میں ہے ضرورت ہو کر سوسائٹیوں
کو خود غرض لوگوں سے محفوظ رکھا جائے ۔

ان تمام ہندوستان کی سوسائٹیوں میں مفید و کامیاب سوسائٹی
بنگال کی رہی، اس صوبہ میں غیر سرکاری لوگوں نے بھی دلچسپی لینا شروع کر دی ۔
قیدیوں کی رہائی کے بعد کیا حالت ہوتی ہے اور ان کی زندگی کیسی بے بسی
سے گزرتی ہے اس کا صحیح اندازہ اخبار "اسٹیٹسمین" کی مندرجہ ذیل خبر سے لگایا جا سکتا
ہے۔ خبر یہ ہے :-

ستیش چندر رائے جس کو رہا ہوئے ابھی دو ہی دن گذرے تھے اس
کو دوبارہ عدالت سے چھ مہینے با مشقت قید کی سزا ہوئی ہے کیونکہ
وہ بلیا گھاٹ میں ایک مکان سے دو سٹ اڑا کر لے جانے کی
کوشش کر رہا تھا کہ پکڑا گیا ۔

ملزم نے بیان دیا کہ جب وہ جیل سے رہا ہوا ہے وہ اس وقت
سے بھوکوں مر رہا تھا اس لئے چوری کرنے پر مجبور ہوا ۔

یہ حقیقت ہے کہ جیل سے باہر جا کر قیدی کی انتہائی ناگفتہ بہ حالت ہوتی ہے دھیلے دھیلے سے محتاج، نہ پہننے کو کپڑا، نہ ٹھہرنے اور رہنے کو کوئی جگہ، بے سہارا اور بے در ہوتا ہے۔

نتیجہ ظاہر ہے مجبوری عادی مجرم کا خطاب دلواتی ہے جس سے پبلک اور پولیس دائمی پریشانیوں کا شکار بنتی ہے۔ اگر اس کی شادی کی جائے یا وہ شادی شدہ ہو تو اغلباً اس کی اولاد بھی جرموں میں پرورش پائے گی اور مجرم بنیگی۔

اس قسم کے مشاہدے صرف بنگال ہی میں نہیں ہوتے بلکہ ہر اُس جگہ ہو سکتے ہیں جہاں کوئی قیدیوں کی امدادی سوسائٹی نہ ہو گی اور قیدیوں کی اعانت پر کوئی توجہ نہ دے گا۔

ہندوستانی جیل کمیٹی کے ممبران اپنی رپورٹ میں اس بات پر مصر ہیں کہ رہائی کے بعد قیدیوں کی امداد کی جائے چنانچہ وہ اپنی رپورٹ کے باب ۱۴ پیرہ ۵۶۳ میں فرماتے ہیں:۔

> رہا شدہ قیدیوں کی امداد رہبری کے لئے ایک قابل و محنتی جماعت کی ضرورت ہے، اس امر کو عام شائستہ اور مہذب ممالک نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ ایک فرانسیسی مصنف لکھتا ہے۔
>
> ہماری اصلاحات رائیگاں جائیں گی اگر قیدی کو رہائی کے بعد ایک دم جیل سے باہر نکال دیں گے جبکہ زندگی کی مشکلات کا سامنا کرنے کے لئے کوئی اعانت و امداد قیدی کو حاصل نہ ہو!!
>
> مسٹر تنزا اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں۔

مجرم کی زندگی میں وہ لمحہ زیادہ خطرناک نہیں ہوتا جبکہ اُسے سوسائٹی سے علیحدہ کرکے قید میں مقید کیا جاتا ہے بلکہ وہ لمحہ انتہائی پریشان کن ہوتا ہے جبکہ وہ جیل کے دروازوں کے کھلنے کے بعد دُنیا میں واپس آتا ہے اور اپنا کیرکٹر کھو چکا ہوتا ہے اور خوبیوں سے محروم کردیا جاتا ہے جن کا وہ عادی ہو چکا تھا۔ وہ مہینوں سالوں قید کی مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد پریشان حالی میں لوگوں کے درمیان آکر کھڑا ہوتا ہے جبکہ اس کی جیب میں کوئی پیسہ نہیں جس سے وہ اخراجات کو بھی پورا کر سکے۔

یہ چیزیں ہندوستان میں اتنی صحیح ہے جتنی کہ دوسرے ممالک میں قیدیوں کو رہا ہو کر کام کی تلاش میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں انکی انفرادی کوشش بیکار جاتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اب مناسب منظم سوسائٹی کا وجود عمل میں آگیا ہے جس سے رہا شدہ قیدیوں کی امداد حاصل ہو۔ اور ہمارا خیال ہے کہ ان کو ترقی دینے کے لئے جلد قدم اٹھنا چاہئے"

اس مفید کارآمد کام پر بہت سے ناواقف لوگ نکتہ چینی کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اس قسم کی سوسائٹی کی ضرورت نہیں۔ اور نہ گنجائش ہے۔

حالانکہ ان کو معلوم نہیں ہے کہ ہر سال یوپی کی جیلوں سے کم و بیش بیس ہزار قیدی رہا ہوتے ہیں اور ۱۹۲۲ء میں صوبہ مدراس کی جیلوں سے ۲۲۳۱۲۷ قیدی رہا ہوئے جنمیں ۲۷۴۵ قیدی ایسے تھے جو پہلے قید کاٹ چکے تھے۔ اگر ان کی معقول

مدد کی جاتی تو وہ ہرگز دوبارہ جرم کے مرتکب نہ ہوتے اور ان کی کافی تعداد دوبارہ جیل جانے سے محفوظ رہ جاتی ۔

سیتش چندر رائے کی مثال کو مدّنظر رکھتے ہوئے حسب ذیل امدادوں پر غور کیجئے، جو مختلف صوبوں، ضلعوں کی سوسائٹیوں کے ذمہ دار لوگوں نے رہا شدہ قیدیوں کے ساتھ کیں ـــــ مدراس سوسائٹی کی رپورٹ ۳۳-۱۹۳۲ء ملاحظہ ہو۔ [۵]

(۱) ایک سابق بورسٹل جیل کے قیدی کو ۴۴ روز تک سوسائٹی نے کھانا کھلایا اور کوشش کرنے کے بعد مینٹل ہسپتال مدراس میں وارڈوں کی جگہ ملازمت کی دلوائی ۔

(۲) ایک عارضی قیدی کو ایک ریسٹورنٹ میں اٹھارہ روپیہ کی ملازمت ملی۔

(۳) ایک بورسٹل قیدی کو بینی اینڈ کمپنی لمیٹڈ میں قلی کی ۱۵ روپیہ پر نوکری ملی۔

(۴) ایک سابق قیدی کو بارہ روپے کی جیل میں سوسائٹی نے ملازمت دلوائی اور ساتھ ہی اس کی بیوی کی ملازمت کی کوشش کی ۔ چنانچہ دونوں ملازمت کی وجہ سے خوش و خرم ہیں ۔

(۵) ایک مسلمان کو بھوانی ہسپتال میں ملازم کرایا ۔ مدراس میونسپلٹی میں ایک بورسٹل قیدی کو بھنگی کی ملازمت دلوائی ، اور دوسرے بورسٹل قیدی کو برہمپور میں وارڈر کی جگہ ملازم کرایا اور ایک سابق قیدی کو کوٹالہ میں

---

[۵] آل انڈیا ایڈ یا امداد قیدیان سوسائٹی رپورٹ ۳۵-۱۹۳۴ء صفحہ ۳۲، ۳۵

سوٹرڈ رائیوری کی جگہ دلوائی۔

یو۔پی کی سوسائٹی نے ۱۹۳۴ء میں ۲۹ رہا شدہ قیدیوں کو ملوں، ناگپور میونسپلٹی اور ایسے ہی اداروں میں ملازم کرایا جو ننہ ہبٹس قیدی جس کو ۴۴ کے ماتحت سزا ہوئی تھی اور جس کے دو بچے اور ایک بیوی تھی اس کو مئی ۱۹۳۴ء میں دس روپے، جون میں پانچ روپے۔ جولائی میں دس روپے اور لکھنؤ جانے کے لئے اٹھارہ روپے دیئے۔ [1]

ان امدادوں کے نتائج پر نظر ڈالئے کیا وہ قیدی جس کی ۴۴ روز سوسائٹی نے کھانے کی امداد کی ہو وہ بغیر امداد کے جرم سے بچ سکتا تھا۔ کیا جن قیدیوں کو سوسائٹی نے ملازم کرایا اگر وہ ملازم نہ ہوتے تو جیل کا رُخ نہ کرتے" کرتے اور ضرور کرتے، لیکن ان کے لئے ان کے بھائیوں کی ہمدردی سد راہ ہو گئی۔ ایسی مفید تدبیر کی مخالفت کرنا مناسب اور صحیح نہیں ہے۔

لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ صرف چند غیر سرکاری لوگوں پر اتنے اہم کام کی ذمہ داری سونپ دی جائے اور اس ذمہ داری سے حکومت اپنے آپ کو سبکدوش کرلے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ امدادی سوسائٹیاں قیدیوں کے لئے رہبری کا کام دے سکتی ہیں اور انتہائی مفید بھی بن سکتی ہیں مگر مکمل طور پر نہیں۔ یو۔پی کی سوسائٹی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اس طرح کی

---

[1] رپورٹ آل انڈیا امداد قیدیان سوسائٹی ۳۵-۱۹۳۴ء صفحہ ۲۸، ۲۹

بدانتظامیوں کا شکار قیدیوں کو نہیں بنایا جا سکتا۔ جماعتوں کے تجربے ظاہر کرتے ہیں کہ قانون کے مقابلہ میں وہ آزاد ہوتے ہیں، وہ انتظام مکمل بھی کر سکتے ہیں اور نامکمل بھی، اس لئے ضروری ہے کہ حکومتِ ہند اپنے سابقہ تجربے پر عملدرآمد کرانے کے لئے صوبہ جاتی حکومتوں کو مجبور کرے کہ وہ قیدیوں کو آئندہ سے سوا روپیہ دینا لازمی کر دے تاکہ اس طریقہ سے کوئی قیدی امداد سے محروم نہ رہ سکے۔ اور جرم کی طرف مائل نہ ہو۔

پولیٹیکل قیدی[1]

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد ملک کی آزادی کی جد و جہد میں جو شخص حصہ لیتا
اور آزادی کے حصول کے لیے خلاف قانون حرکت کرتا تھا اس کے س
وہی سلوک کیا جاتا تھا جو چور، بدمعاش اور ڈاکو کے ساتھ ہوتا تھا، اس
کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی اور نہ اس کے ساتھ کوئی امتیازی س
روا رکھا جاتا تھا۔ تفتیش میں جس طرح چور پہ مار پڑتی تھی اسی طرح پولیٹیکل
کو کوٹا جاتا تھا، اور مار کے بل پر اقبالِ جرم کرانے کی کوشش کی جاتی تھی
چنانچہ مولانا محمد جعفر تھانیسری جو ۱۸۶۳ء میں تحریک وہابیان کے
سلسلہ میں گرفتار ہوئے تھے اپنی تصنیف "کالے پانی" میں اپنی زندگی کو
حال لکھتے ہیں۔

دوسرے دن فجر کے وقت پارسن صاحب وغیرہ میری کوٹھری
میں آئے اور مجھ سے کہا کہ تم اس مقدمہ کا سب حال بتا دو تمہارے
واسطے بہت بہتر ہوگا۔ میں نے کہا میں کچھ نہیں جانتا۔

---

[1] وقت اس عنوان پر آزادی کے ساتھ لکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ نہ ہو
کے برابر جو کچھ لکھا جا سکتا ہے وہ حاضر ہے۔

اس وقت پارسن صاحب نے مجھ کو بہت دھمکایا اور پھر مارنا شروع کر دیا۔ جب میری مار حد کو پہنچی اور گر پڑا تو وہ باہر چلے گئے۔ اگلے دن جب میں روزے سے تھا علی الصبح پارسن صاحب پھر آیا اور پھر وہی کارروائی شروع مگر تھوڑی زد و کوب کے بعد مجھ کو اپنی بگھی میں بٹھا کے ٹائی صاحب کے بنگلے میں لے گیا۔ انہوں نے میری خوشامد کی۔ انکار کرنے پر ایک کمرے میں لے گئے جہاں لیجا کر پھر مارنا شروع کیا۔ میں کہاں تک لکھوں آٹھ بجے رات تک مجھ پر اس قدر مار پیٹ ہوئی کہ شاید کسی پر ہوئی ہو۔

کھانا پولیٹیکل قیدیوں کی بھی یہی حالت تھی ان کو عام قیدیوں کی طرح رکھا جاتا تھا۔ کھانا بدترین قسم کا ملتا تھا۔ صاحب تواریخ عجیب نے جیل میں جیسا کھانا کھایا اس کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

دو روٹیاں اور تھوڑا سا ساگ میرے حوالے کیا گیا۔ ساگ میں سوائے موٹے موٹے ڈنٹھلوں کے پتی کا نام نہ تھا۔ جن کا چبانا بھی دشوار تھا۔ روٹیوں میں قریب چوتھائی کے بالو اور مٹی ملی تھی اس کے بعد اکثر جیل خانوں میں وقتاً فوقتاً رہ کر دیکھا تو سب جگہ قیدیوں کا کھانا ویسا ہی پایا کیونکہ قیدیوں کو درا صل جو خوراک ملتی ہے اس سے ان کا پیٹ نہیں بھرتا اور جب ان کو گیہوں پیسنے کے لئے دیئے جاتے ہیں تو وہ مارے بھوک کے سیروں گیہوں چبا جاتے ہیں یا کچا آٹا پانی میں گھول کر پی لیتے ہیں اور آٹے کا وزن پورا کرنے کے واسطے

آٹے میں بالو یہ مٹی ملا دیتے ہیں اور اس طرح جو عمدہ ترکاری جیل کے باغوں میں پیدا ہوتی ہے اس کو جیل کے عہدیدار کھا جاتے ہیں۔ ناکارہ ڈنٹھل جن کو جانور بھی نہ کھائیں گنڈاسوں سے کاٹ کر قیدیوں کے واسطے پکا دیتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ عام قیدیوں کے مقابلہ میں پولیٹیکل قیدیوں کے ساتھ انتقامانہ ... کیا جاتا تھا اور ارادۃً ذلیل کرنے کے منصوبے گانٹھے جاتے تھے۔

۱۹۱۳ء میں لاہور سنٹرل جیل کے اندر پولیٹیکل قیدیوں کا جو ... کیا گیا تو ان پر یہ عتاب ہوا۔

... کل قیدی ایک ایک قطار کر کے دروازہ پر بٹھلائے گئے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل نے ان کا معائنہ کر کے غصہ کے ساتھ حکم دیا کہ ایک ایک آڑا ڈنڈا بھی ان لوگوں کے پاؤں میں ڈال دو۔ چنانچہ ایک آڑا ڈنڈا جو ایک فٹ ۵ گرہ سے زیادہ لمبا ڈال دیا گیا۔ یہ حکم ازراہ تعصب فقط ہم لوگوں کے واسطے تھا اور تمام جیل میں ہم نے کسی اور قیدی کے پاؤں میں یہ ڈنڈا نہیں دیکھا تھا چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا نہایت مشکل ہو گیا اور رات کو پاؤں پسار کر سونا بھی محال تھا۔ (کالا پانی ص۲۹)

لباس عجیب و غریب ہوتا تھا گیروا اور کمبل کا کرتہ پاؤں میں بیڑی ... اور ان خطا کر دیتے تھے اور اس پر طرہ یہ کہ اگر ڈاڑھی ہے اور ... وضع مسلمان ہے تو اس کی ڈاڑھی قینچی کی نظر کر دی جاتی تھی

جیل میں داخلہ کے بعد مولنا محمد جعفر تھانیسری کو سب سے پہلے یہ روح
سانحہ پیش آیا۔ آپ لکھتے ہیں :-

ھی مونڈھنے کا دستور

جیل خانے کے دستور کے موافق مقراض سے ہماری ڈاڑھی، مونچھ اور سر کے بال وغیرہ
ں کر منڈی کھیٹر سا بنا دیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ مولوی یحییٰ علی صاحب
ڈاڑھی کے گرے ہوئے بالوں کو اٹھا کر کہتے تھے کہ افسوس نہ کر تو خدا
اہ میں پکڑی گئی اور اس کے واسطے کتری گئی۔

ذ کوٹنے کی مشقت

مشقتوں میں بھی پولٹیکل قیدیوں کو محنت سے سخت مشقت دی جاتی تھی، کاغذ کوٹنے کی
ٹکی کا کام جو جیل میں سب سے زیادہ سخت کام تھا۔ اس کے دینے
بھی جیل افسران گریز نہیں کرتے تھے۔ سوت کھولنے اور ردی کاغذ کے
ٹنے کی مشقت تو عام طور پہ دی جاتی تھی۔

ل چالان

جب قیدیوں کا چالان ایک جیل سے دوسری جیل میں جاتا تو ان کو جیل سے اسٹیشن تک لے جانے کے لئے پیدل
ت طے کرنا پڑتا تھا۔ جس کا منظر یہ ہوتا تھا۔

> "پاؤں میں بیڑی، سر پر بستر، جس کو ایک ہاتھ سے تھامے
> ہوئے اور دوسرے ہاتھوں میں ہتھکڑی کی گلجوٹ، اس پر سپاہیوں
> کی بار بار، کہ جلدی جلدی چلو ریل چلی جائے گی۔"

ت نکلنے پر بید کی سزا

سزائیں بھی معمولی معمولی خطاؤں پر دی جاتی

تھیں۔ تلاشی ہوتی اور ذرا سا نمک بھی نکل آتا تو بیدیں لگائی جاتیں اور لہولہان ہونا پڑتا تھا۔ غرض کہ وہ طریقہ جو ایک عام قیدی کے ساتھ برتا جاتا تھا وہ پولٹیکل قیدیوں کے ساتھ بھی کیا جاتا تھا۔ انسان اور جانور برابر تھے۔ ہیرا اور مٹی ایک داموں بکتا تھا۔

یہی صورت و حالت ۱۸۹۳ء میں ہی نہیں بلکہ ۱۹۰۸ء میں بھی قائم تھی۔ ہندوستان کے مشہور قوم پرست لیڈر مولانا حسرت موہانی کے ساتھ جیل میں جو سلوک ہوا اس کو مولانا موصوف نے اپنے رسالہ میں اس طرح لکھا ہے :۔

۱۹۰۸ء کا لباس

۴۔ اگست ۱۹۰۸ء سے قید سخت کا آغاز اس طرح ہوا کہ کچہری سے جیل واپس بھیجتے ہی ایک لنگوٹ ایک جانگیا اور ایک کرتہ ایک ٹوپی پہننے کو، اور ایک ٹکڑا ٹاٹ کا اور کمبل اوڑھنے بچھانے کے واسطے اور ایک قدح آہنی بڑا اور ایک چھوٹا دیگر جملہ ضروریات کو رفع کرنے کی غرض سے مرحمت ہوا۔ ان چیزوں کے سوا قیدیوں کو اور کوئی شے پاس رکھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ابتدا میں بحالت نیم برہنگی فریضۂ نماز کے ادا کرنے میں تکلیف ہوتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ اپنی مجبوری و بے بسی کے احساس نے اس کا بھی خوگر بنا دیا۔

جیل کی سخت ترین مشقت چکی سے پہلے ہی روز سابقہ پڑا اور راقم نے بمصداق بر سر اولاد آدم ہرچہ آید بگذرد اس جبری خدمت کو بسر و چشم قبول کیا اور تقریباً ساری مدت روزانہ ایک من آٹا پیسنے سے سروکار رہا۔ حالانکہ عام قیدیوں سے بھی عموماً چکی ایک یا دو ماہ سے زیادہ نہیں پسوائی جاتی۔

ریل کا کرایہ علی گڑھ سے الہ آباد جیل کی روانگی اور وہاں پہنچنے پر جو تکالیف کا سامنا ہوا اس کی نسبت "مشاہداتِ زندانِ فرنگ" کے تحت میں مولانا تحریر فرماتے ہیں۔

گورنمنٹ نے کرایہ کے علاوہ دوسری ضروریات کے لئے ایک پیسہ زاید نہیں دیا۔ یہاں تک کہ راستے میں قیدیوں کی خوراک کے لئے ایک آنہ فی روز کے حساب سے ملتا ہے۔ وہ بھی نہیں ملا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن صبح تک تھوڑے سے بھُنے ہوئے چنوں کے سوا کچھ کھانے کو نہ ملا۔

کثیف و غلیظ بدبودار کپڑے الہ آباد جیل میں داخل ہونے کے بعد علی گڑھ جیل کے کپڑے اتروا لئے گئے اور کہا گیا کہ کپڑے کچھ دیر میں ملیں گے۔ اس وقت تک کمبلے کپڑے پہنو جن کی کیفیت یہ تھی کہ ان سے زیادہ کثیف و غلیظ اور بدبودار کپڑوں کا تصور بہ آسانی ذہن میں نہیں آتا۔ لیکن مجبوراً وہی کپڑے پہننے پڑے۔

کتابیں جلانا عینک بھی اتروالی گئی۔ حالانکہ علی گڑھ میں معائنہ کے بعد اجازت مل گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد جیلر صاحب نازل ہوئے اور میرے ساتھ کے تمام اخباروں، کتابوں اور کاغذوں کو باستثنائے دیوان حافظ جلوا کر خاکستر کر دیا اور دفتر میں حاضر ہونے کا حکم صادر فرمایا۔

منتقمانہ سلوک دفتر میں مجھ کو غضب آلود اور قہر بار نگاہوں سے دیکھ کر ارشاد ہوا کہ "اگر یہاں ٹھیک طور سے نہ رہوگے تو

اسپتال بھیجدیئے جاؤگے۔ اور وہاں مار کر خاک کر دئے جاؤ گے"۔

اس کے علاوہ ان دفعہ داروں کو جو قیدیوں سے کام لیتے ہیں حکم ملا تھا کہ ان کے دماغ کی گرمی نکال دو۔

چنانچہ گرمی نکالنے کے لئے یہ قدم اٹھایا گیا کہ کچا غلہ کھانے کے الزام میں پیشی کرائی گئی جس میں تین دن کی رہائی ضبط کی اور اس کے بعد خراب چکی دے کر غلہ کم پیسنے کے جرم میں دو دن کے لئے رات کو ہتھکڑیاں ڈالنے کا حکم ہوا۔ یہ سب کچھ وارڈوں کی معرفت ہوتا تھا۔ اس کا علم سپرنٹنڈنٹ کو کچھ نہ تھا۔ مولانا لکھتے ہیں:۔

"میں چاہتا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ سے سب حال کہہ دوں۔ لیکن برقنداز کو پیٹی اتار کر زدوکوب پر آمادہ پاکر میں نے خاموشی اختیار کی اور معاملے کو خدا کے سپرد کیا"۔

برہنہ کرکے تلاشی لینا جوں جوں قید کے ایام گزرتے تھے مولانا پر سختی ہوتی جاتی تھی۔ اور نائب جیلر ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا تھا۔ کتابوں کا پڑھنا، کتابوں کا رکھنا حتی کہ شاعری کی بیاض کو چھونا جرم تھا۔ ایک پڑھے لکھے اور عالم و فاضل انسان کے لئے علم وفنون کی یاد تازہ کرنا بڑا پاپ سمجھا جاتا تھا۔

مولانا کے دوست منشی عبدالحق جو شعر و شاعری سے ذوق رکھتے تھے۔ ایک روز اپنے ہمراہ متفرق اشعار وغزلیات کا ایک مجموعہ لے آئے۔ جسے جیل پریس کے خوش مذاق قیدی نے اپنا دل بہلانے کے لئے مرتب کیا تھا۔

وہ بیاض مولانا کو دکھائی۔ مولانا اس کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔ مگر اس واقعہ کی اطلاع کسی نے نائب جیلر سے کر دی۔ وہ دفعتاً کئی برقندازوں کے ہمراہ چکی خانہ میں آیا۔ اور فرداً فرداً ہر قیدی کو بالکل برہنہ کر کے تلاشی لی۔ مطلب تو اس کا مولانا پر الزام لگانا تھا۔ مگر مولانا کے پاس کچھ نہ نکلا مگر اس بہانے سے وہ ان کو برہنہ کر کے اپنی کم ظرفی کا ثبوت دے گیا۔

بیخانہ پر بیڈ اس زمانہ میں خوراک کی بھی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ جوار، باجرہ، ماش اور گیہوں کے مخلوط آٹے کی کچی روٹی دی جاتی تھی جس میں گیہوں کی مقدار سے کچھ ہی کم مٹی یا چونہ ملا ہوا ہوتا تھا۔ روٹی کچی ہوتی تھی اور تانوناً نو چھٹانک وزن ملنے کے بجائے چھ چھٹانک وزن کی روٹی ملتی تھی جس کو مولانا حسرت نے ایک مرتبہ تول کر دیکھا۔ سبزی بھی انتہائی لنفرت زدہ ہوتی تھی اور خاص طور پر رات کو پخانہ کرنے کا کوئی معقول انتظام نہ تھا جس سے بعض اوقات سخت تکلیف ہوتی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں:-

> صبح کو جب بارک کا دروازہ کھلتا ہے تو سب قیدی ایک ساتھ پاخانے جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیسیوں قیدیوں کو آخر تک منتظر رہنا پڑتا ہے۔ اور کبھی کبھی جب گھنٹی سے کام لیا جاتا ہے۔ تو اور بھی زیادہ دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ گھنٹی دو تین منٹ سے زیادہ پاخانے میں رہنے کی اجازت نہیں دیتی۔ جس کے بعد بلا توقف باہر نکل آنا چاہیئے۔ اس بات کی پرواہ نہیں کی جاتی کہ کل قیدی فارغ ہوئے

ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔"

قتیں

۱۹۰۸ء میں عام قیدیوں کی طرح پولیٹیکل قیدیوں سے کولھو چلانا، کنواں کھینچنا، مونج کوٹنا، چکی پیسنا، بان بٹنا وغیرہ مشقتیں اتی تھیں۔ اور مشقتیں پوری کرانے میں جیل کا تمام عملہ پولیٹیکل قیدیوں پیچھے پڑا رہتا تھا۔ اور اس کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ پولیٹیکل قیدیوں کو ایک ں چین سے نہ بیٹھنے دے۔

ھو چلانا

انہی غیر شریفانہ سلوک اور بہیمانہ مشقتوں کا ذکر اربندو گھوش کے بھائی برندر کمار اپنی جیل آپ بیتی میں کرتے ہیں [1]

> نئے سپرنٹنڈنٹ نے آتے ہی پولیٹیکل قیدیوں کو کولھو میں جوت کر تیل نکالنے کا نیا دھندا پیدا کیا۔ ایک آدمی کو دن میں ۱۵ سیر سرسوں کا تیل نکالنا پڑتا تھا۔ بڑے بڑے پہلوانوں کے بھی کولھو چلانے میں دم ٹوٹ جاتے تھے۔ پوری پہلوانی تھی۔ آٹھ دس منٹ میں دم چڑھ جاتا تھا۔ اور حلق سوکھنے لگتا تھا۔ گھنٹہ بھر میں تو ہاتھ پاؤں مٹی ہو جاتے تھے۔

نند گوپال پنجابی کھتری اور لمبے چوڑے جوان تھے۔ بغاوت کے جرم دس سال کے لئے کالے پانی بھیجے گئے تھے۔ یہ "الہ آباد" سوراجیہ کے ٹر تھے۔ جب کولھو چلاتے چلاتے تھک گئے۔ تو انہوں نے انکار کیا۔

سپرنٹنڈنٹ نے دیکھا کہ نند گوپال سے پندرہ سیر تیل نکلنے کی امید نہیں ہے اسلئے پاؤں میں ڈنڈا بیڑی ڈال کر تاحکم ثانی سنگین تنہائی کوٹھری میں بند کر دیا۔

رکھشا چلانا ادھر کولھو چلاتے چلاتے اوناش چندر ادھ مرا ہو گیا۔ دس بجے کے بعد اس کی کام کرنے کی طاقت ہی زائل ہو جاتی تھی اعضا بے حس ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ہمارے ساتھیوں کی صحت خراب ہونے لگی جس پر جیل کے افسروں نے حالت کو تبدیل کرنا ضروری سمجھا اس لئے ہم میں سے چند ایک کو انتخاب کر کے کارونیشن دربار کے کام پر جیل خانہ کے باہر عمارت کے کام پر بھیجا۔ بریندر کمار کو مستری کے پاس گارا دینے کے کام پر بھیجا گیا۔ الاسکر کو اینٹ بنانے اور کسی کو لکڑی کاٹنے کے کام پر روانہ کیا۔ کسی کو رکھشا گاڑی کھینچنے پر لگایا گیا۔ یہ مشقت کالے پانی کے قیدیوں سے بلا روک ٹوک اور بلا جھجک لی جاتی تھی۔

یہ دور ایسا تھا جس میں پولٹیکل قیدی پر کوئی رحم نہیں کیا جاتا تھا بلکہ افسران جیل ان پر سختیاں کرنا اپنی ترقی و وفاداری کا باعث سمجھتے تھے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ یہ حکومت کے باغی جس قدر ستائے جائیں گے اور پریشان کئے جائیں گے۔ اسی قدر ہم پر حکومت کی نظر عنایت ہوگی۔ اور ہم اونچے مدارج پر پہنچیں گے۔

پتھر پھوڑنا چنانچہ مسٹر اچیت راؤ وکیل ایڈیٹر اخبار ناگپور پر جو سختیاں کی گئیں وہ اس نظریہ کی شاہد ہیں۔

آپ کو شروع ہی میں پتھر توڑنے کا کام دیا گیا۔ ایک قیدی کو ہر روز

چھ مربع فٹ پتھر کے ٹکڑے توڑنے پڑتے تھے ہتھوڑی کی چوٹ سے انگلیا
پھوٹ پھوٹ کر علیحدہ ہو جاتی تھیں۔ پتھر کے ٹکڑے پٹک پٹک کر جسم
زخمی کر دیتے تھے۔ اگر کہیں دانت اور ہونٹوں میں لگ جاتا تو جسم میں کپکپ
آجاتی تھی۔ چنانچہ یہی حال وکیل صاحب کا ہوا۔ وہ کچھ عرصہ کے بعد ر
پکانے اور چکی پیسنے کی مشقت پر لگائے گئے، ان مشقتوں میں ان کے سا
پانچ ماہ گذر گئے۔ جیل افسران بھی ان سے غافل نہ تھے۔ بیس رپورٹیں ک
چکے تھے۔ جس کے نتیجے میں وکیل صاحب ہتھکڑی، بیڑی، ڈنڈا بیڑی، کھ
ہتھکوڑی اور ٹاٹ وردی کی سزا پا چکے تھے۔

ٹاٹ وردی کی سزا

ٹاٹ وردی کی سزا میں ان پر کیا گزری۔ یہ ان
کی قلم سے سنئے۔

مارچ، اپریل اور مئی کے مہینوں میں صوبہ متوسط میں بڑی سخت گرمی ہوتی ہے لیکن ان تینوں ماہ بدقسمتی سے مجھے ٹاٹ وردی پہننی پڑی جن قیدیوں کو ٹاٹ وردی کی سزا دیجاتی ہے انہیں ناگپور جیل میں ٹاٹ کا کرتا اور ٹاٹ کا ہی لنگوٹ دیا جاتاہے دوسرے قیدی اپنی مرضی کے مطابق اپنا کپڑا گرمی میں اتار سکتے ہیں۔ لیکن ٹاٹ وردی والوں کو ۲۴ گھنٹے برابر یہ ٹاٹ کی کاٹنے والی پوشاک پہنے رہنا پڑتا ہے۔ ٹاٹ وردی پہنے ہوئے پسینہ میں ان کی نوک دار چبھن بدن پر چبھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی سوئیوں کے فرش پر سو کر تپسیا کر رہا

ہے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ٹاٹ کے کانٹے بدن میں چبھتے تھے اس پوشاک سے سچ مچ میں ایک چلتا پھرتا دوزخ معلوم ہوتا تھا۔

اپریل، مئی کے دن جلتی ہوئی دھوپ کی گرمی، کانٹوں سے چھلنی ہوا بدن، جسم پسینہ سے تربتر۔ نہانے کا نام نہیں، پسینہ پونچھنے کے لئے بھی پاس کوئی رومال یا انگوچھا نہیں ایسی حالت میں خیال کیجیے کہ کتنا عذاب سہنا پڑا ہوگا۔ ٹاٹ کے کپڑے میں پسینہ کی بو کے سبب سینکڑوں قسم کے کیڑے اور جوئیں پڑ گئی تھیں جسم کے تمام حصوں پر جوئیں لام باندھے دوڑتی اور خون چوستی تھیں اس بدبو کے سبب روٹی کھانے کو بھی دل نہ چاہتا تھا۔

جسم پر ٹاٹ کی وردی تو پہلے ہی نصیب ہو گئی تھی اسی وقت پاؤں میں بیڑیاں بھی عطا کی گئیں۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے بخار آنے لگا۔ ساری رات بخار رہتا تھا۔

خودکشی یہ ظالمانہ اور جابرانہ مشقتیں یہ فرعونی سختیاں کون برداشت کر سکتا تھا۔ چنانچہ بعض غیرت مند پولیٹکل قیدی بے عزتی اور گالیوں سے گھبرا کر خودکشی کو بہتر سمجھتے تھے۔ چنانچہ بابو اپندر کمار ایسے موقعوں کا ذکر اپنی آپ بیتی میں کرتے ہیں۔

اس وقت ایک دردناک واقعہ ہوا اندوبھوشن نے خودکشی کر لی اس
مضبوط جسم، سخت سے سخت کام میں نہیں گھبرایا۔ لیکن وہ بے عزتی اور
لیوں سے پاگل ہوجاتا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ اس بے عزتی سے جینا میرے
ناممکن ہے۔ ایک دن رات کو اپنا کرتا پھاڑ کر اس کی رسی بنائی اور
ونٹی سے باندھ کر گلے میں پھندا ڈال دیا۔"

گل پن

پاگل پنے کی نسبت بھی سُن لیجئے، کس طرح پاگل اور دیوانہ بنائے جاتے تھے۔

اس وقت جتنے قیدی باہر گئے تھے جیل میں واپس آنے لگے، کچھ
س لئے کہ باہر عمارت کا کام ختم ہو گیا تھا۔ اور کچھ بیمار ہو کر۔ الاسکر دت
ں واپس آگیا۔ اسے دھوپ میں بیٹھ کر امینٹ بنانے کا کام دیا گیا تھا۔
۱۲-۱۳ مہینے دھوپ میں بٹھا کر الاسکر سے اینٹیں بنوائی گئیں۔ آخر
آ کر اس نے کام سے انکار کیا اس لئے اسے واپس جیل بھیجا گیا یہاں
سات روز تک ڈنڈا بیڑی لگا کر کھڑا کیا۔ وہ بچارا پہلے دن بخار
زور سے بے ہوش ہو گیا اسے ہسپتال بھیجا گیا۔ رات کو اس کا بخار
ڈگری تک بڑھ گیا۔ بخار اترا لیکن اب وہ الاسکر نہ تھا سخت
سخت مصیبتوں میں جس کے منہ سے اُف نہ نکلتی تھی وہ الاسکر
ہو گیا۔

۱۹۱ ء میں پولیٹکل قیدی

بھائی پرمانند بھی ۱۹۱۵ء میں اسی سلوک کا ذکر کرتے ہیں۔ اُن کے

دور میں بھی پولیٹیکل قیدی کو ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ اور جیل کے نمبرداروں کو
ہدایت کر دی جاتی تھی کہ پولیٹیکل قیدی اچھوتوں کی طرح کسی قیدی سے بات
نہ کریں اور جب کھانا کھاتے تھے تو عام قیدیوں سے الگ بٹھلائے جاتے
تھے۔ حالانکہ عام قیدی سب مل جل کر کھاتے تھے۔

خراب کھانا اور جوں دار کپڑے

کھانے میں خراب دال، سوکھی اور
سڑی ہوئی دو روٹیاں جو کی ریت
دار ادھ کچرے چاول، پتے اور گھانس دار سبزی ملتی تھی اور مشقت میں چکی
جس کو بھائی جی نے بھی چلایا اور پھانسی کوٹھڑی میں رہے۔ جو سنگین
مجرموں کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ چنانچہ روٹی اور کپڑوں کے سلسلہ
میں بھائی جی لکھتے ہیں:-

> تھوڑی دیر میں دو قیدی اور ساتھ ساتھ سپاہی کھانا لائے
> ایک پیالہ میں پانی اور دوسرے میں دال، اور دو روٹی ہاتھ
> میں دے کر اگلی کوٹھڑی کو روانہ ہوئے۔ روٹی جو کی بنی ہوئی
> تھی اس میں خاصہ حصہ ریت بھی تھی دال سڑی ہوئی اور معلوم
> نہیں ہو سکتا تھا کہ کس اناج کی ہے۔ ایک ہی لقمہ روٹی کا
> منہ میں ڈالا دوسرا ڈالنا ناممکن ہو گیا۔ پانی سے منہ صاف
> کر لیا۔ اور بیٹھ رہا۔ اندھیرا ہو گیا بھوکے پیٹ رات گذارنے
> کا فکر تھا ابھی کمبل بچھا کر لیٹا ہی تھا کہ تمام بدن کے ساتھ
> جوئیں چمٹ گئیں۔ دونوں کمبل جوؤں سے بھرے ہوئے

تھے۔ کمبل اٹھا کر پرے پھینک دیئے اور کھڑی کے اوپر لیٹ
رہا پھر بھی جوئیں کافی چڑھ چکی تھیں۔

انا پریڈ یہ روٹی کس طرح کھانی پڑتی تھی اور روٹی پریڈ کا کیا طریقہ تھا
یہ کوئی ڈپٹی افسر یا ٹنڈیل پکارتا تھا برتن ہاتھ میں لو۔ ایک
ت میں بیٹھ جاؤ۔ چاول کا ڈبہ ڈالا۔ دال کی کرچھی پڑی تھوڑی سی
اری دو چھوٹے سے پھلکے مل گئے چار پانچ منٹ کے اندر سو ڈیڑھ سو
ی کو کھانا بانٹ کر بھنڈاری دوسرے احاطہ میں جا داخل ہوئے۔
رہ منٹ گزرے کھانا کھا کر اٹھ جاؤ، پلیٹ صاف کرو اور لائن میں
اپنی اپنی یا قطار میں بیٹھ جاؤ"۔

یکل قیدی کے بینتیں لگنا

خود دار انسان، حس رکھنے والی ہستیاں اور قوم کی غلامی کے پھندے
ش باش کرنے والے افراد، بھلا ایسے ذلت آمیز اور منتقمانہ سلوک کو
ہ برداشت کر سکتے ہیں۔ وہ جیل میں محکومیت کی لعنت کو ختم کرنے کی
ش میں بھیجے جاتے ہیں۔ وہ جیل میں محکومیت کو کیسے پسند کریں۔
ں جیل کے قانون کو مانیں اس کش مکش میں ان کی قید بیت جاتی ہے
سی قانون کو نہیں مانتے۔ ان کی خودداری کی قدر بھی ہوتی ہے۔ لیکن
ں افسران اس کو کچلنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ بھائی پرمانند جی اپنے ہمنام
اپنے ساتھی پولیٹیکل قیدی کا ایک واقعہ لکھتے ہیں:۔
پرمانند نے کام کرنے سے انکار کیا۔ اس نے کہا مجھ سے

یہ کام نہ ہوگا۔ جیلر غصہ سے بڑبڑانے لگا۔ اور کرسی سے ہاتھ دکھانے کے لیے اٹھنے لگا پرمانند نے اسے دھکا دیا وہ کرسی پر گرا۔ کرسی گر گئی وہ نیچے جا پڑا۔ جمعدار وغیرہ نے پرمانند کو پیٹا۔ اس کے سر سے خون نکل آیا۔

سپرنٹنڈنٹ کو ٹیلی فون کیا۔ چار پانچ دن کے بعد سپرنٹنڈنٹ نے مقدمہ کیا۔ اور تمام جیل کے پھاٹک وغیرہ بند کر اکے پرمانند کو بید لگانے کی سزا دی۔ اسے تیس بید لگے۔

مراعات یا تفریق

یہ سلوک یقیناً قابل اعتراض اور ناقابل برداشت تھا چنانچہ پبلک ایجی ٹیشن ہوئے ملک کے گوشہ گوشہ میں صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ تو حکومت نے پولٹیکل قیدیوں کو امتیازی درجہ دیا۔ اور بی کلاس میں ان کو منقسم کرنا شروع کر دیا اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ پولٹیکل قیدیوں میں پھوٹ پڑنے لگی۔ چھوٹے بڑے اے کلاس اور بی کلاس کا احساس ہونے لگا۔ جس کو کلاس مل جاتی تھی وہ دوسرے کے سلوک سے لاپرواہ ہو جاتا تھا۔ یا ادنیٰ درجہ کا کلاس والا جب مصیبتیں برداشت کرتا تھا تو اس کو اے کلاس کی رحمتوں اور نعمتوں کا خیال آنا قدرتی بات تھی جس سے نفرت و حقارت کا پیدا ہونا لازمی تھا، چنانچہ آئے دن جیلوں میں اسی عنوان پر جھگڑے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اسی تنازعہ کو مولانا فضل حق صاحب اپنی کتاب "میرا افسانہ" میں لکھتے ہیں۔

اے کلاس اور بی کلاس کے سیاسی قیدیوں میں کچھ عرصے سے کشمکش جاری تھی۔ بی کلاس کا تقاضا تھا کہ اے کلاس کو مراعات سے مستفید ہونا اصول مساوات کے منافی ہے، اس جھگڑے کی صورت روز بروز دل شکن ہو رہی تھی، آئے دن آپس میں تکرار اور تھو تو کا فضیحتی ہوتی رہتی تھی۔

جس مراعات پر یہ کشمکش ہوتی تھی اور اصولوں کا واسطہ دیا جاتا تھا اس کی بھی حالت ملاحظہ کیجئے۔ اس وقت یعنی سنہ ۱۹۲۲ء کی اے کلاس کیسی تھی۔ مولانا افضل حق جو اے کلاس کے ہی نہیں بلکہ اسپیشل کلاس کے مالک تھے، اُنہوں نے کورنٹین کے دس دن جس کوٹھڑی میں گذارے اُس کی حیثیت یہ تھی۔

"مجھے ایک کوٹھڑی میں بند کر کے تالا لگا دیا گیا۔ میں اُس کوٹھڑی میں ایک قبر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ خیال کیا کہ یہ کسی قیدی بزرگ کی خانقاہ ہے اور فیوضِ روحانی سے بہرہ اندوز ہونے کا موقعہ دیا گیا ہے دیکھنے سے پتہ چلا کہ قبر بلا تعویذ ہے، گستاخ وارڈر نے کمبل قبر پہ بچھا کر کہا کہ اس پر آرام فرمائیے، وہ یہ کہہ کر چھلاوے کی طرح نکل گیا، اور میرے لئے یہ معمّہ حل طلب ہی رہا۔ میں نے اپنے ہمسایہ اسیرانِ فرنگ سردار بھگت سنگھ و دریا سنگھ سے جو علیحدہ علیحدہ قریب کی کوٹھڑیوں میں بند تھے، اس

قبر کے متعلق سوال کیا معلوم ہوا کہ یہ مٹی کا چبوترا قیدی کا پلنگ ہے اور عام طور پر اسے کھڈی پکارتے ہیں"۔

کھڈیاں ہوشیار پور جیل کی نسبت چوڑائی میں کم تھیں مجھے اس کا تلخ تجربہ اوّل رات ہی ہو گیا ہے کہ برتن کھڈی کے پاس پڑے تھے اور میں کھڈی پر سویا تھا، رات کا آدھا بجا ہو گا کہ میں کروٹ بدلتے ہی برتنوں پر آگرا، چوڑائی میں یہ کھڈیاں گھوڑے کی پیٹھ سے زیادہ چوڑی نہ تھیں، اسلئے اکثر قیدی گر کر سوار ہوتے تھے۔ اس رات میں تین دفعہ گرا، اس سے یہ ضرور ہوا کہ میں ہوشیار سوار ہو گیا۔

چنانچہ اس کھڈی پر اسپیشل کلاس کے قیدی نے اپنے قید کے ایام پورے کئے۔

خودداری کا خون

اسپیشل کلاس کا مالک بنا دیا گیا تھا لیکن ذلیل کرنے اور خودداری کو ٹھیس لگانے کی جیل افسران برابر کوششیں جاری رکھتے تھے، اور غلامانہ حیثیت اور ذہنیت کے طالب رہتے تھے، اُن کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ پولیٹیکل قیدی کو زندہ موت کے گھاٹ اُتار دیں اور بہیمانہ سلوک کا شکار بنائیں، روزانہ کشمکش رہتی تھی، کوئی ساعت کوئی لمحہ ایسا نہ گزرتا تھا جس میں پولٹیکل قیدیوں کی خودداری کا امتحان نہ لیا ہو۔ اس کشمکش سے ہر قیدی کو واسطہ پڑتا تھا۔ مولانا افضل حق بھی اس کا نشانہ بنائے گئے اس کی تفصیل اُن کی زبانی یہ ہے:-

ایک دن سپرنٹنڈنٹ اور انسپکٹر جنرل پولیس جیل کے ملاحظہ کے لئے آئے، میری کوٹھڑی میں بھی آیا، ابھی باہر کی دہلیز کے اندر قدم نہ دھرا تھا، سپرنٹنڈنٹ نے واویلا شروع کر دیا، فضل حق کھڑے ہو جاؤ، میں کہتا ہوں کھڑے ہو جاؤ۔ ان کا اضطراب اور میری خاموشی، ایک عجیب سماں تھا، دونوں انگریز افسر سلاخوں کے ساتھ حیرانی کے عالم میں سرنگوں کھڑے تھے۔ اور میں بیٹھا پان بانٹا کیا، آخر انسپکٹر جنرل نے مہر سکوت توڑا میرے متعلق سپرنٹنڈنٹ جیل سے چند سوالات پوچھے مگر مجھ سے کسی نے کچھ دریافت نہ کیا۔

ہتھکڑی لگنا

سپرنٹنڈنٹ کو میری یہ حرکت کھا گئی۔ اگلے روز اتوار تھا پیر کے روز خود سپرنٹنڈنٹ تو میرے پاس نہ آیا۔ داروغہ ہتھکڑی لایا مجھ سے کہا کہ جناب تشریف لائیے، میں نے کہا فرمائیے، بولے ہم حکمبردار بندے ہیں سپرنٹنڈنٹ کا حکم ہے کہ آپ کے ہتھکڑی لگائی جائے۔ کہا عذر کیا ہے سب شوق پورے کیجئے، میں نے ہاتھ بڑھائے انھوں نے سلاخوں سے باندھے اور چلے گئے۔ میرے بازو اونچے تھے اور سر بازوؤں میں جھکا تھا، سیاہ کمبل اوڑھے عجیب صورت بنائے کھڑا تھا، مجھے اب اپنی حالت پر ہنسی آتی تھی تمام غرور کافور ہو چکا تھا۔

اتنے میں ڈاکٹر صاحب تشریف لائے مجھے زنجیر سے بندھا دیکھ کر واپس چلے گئے، آدھ گھنٹے کے بعد ایک عہدہ دار قیدی آیا مجھے میرا ہسٹری ٹکٹ

دِکھایا کہ میڈیکل افسر کے مشورے سے آپ کے لئے بیڑیاں تجویز ہوئی ہیں میں نے کہا۔ سرِ تسلیم خم ہے، غرض ہتھکڑی اُتروائی اور بیڑی پہنائی گئی۔

میری حالت عجیب تھی جسم ہلکا، بیڑی بھاری، قدم اٹھانے میں دقت، چلنے میں مشکل، جب کبھی دل کڑا کرکے قدم اُٹھاتا، در و دیوار زبانِ حال سے تمسخر اُڑاتے کہ:- ؎

آہستہ خرام بلکہ مخرام زیرِ پایت ہزار جانست

گرمی کے دن نہائے بغیر چارہ نہ تھا۔ بیڑی پہنکر پاجامہ اُتارنے اور باندھنے کی ابتلا۔ اس میں جو دقت ہوتی ہے وہ وہی جانتے ہیں جن کو بدقسمتی سے ایسا اتفاق ہوا ہو۔ عموماً قیدی کو بیڑی پہناکر تہ بند دیا جاتا ہے تاکہ قیدی کو یہ تکلیف نہ ہو مگر باوجود میرے مطالبے کے تہ بند مجھ کو نہ دیا گیا، اس لئے اُستاد کے آگے زانو تہ کرنے پڑے۔ رات کو ہر کروٹ پر بیڑی کی جھنکار سے آنکھ کھلتی ہے، لوہا کبھی اس ٹانگ پر لگتا ہے، کبھی دوسری پر۔

(میرا افسانہ ۱۴۱)

سپیشل کلاس قیدی سے بان کا بٹوانا، بیڑی و ہتھکڑی کی سزا کا دیا جانا شاندار مراعاتی سلوک ہے۔

بی کلاس قیدی

سردار بھگت سنگھ بی کلاس قیدی ہیں، آپ کھاتے پیتے گھر کے خاصی جائداد کے تن تنہا وارث تھے اور بیوہ ماں کے ایک ہی بیٹے تھے۔ تحریکِ ترکِ موالات سے قبل آپ کی شان ملاحظہ طلب تھی۔ بوٹ سوٹ کارنگتائی سے کام تھا۔ اب چکی پیستے،

ہیں، منہ پر کٹا ہٹا - ہاتھوں میں چکی کا ہتھ اور دانت پیس پیس کر
دانے پیس رہے ہیں، سردی میں پسینہ پسینہ ہو رہے ہیں، ہاتھوں میں آبلے
اور آنکھیں نم ناک ہیں اور سپرنٹنڈنٹ انھیں گذشتہ کی مشقت پر ڈانٹ
رہا ہے کہ یہ جیل ہے کھیل نہیں ہے مشقت پوری کرو۔ ورنہ ٹکٹکی پہ
باندھ کر بید لگے گی۔ یہی نہیں بلکہ اُن بی کلاس قیدیوں سے سپرنٹنڈنٹ
جیل کا اصرار ہے کہ جیل کے رواج کے مطابق ہر قیدی گلے میں طوق اور کنی
ڈالے جس پر قیدی کا نمبر اور جُرم کندہ ہوتا ہے۔ سب انکاری ہیں سردار
جوالا سنگھ کے گلے میں ڈالنے کی کوشش کی گئی، آپ نے سرتابی کی، آپ کے برخلاف
بھی قواعد جیل کی خلاف ورزی کا الزام لگا جیل میں ہی مقدمہ کی سماعت ہوئی
اور حکم سُنایا کہ جوالا سنگھ بقیہ ایک سال اور قید سخت کی سزا دی جاتی ہے

ان ہی جوالا سنگھ پر مسلسل سختیاں کی گئیں، ہتھکڑیاں، بیڑیاں
کئی ماہ تک اُن کے زیب تن رہیں، اُن کو قید تنہائی کی سزا دی گئی، کئی بار ان کو
۳ روز سے زیادہ عرصہ کے لئے کوٹھری میں بند رکھا گیا۔

چنانچہ ان سختیوں کا ذکر اخبارات میں ہوا اور اس کی تمام روئداد میر
عبدالستار صاحب نے ۲۶ رجون کو بندے ماترم لاہور میں شائع
کرائی۔ سلہ

سی کلاس قیدی

یہ وہ لے۔ بی کلاس کے قیدی تھے جن کو جیل میں
تکلیفوں کے بعد تھوڑا بہت آرام مل جاتا ہے۔

سلہ میرا افسانہ ۱۲۹ تا ۱۳۴

یہ صحیح ہے کہ ان کو بھی کافی امتحانات دینے پڑتے تھے، لیکن وہ لوگ جن کی بدحالی و پریشانی پر کوئی توجہ نہیں دیتا تھا اور مجسم خدمت مجسم قربانی، اور جاں نثاری کے پتلے تھے، وہ سی کلاس قیدی ہی تھے، ان کے سلوک میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی، بلکہ وہ اخلاقی قیدی سے بھی بدتر طریقے پر رکھے جاتے تھے ان کے جیل میں کوئی آرام نہ تھا، وہ سوائے دُکھ کے اور کچھ نہ جانتے تھے، ایک دردمند ان کی حالت کا نقشہ یوں کھینچ لیتا ہے۔

میں تنہائی کی کوٹھریوں میں رضاکاروں کو دیکھنے کے لئے چلا گیا۔ تفریح طبع کے لیے جب کبھی چڑیا گھر میں میرا جانا ہوا۔ جانوروں کا تانا سا تنتے ہوئے دیکھا کرتا، بالکل اسی طرح یہ والنٹیر کوٹھریوں کے اس سرے سے اُس سرے تک تانا تنتے تھے، اور جنگلے کے قریب جاکر مجھے اس قسم کی بدبو آئی جس طرح کہ چڑیا گھر کے جانوروں کو معروف تگ ودو دیکھ کر عبرت سی ہوا کرتی تھی، والنٹیروں کو رواں دواں دیکھ کر بات کھل گئی کہ غذا کے ہاضمے اور خون کے دورہ کے درست کرنے کے لئے چلنے پھرنے پہ انسان وحیوان مجبور ہوتے ہیں اور بند مکان میں پاخانہ پھرنے کی وجہ سے عفونت لازمی تھی۔ والنٹیروں نے میرے پاس صفائی کی کمی کی شکایت کی کہ بعض دن پاخانہ بالکل اُٹھایا تک نہیں جاتا نیز اُنھوں نے اپنے خون آلود کپڑے، مارپیٹ کی کہانی سنا کر بطورِ ثبوت پیش کئے۔ اس وحشیانہ زبردستی پر افسوس ہے [۵۱]

---

[۵۱] میرا افسانہ ۱۰۴

ہسپتال کی ادویات ہسپتال بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ وہاں پر دوائیوں کی کافی مقدار نہیں، کسی انجان شخص کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ نمبر ۸ و ۹ کیا ہیں۔ لیکن یہ ضرور کہ یہ مکسچر ہر ایک بیماری کی دوا ہے، شاید ان پر "جڑے تمام" کا جادو بھرا گیا ہے اس لئے یہ ہر ایک بیماری کی دوا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ایک اور علاج سوچا گیا کہ اگر قیدی کے پیٹ میں درد ہو یا دستوں کی شکایت ہو اور بدقسمتی سے وہ ڈاکٹر کے پاس اپنی بیماری کی اطلاع دیتا تو اُس کے لئے ایذا ہی سب سے بہتر علاج سمجھا جاتا تھا۔

تحقیقاتی کمیٹی کی سفارش ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ جو معقول انسان ان کو دیکھے تو ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو چنانچہ ۱۹۳۱ء کی یو۔ پی کی تحقیقاتی کمیٹی نے ان ناگفتہ بہ حالات کو دیکھ کر یہ سفارش کی کہ پولٹیکل قیدیوں سے کام کم لینا چاہئے اور کپڑے اور رہنے کی جگہ اور کھانے کا خاص خیال رکھنا چاہئے اور ان کو عام قیدیوں سے علیحدہ مخصوص قیدی سمجھنا چاہئے۔ اور سزائیں عام قیدیوں کو دی جاتی ہیں اُن سے پولٹیکل قیدیوں کو مستثنیٰ کیا جائے تو بہتر ہے۔

ان سفارشات کے ساتھ ساتھ ۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۳ء میں اخبارات نے بھی پولٹیکل قیدیوں کو مراعات دیئے جانے پر زور دیا اور خاص طور پر

کلاسوں کی تقسیم اور پولیٹیکل قیدیوں میں باہمی امتیازات کو مٹانے کا مطالبہ کیا، کچھ شنوائی ہوئی تو پنجاب گورنمنٹ نے ۱۹۴۲ء کی تحریک کے قیدیوں کی ایک کلاس بنا دی۔ اور اے، بی، سی کلاس کا جھگڑا ختم کیا۔ اور تمام چھوٹے بڑے لیڈر، ڈکٹیٹر والنٹیر قسم کے قیدیوں کو، ایک جگہ ایک کھانا دینے کا فیصلہ کیا۔

نظر بندی ۱۹۴۲ء

۱۹۴۲ء کے نظر بندوں کے ساتھ حکومت نے کیا سلوک کیا اس کے لئے بہترین حالات و واقعات وہی ہو سکتا ہے جو مشاہدات میں آئے ہوں اور جو اپنی ذات پر گذرے ہوں اس لئے ۱۹۴۲ء کی نظر بندی کی کیفیت و تاریخ لکھنے کے لئے میں اپنی آپ بیتی سے کام لوں گا۔ جو میں نے دیکھے اور مجھ پر گذرے ہیں۔

۱۰ اگست ۱۹۴۲ء کی شب کو ڈھائی بجے جب کرفیو آرڈر نافذ تھا اور شہر میں میونسپل کمیٹی کی عمارت ایلی کوٹھی، انکم ٹیکس کے دفتر کو جلانے سب انسپکٹر پولیس کو قتل کرنے اور بازاروں میں بجلی کے کھمبے توڑنے، ٹیلی فون کے سلسلوں کو منقطع کرنے کی وارداتوں سے خوف وہراس پھیلا ہوا تھا اور شہر فوج کے قبضہ میں زیادہ تر دیدیا گیا تھا۔ اس وقت مجھ کو چودھری کنھیا انسپکٹر سی آئی ڈی نے گرفتار کر کے دہلی جیل بھیجا۔

رات کا وقت تھا۔ جیلر آرام کمرہ میں مصروف خواب تھے۔ کوشش ہوئی کہ کسی اخلاقی قیدیوں کی بارک میں رات بھر بند کیا جائے۔ لیکن میرے انکار اور وارڈ کی پہچان سے نظر بند ساتھیوں کی قیام گاہ دہلی کے

کارخانہ میں پہنچا دیا۔

معلوم ہوا کہ نظر بندوں کو دو کلاسوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اے کلاس اور بی کلاس " بی کلاس کارخانہ میں رکھے گئے ہیں اور اے کلاس نظر بند یورپین وارڈ میں مقید ہیں۔

دہلی جیل کا کارخانہ

کارخانہ میں چار نل ہیں۔ ایک نل کوٹ موقع پر غسل خانہ پر، ایک کچن کے پاس، ایک بیت الخلاء فلش سسٹم کے دروازہ پر، اور چوتھا نل لمبی ہودی میں جہاں کپڑے دھوئے جاتے ہیں۔ غسل خانہ کی ساڑھے پانچ فٹ تینوں جانب سے اونچی دیواریں ہیں، کچن دس فٹ چوڑا اور پچاس فٹ لمبا ہے۔ جس کے اندر تین مٹی کے چولہے بنے ہوئے ہیں۔ جو کم و بیش ہر وقت جلتے رہتے ہیں۔

ہر قیدی کو ایک چارپائی ملی ہوئی ہے۔ چارپائی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک خام بان کی بنی ہوئی اور دوسری لوہے کی پٹی سے بنی ہوئی۔ ہر ایک چارپائی میں زنجیر آہنی ڈال کر کسی درخت کی جڑ سے لپیٹ کر مقفل کر دی جاتی ہے تاکہ کہیں قیدی چارپائی کے ذریعہ کوٹ موقع (جیل کی دیوار) سے نکل نہ جائے۔ یہ زنجیر بان کی چارپائی میں بھی مقفل کی جاتی ہے۔ حالانکہ بان کی چارپائی کی پٹی بہ آسانی نکالی جا سکتی ہے۔ اور بہ آسانی پٹی کو ڈالا بھی جا سکتا ہے۔ اور کام میں لانے کے لئے چارپائی استعمال کی جا سکتی ہے۔ مگر اب تک اس قسم کا کوئی واقعہ دہلی میں سننے میں نہیں آیا۔ مگر جیل حکام مضبوطی اور ضد کے ساتھ اپنے پرانے دستور پر اڑے ہوئے ہیں،

یہ کارخانہ تقریباً ایک ایکڑ زمین میں بنا ہوا ہے۔ اس کے صحن میں ٹنٹ لگا دیئے جاتے ہیں۔ ہر ایک ٹنٹ میں دو آدمی بہ آسانی اور تین آدمی بدقت مع چارپائی کے رہ سکتے ہیں۔

کارخانہ میں مچھر زیادہ ہیں۔ جس کی وجہ سے باہر سونے میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سیاسی قیدیوں کو کارخانہ کے اندر گھومنے کی اجازت ہے لیکن کارخانہ کے جیل کے بقایا حصہ میں بلا نمبردار کے بلا ضرورت نہیں جا سکتے گشت لگانے کی سخت ممانعت ہے۔

یورپین وارڈ یورپین وارڈ جیل کے کونے پر بنا ہوا ہے۔ جس کے بیچ میں ایک چھوٹی سی عمارت ہے۔ جس میں تین کوٹھریاں ہیں۔ ہر ایک کوٹھری میں دو چارپائیاں۔ دو آدمی کے لئے آسکتی ہیں ان چاردیواری میں چھوٹے چھوٹے درخت زیادہ ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ مقام اندھیارا معلوم ہوتا ہے ۔اس کی زمین نصف ایکڑ سے کچھ کم ہے۔ فلش سسٹم اور غسل خانہ پختہ ہے۔

اے کلاس نظر بند کا سامان اے کلاس نظر بندوں کو جو سامان دیا جانا چاہیئے تھا وہ یہ تھا:۔

ایک کرسی، ایک میز، ایک چارپائی، ایک الماری، ایک بکس، دو دھوتیاں رات کے لئے، دو پگڑی پانچ گز لمبی، دیسی ایک جوڑا جوتی، دو چادریں، ایک چٹائی، ایک تکیہ، دو تکیہ غلاف، گھانس بھرا ہوا تکیہ، دو تولیے دو سوتی۔ ایک پرنہ پانچ

فٹ لمبا، دو جانگیے اور دو گچھے دسکھوں کو)

اس کے علاوہ اپنے خرچ پر کپڑا استعمال کر سکتے تھے، اور جہاں جیل میں بجلی ہو وہاں اپنا پنکھا بھی رکھا جا سکتا ہے۔

لباس گرمی چار کرتے دو سوتی (بانہیں کٹی ہوئیں)، گرمیوں کے چار پاجامے دو سوتی، یا چار دھوتی، ایک کمبل دو جانگیے، دو سوتی یا دو گچھے، دو چادریں۔

لباس سردی ایک اون کا کوٹ بند گلے والا، ایک اون کا پاجامہ ایک فلالین کی قمیص، دو سوتی جانگیے، دو جوڑے اونی جراب، ایک کمبل مزید، سپرنٹنڈنٹ چاہے تو اسے کلاس قیدی کو کسی کپڑے کے پہننے سے منع کر سکتا ہے۔

برتن و خوراک خوراک دس آنہ روز تھی۔ جس میں دس چھٹانک آٹا، دونوں وقت کا، پاؤ بھر سبزی، اور سبزی کی قیمت کا گوشت، دال، چھٹانک بھر گھی، مصالحہ اور چھٹانک آدھ سیر دودھ دیا جاتا تھا۔ یہ راشن، ایک پیتل کی تھالی، دو قلعی دار کٹوریاں، ایک گلاس ایک پیتل کا لوٹا، ایک قلعی دار چمچا، پندرہ دن میں ایک صابن کی ٹکیہ، نیم کی داتن، ایک روزانہ اور اپنے خرچ پر اے۔ بی کلاس والے تیل، شیشہ، برتن، کنگھا، ٹوتھ پوڈر، برش وغیرہ منگا سکتے ہیں۔

بی کلاس نظر بند کا سامان

بی کلاس نظر بندوں کے سامان کی یہ لسٹ تھی:۔

ایک چارپائی، ایک لمبی میز، اس کے ساتھ بنچ، چادر دوسوتی، پجامے یا چار دھوتی، دوسوتی جانگیئے۔ یا کچھ (سکھوں کے لئے)، دوسوتی تولئے، دوسوتی دو چادریں، دوسوتی دوپٹے یا پگڑی پانچ گزی، ایک تکیہ گھاس دار، دو تکیئے غلاف، ایک دری دو چادریں، دو بنیان، ایک جوتی دیسی، ایک کمبل۔

سردی کا لباس

ایک کمبل اور ایک کمبل کوٹ، کپڑے اور کمبل کی نوعیت کے سی کلاس کے کپڑے۔

خوراک و برتن

خوراک آٹھ آنہ یومیہ، اس کے ساتھ ایک قلعی دار تھالی، ایک قلعی دار کٹوری، ایک گلاس ایک چمچا۔ صابن پندرہ دن میں ایک ٹکیہ۔

نظر بندوں کو ان لسٹوں کے مطابق ایک دن بھی سامان نہیں دیا گیا۔ کسی اے کلاس نظر بند نے اور نہ بی کلاس نظر بند نے جوتی کی تو کبھی شکل دیکھی نہیں ہے۔ ان کو مندرجہ بالا اشیاء کے ملنے میں بڑی دقتیں ہوتی تھیں اور اس کے دینے سے گریز کیا جاتا تھا۔ اگر بہت زور دیا جاتا تو ایک ایک چیز بمشکل ملتی تھی۔

دس آنے اور آٹھ آنے یومیہ کی خوراک کا راشن بھی اپنی مرضی کی متعینہ قیمتوں سے لگا کر دیا جاتا تھا۔ جس میں ہر چیز نکمی اور ناکارہ

ہوتی تھی۔ دودھ سیر پیٹا ملا، گھی پنا سپتی، اور قیمت خالص دودھ و گھی کی لی جاتی تھی۔ گویا ۵، اور ۴ آنہ کی یومیہ خوراک دی جاتی تھی۔ نصف رقم کے حصہ دار جیل افسران ہوتے تھے۔

کارخانہ میں سخت نگرانی نہ تھی۔ ہر نظر بند کے پاس لکھنے پڑھنے کا سامان تھا۔ آنریبل باقاعدہ روزانہ آتی اور جاتی تھی۔ گھروں سے ہر نظر بند کا کھانا آتا تھا۔ دو وقتہ اسی ذریعے سے پیغام رسانی ہوجاتی تھی اور انواع و اقسام کی نعمتیں کھانے کو مل جاتی تھیں۔

نظر بند اپنی نگرانی میں جیل والوں سے راشن لے کر قیدی مشقتیوں سے پکواتے تھے۔ اور کسی قسم کی ملاوٹ اور خرابی پیدا نہ ہونے دیتے تھے۔ دودھ خراب آتا واپس ہوتا۔ آٹا ملاوٹ دیا جاتا تو نہ لیا جاتا۔ سبزی پر روزانہ جھگڑا ہوتا تھا۔ گھیا، گھیا ہی ملنے لگا تو اسٹرائک کی دھمکی۔ کھانا چھوڑنے کا ڈراوا پہنچایا اور معاملہ طے ہوا۔ غرض صبح و شام کوئی نہ کوئی چھیڑ چھاڑ جاری رہتی تھی۔

اولڈ سنٹرل ملتان جیل

۱۶۔ اگست کو مولانا نور الدین بہاری۔ فرید الحق انصاری ڈاکٹر بدھ ویر سنگھ۔ میر مشتاق احمد۔ حکیم خلیل الرحمٰن، پنڈت شتر دھن شرما۔ مسٹر کنھیا سنگھ۔ مسٹر آر، سی اگروال، وغیرہ نظر بندوں کا پہلا چالان شاہ پور جیل روانہ کر دیا گیا تھا۔ ۲ ستمبر کو مسٹر لیمتی ستیہ وتی مسٹر خورشید احمد کاظمی، لالہ دیش بندھو گپتا، پنڈت منو دیو شاستری

مسٹرآمن۔ لالہ پرعجس رائے، سردار دیوان سنگھ۔ مسٹر روپ، مسٹر چمن لال جرنلسٹ، ڈاکٹر گجرال، مکند لال جوہری، مسٹر اجیت داس گپتا سوامی ستروپانند، چودھری بہاری، مسٹر جوتی پرکاش، لالہ اونکار ناتھ برج کشن چاندنی والے اور راقم الحروف وغیرہ کا دوسرا چالان اولڈ سنٹرل ملتان جیل میں کر دیا گیا۔ جن کو دہلی جیل سے بلا ہتھکڑی لگائے دہلی اسٹیشن تک پولیس لاری میں جو جنگلے دار تھی لے گئے اور ریل کے مخصوص قیدیوں کے سلاخ دار ڈبوں میں بند کر کے ملتان[۱] بھیجا گیا

گاندھی ٹوپی پہننا ممنوع

ملتان جیل کے دروازے کے اندر پہنچے تو جیل افسران کا حکم ملا کہ گاندھی ٹوپیاں اتار دو۔ گاندھی جیل میں پہننے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ حکم کون برداشت کر سکتا تھا۔ اجتماعی اور متفقہ طور پر انکار ہوا۔ جواب ملا زبردستی کی جائے گی۔ کہا گیا منظور ہے جو چاہے ظلم کر و لیکن یہ توہین برداشت نہیں ہو سکتی۔ حیل و حجت سے سمجھایا گیا کہ بیشتر نظر بند ٹوپیاں دے چکے ہیں دفتر میں جمع ہیں تم کیوں انکار کرتے ہو۔ یوں کام نہیں چلے گا۔ اسی کشمکش میں دو تین گھنٹے گذر گئے۔ کوئی تیار نہ ہوتا تھا۔ آخر بطور پروٹسٹ

---

[۱] اولڈ سنٹرل ملتان جیل کی عمارت کا نقشہ "جیل کی عمارتیں" کے عنوان میں دیکھئے نیز ہسپتال کا انتظام "علاج" کے عنوان میں دیکھئے۔

طے ہوا کہ ہم میں سے اپنا کپڑا کوئی نہ پہنے، تمام کپڑے اور سامان جیل افسران کے حوالے کئے اور جیل کے اندر داخل ہو گئے۔

مہنت کی شان اس قافلہ کے آگے سردار دیوان سنگھ مفتون مہنت بنے خراماں خراماں چل رہے تھے اور یہ قوی الجثہ انسان لنگوٹ باندھے کپڑوں کو نذر افسران کئے ہوئے ساتھیوں کو ہنساتا ہوا رندانہ تبسم کے ساتھ فیل مست کو شرما رہا تھا۔ وہ دل فریب سماں جب کبھی خیال و ذہن میں آتا ہے تو بھلائے نہیں بھولتا۔ کیا صحبت تھی اور آپس کا اتحاد تھا۔ برہنگی میں خوش رہتے تھے۔ لیکن جھکنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پندرہ سولہ روز کے بعد انسپکٹر جنرل کی چھٹی آئی کہ گاندھی کیپ اوڑھنے کی پابندی غلط فہمی پر مبنی ہے۔

کلاس کا خاتمہ ایک امتحان سے واسطہ پڑا ہی تھا کہ دوسرا امتحان لیا جانے لگا۔ کورنٹین والی بیس کوٹھڑیوں میں داخل ہوئے تو بتایا گیا یہاں اے۔ بی کلاس کا جھگڑا نہیں ہے۔ اور نہ خوراک آٹھ آنہ اور دس آنہ ہے بلکہ ۶ آنہ یومیہ کی خوراک ہے اور نہ کپڑوں اور نہ سامان کی لمبی چوڑی لسٹ ہے۔ سی کلاس کا سلوک کیا جائے گا روٹی بھی سی کلاس کی سی ملے گی، اور کپڑے بھی سی کلاس والے دئے جائیں گے۔ ہاں سبزی میں تیل نہیں گھی ملے گا اور آدھ سیر دودھ دیا جائیگا۔ سونے کے لئے کھٹیاں ہیں۔ چارپائیاں نہیں ہیں۔ پوچھا گیا ہم کو دفتی تم اے، بی کلاس دی گئی تھی اور ہمارے ٹکٹوں پر بھی اے، بی کلاس درج ہے۔

تو ہم کو یہاں کیوں اے بی کلاس نہیں دی جاتی اور اچھا سلوک کیوں نہیں کیا جاتا۔ بتایا گیا ہم کو یہی حکم ہے۔ یہی کریں گے اور آپ کے اعتراضات کو افسران تک پہنچا دیں گے۔ اس جیل میں نظر بند اور پولیٹیکل قیدی تقریباً آٹھ سو تھے۔

رات ہوئی ایک ایک کوٹھریوں میں جاکر لیٹ گئے۔ مچھروں، کھٹملوں اور چیونٹوں نے پریشان کیا تو باہر آ پسرے۔ نیند کس کو آتی تھی، رات بھر جاگے، پیٹ خالی، روٹی کس سے کھائی جاتی تھی۔ شکل بھی دیکھنی محال تھی، دو دو نوالے جبراً کھائے اور صبر وشکر کر کے لیٹ گئے تھے۔ صبح ہوئی چنے بھی ندارد، دودھ کی شکل دیکھنے سے قے آتی تھی، آنکھیں بند کیں اور پی گئے۔ دوپہر ہوئی پھر سیاہ ڈول میں سبزی آئی۔ بڑے بڑے روٹ ملے۔ یوں ہی کے یوں ہی رکھے رہے دل سخت کیا تو سبزی کو چکھا نہ چلی تو احتجاج کرنے کی سوجھی۔ لیڈروں نے مطالبات کی لسٹ تیار کی۔ ہم نے اپر میل چلائی۔ جیل کے سلوک کے بارے میں اخبار "تیغ" دہلی میں یہ آرٹیکل شائع ہوا۔

سپرنٹنڈنٹ ملتان جیل قیدیوں کا دشمن ہے

یوں تو اولڈ سنٹرل جیل بدانتظامیوں میں اپنا جواب نہیں رکھتی اور قیدی حکام جیل کی فرعونیت کا شکار ہوتے رہتے ہیں میڈیکل آفیسر بھی کھاتے پیتے لوگوں کو مراعات سے نوازتا ہے اور غریبوں اور مفلس مریضوں کو نظر انداز کرتا ہے۔

جیل کا پانی والی ہودیوں میں پانی بھرتا جاتا ہے۔ جس میں غلاظت اور گندگی ہوتی ہے۔ ہودی کے پانی نکلنے کے لئے کوئی راستہ نہیں ہوتا چار چار پانچ پانچ روز تک ان میں پانی بھرا رہتا ہے۔ قیدی رات کو اسی کے قریب سوتے ہیں اور پریشان ہوتے ہیں ان کی صحت و تندرستی خطرے میں ہے مگر اس مقام کو دیکھنے کے لئے کوئی افسر نہیں آتا پانی کے نکلنے کے لئے کوئی تجویز نہیں کرتا۔ دو دو ہفتہ گذر جاتے ہیں مگر قیدیوں کو شکل دیکھنی نصیب نہیں ہوتی۔ انچارج (کالیہ) خود مختار ہے روزانہ نئے نئے قانون بناتا ہے۔ اور ان کو اپنے حکم سے ختم کر دیتا ہے۔

۱۲۔ ستمبر کو بارک ۸ میں جو واقعہ ہوا ہے وہ ان کی خود مختاری اور غرور تکبر کا بھانڈا پھوڑنے کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح ایک جرنلسٹ قیدی سے میڈیکل افسر صاحب نے جو گفتگو کی وہ انکی امرار نوازی کی بین توضیح ہے
کاش انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات ان بدعنوانیوں کی طرف متوجہ ہوں تاکہ بے بس قیدی آئندہ سے مغرور متکبر افسران کے ظلموں کا شکار نہ بن سکیں۔
(تیغ دہلی ۳ اکتوبر ۱۹۴۲ء)

ادھر ہڑتال ہونے پر جیل افسران نے لاٹھی چارج کیا۔ شرارتی اور ایجی ٹیٹر لوگوں کے چالان کی سوجی، تیاریاں ہو رہی تھیں کہ راقم الحروف کا ایک خط مع مذکورہ تیغ کے آرٹیکل کی کٹنگ کے پکڑ گیا۔ پھر کیا تھا۔ چالان والوں میں ہمارا بھی نام آیا اور دوسرے دن ۱۲ نظر بند ۷ اکتوبر ۴۲ء کو انبالہ جیل روانہ کر دیئے گئے۔ شکر کیا انتہائی بدترین جیل ثابت ہوئی، اخبار کی شکل

دیکھنی ناممکن ہو گئی تھی لیکن پھر بھی راستے بھر خیال رہا، دیکھو کن تنگ و تاریک کوٹھریوں میں بند کئے جاتے ہیں اور کیسی کیسی سزاؤں کا سامنا ہوتا ہے، معتوب ہو، ایجی ٹیٹر بنا کر نکالے گئے ہو، یقیناً ستائے جاؤ گے اور ایک ایک چیز کی تلاشی ہوگی نہ کاغذ، نہ قلم، نہ سیاہی نہ پنسل کچھ نہ لے جا سکو گے۔

انبالہ جیل

ان ہی خیالات میں انبالہ جیل رات کے دو بجے پہنچے، دروازے میں قدم رکھا تو کوئی تلاشی نہیں ہوئی، نہ کاغذ نہ قلم، نہ ہولڈر کچھ بھی نہیں چھینا گیا، مع سامان و سرمایہ بخیر و خوبی جیل کی بارکوں میں جیل کے عین دروازوں کے سامنے پہنچا دیے گئے۔ کھڈیاں تازہ تازہ گیلی بنی ہوئیں ان پر ٹٹریاں رکھی ہوئیں تیار تھیں، تھکے ماندے لیٹے تو کمر سیل کر اینٹھ گئی، کھڈیاں ٹھیک کرائیں، بالکل قبروں کی طرح قریب قریب بنی ہوئی تھیں، ان کو تڑوا کر چلنے پھرنے کا بیچ میں فاصلہ کرایا۔

چھ آنہ یومیہ کی خوراک

چھ سات روز کے بعد معلوم ہوا کہ خوراک چھ آنہ کے بجائے $9\frac{1}{2}$ آنہ یومیہ ہو گئی ہے اب ہم کو باقاعدہ گوشت بھی ملنے لگا تھا۔ آنہ دو آنہ خوراک سے بچتے تو اس کا پھل وغیرہ منگا لیتے تھے، پی پی سے سامان لانے کے لئے جیل کا ایک وارڈر تھا وہ خوب لوٹتا تھا، چوگنی اور اٹھ گنی قیمت پر سامان لا کر دیتا تھا، غریب ایک دفعہ منگا کر دوسری دفعہ نہ منگاتا تھا، ضرورت مند پیسے والے مجبوراً منگاتے اور لٹتے تھے سپرنٹنڈنٹ کو توجہ دلائی جاتی تو وہ بھی سکوت اختیار کر لیتا تھا۔ پی پی سے صرف صابن تیل، گڑھ منگایا جا سکتا تھا اور کچھ نہیں۔

خط مہینے میں ایک سے زیادہ نہ لکھ سکتے تھے اور خواست کی جاتی
نکا رہوتا، وارڈر یہ خدمت انجام دیتا، روپیہ لفافہ وصول کرتا اور
ں کے باہر کے لیٹر بکس میں خط ڈال آتا دہ وارڈر کی مزدوری ہوتی
قیدیوں کا کام انجام پاتا تھا، چنانچہ اسی سلسلہ میں ایک دلچسپ اور
ابلِ فراموش واقعہ یہ ہوا۔

لیری

ایک مرتبہ سردار دیوان سنگھ کے پاس دہلی سے اس مضمون کی چٹھی آئی کہ آپکے دفتر والے آپ کو تباہ کر رہے ہیں اور آپ کا
غذ بیچ رہے ہیں اس چٹھی کے سلسلہ میں سردار جی نے سپرنٹنڈنٹ جیل سے
ت کی کہ آپ تجارتی خط لکھنے کی مجھ کو اجازت دیں تاکہ میں بنک اور ڈاکخانہ
و منع کردوں کہ وہ میری ڈاک دفتر والوں کو نہ دیں اور اُن کی جگہ بھیا
حساں کے پتہ پر ڈاک روانہ کریں اور اُنہی کے دستخطوں سے بنک سے
روپیہ بھی نکالا جائے۔ ایسا کرنے سے میں نقصان سے بچ جاؤں گا، اگر آپ
اجازت نہ دیں گے تو یہ خطوط ایر میل سے مجبوراً بھیجنے پڑیں گے۔

اس معقول درخواست کا جواب سپرنٹنڈنٹ نے نفی میں ہی دیا جس پر سردار جی
نے بنک اور ڈاکخانہ کے نام دو چٹھیاں ہوائی ڈاک سے بھیجدیں وہ ڈاکخانہ
اور بنک میں پہنچیں، دستخطوں کی تصدیق کے لئے سپرنٹنڈنٹ کے پاس واپس
آئیں تو سپرنٹنڈنٹ نے سردار جی سے جواب طلب کیا۔ سردار جی نے وہی مجبوری
ظاہر کی اور کہا میرے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا، آپ
جو چاہیں کارروائی کریں۔

مجھے یاد ہے سپرنٹنڈنٹ کو جب طیش آیا تو اُس وقت سردار جی کے پاس دوست احباب کی بھیجنے والی پوری ڈاک تھی اور اُن کا یہ جواب خطرے سے خالی نہ تھا مگر وہ جواب دینے سے نہیں چوکے اور سپرنٹنڈنٹ خاموش چلتا بنا۔

ملاقات کی قطعاً اجازت نہ تھی مہینوں ہو گئے تھے احباب و رشتہ داروں کی شکلیں نہ دیکھی تھیں، افسران اس سلسلہ میں کچھ رعایت نہیں کرتے تھے، شروع شروع میں اخبارات پر بھی پابندی تھی کوئی اخبار دیکھنے میں نہ آتا تھا، عجیب و غریب خبریں زبانی سننے میں آتی تھیں جو سُن لیتے تھے، اس پر آمنّا و صدقنا کہنا پڑتا تھا، اور اسے عجیب انداز سے پھیلایا جاتا تھا، خبریں پھیلانے والی ٹکڑی الگ تھی جس کا کام صرف یہی تھا کہ خبریں بنائے اور اُڑائے۔

تفریح

نظر بند بارکوں میں رات کے ۹ بجے بند ہو جاتے تھے اور صبح ۵ بجے کھولے جاتے تھے، دن بھر جیل کے حالات اور افسران کے طریقہ پر تبصرہ ہوتا تھا، چخیں بھی جاری رہتی تھیں رہائی کے مصنوعی وارنٹ آتے تھے اور لوگ رہا ہونے کے لئے جاتے اور بیوقوف بنتے تھے، بیوقوف بنانے کے فن کے طاق سردار دیوان سنگھ تھے، وہ اپنا شکار آپ تلاش کرتے تھے۔ کبھی اُڑا دیتے تھے کہ میری رہائی آ گئی ہے، میں جا رہا ہوں بولو کیا پیغام دوگے، لوگوں کے پیغام اور چٹھیاں لے لیتے، کبھی کسی کے خط میں کسی کی رہائی کا ذکر کرا کے اس سے مٹھائی کھلانے کے منصوبے گانٹھتے، کبھی کسی کو جیل کے باہر سیر کرانے کے پروگرام بناتے۔ کبھی گانے کی محفلیں جمتیں، کبھی نقلیں نقل ہارے ؟ تارنے کی خدمت انجام دیتے

اور سردار جی میر محفل بنے جمے رہتے تھے۔ ان کی جانب سے چائے کا پانی ہوتا، آنے والے اپنے ساتھ چینی اور دودھ لاتے تھے اور کمالات دکھاتے تھے۔

ماتمی فضا کبھی کبھی ایک ماتمی فضا چھا جاتی تھی اپنی تباہی کے دکھڑے روئے جاتے، نقصانات کی فہرست تیار ہوتی، تباہ ہونے والوں کے نام لکھے جاتے، اُن کو درجے ملتے جو چرب زبان ہوتا وہی اپنے آپ کو زیادہ مظلوم دکھاتا۔ یہ مرثیہ خوانوں کی محفل نئے نئے مرثیے تیار کرتی، جب تذکرے طویل ہو جاتے اور ذہنوں پر مایوسی و نامرادی کی کوفت چھا جاتی تو مستقبل کے لئے اسکیموں کا تانتا بندھتا، اس میں دُنیا کو نیا گئے اور دُنیاداری کو ختم کرنے کے منصوبے بھی ہوتے تھے نیز سرمایہ داری کے بڑے بڑے خاکے بھی زور شور کے ساتھ تیار کئے جاتے تھے، کروڑوں سے کم کوئی خیال نہ ہوتا تھا غرض اس طرح دِل کو مطمئن کرکے ٹھنڈے سانس کے ساتھ جیل کی سلاخوں دار کوٹھری میں لیٹ جاتے، ان محفلوں کی صدارت بھی سردار دیوان سنگھ کو ہی نصیب ہوتی تھی۔

کھانا چکانے اور نہانے دھونے کا یہاں انتہائی معقول انتظام تھا۔ چار بارکوں میں نظر بند اور پولیٹیکل قیدی تھے، ہر ایک بارک میں کچن، غسل خانہ، بیت الخلا تھا، کسی کو نہانے دھونے کی کوئی تکلیف نہیں تھی۔

انبالہ جیل کا سامان انبالہ جیل میں ہی موسم گزرا، اشرونع مشروع

میں جبکہ سردی کم تھی، دو کُرتے ایک پجامہ دو سوتی ایک پرنہ ایک چادرہ، ایک لنگوٹ دیا گیا۔ جب سردی زیادہ ہوگئی تو ایک گدا پلنگ پر بچھانے اور ایک اوڑھنے کے لئے رضائی گدے بنا دی گئی۔ ساتھ ہی ایک اونی کرتہ، اور ایک پجامہ، اور سی کلاس قیدیوں کے کمبل کا کوٹ جس میں بڑے بڑے لکڑی کے بٹن لگے ہوئے تھے ملے دو ماہ گذرنے کے بعد انتہائی چیخ و پکار پر چارپائیوں کی شکل دیکھی کھڈیاں ڈیں اور چارپائیاں تھیں۔

ایڈوائزری بورڈ کی آمد

اس اثناء میں دو مرتبہ جیل ایڈوائزری بورڈ کے ممبران کے درشن بھی ہوئے، گرچہ اُن کا بائیکاٹ ہوا نعرے لگے پھر بھی وہ آتے رہے ان کا آنا بے معنی ہی ہوتا ہے، پہلی مرتبہ آئے تو اُن سے کہا گیا کہ میڈیکل انتظام انتہائی ناکارہ ہے، اُنھوں نے اس کو سُنا وعدہ اصلاح کیا گیا مگر شرمندۂ ایفاء نہ ہوا۔

چونکہ فیروزپور کیمپ دہلی کے نظربندوں اور پولیٹیکل قیدیوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا اسلئے ملتان اور انبالہ جیل سے دہلی والے فیروزپور بھیجدیئے گئے جن میں نظربندوں کی تعداد تقریباً اسی کے قریب ہوگئی تھی [1]

---

[1] جن کے اکثر نام یہ تھے۔ مولانا نورالدین بہاری۔ مسٹر حکم سنگھ، پنڈت منو دیو شاستری مسٹر خورشید احمد کاظمی، امداد صابری۔ سردار دیوان سنگھ۔ مسٹر کے۔ بی شنکر، لالہ برج کشن چاندی والے۔ پنڈت شتروگھن شرما۔ اجیت داس گپتا۔ میر مشتاق احمد صاحب۔ مسٹر بسر ورکر رامچندر شرما۔ مسٹر امن۔ گوپی ناتھ امن۔ رام لال ورما، اڈیٹر تیج۔ مسٹر چمپا نگت

قدرتی انتقام انبالہ جیل سے فیروزپور جاتے وقت پولیس گارد نے کافی پریشان کیا۔ ایک سخت قسم کے ہیڈ کانسٹبل کے حوالے ہوئے اس نے کھانے پینے کی ہر چیز کو ممنوع قرار دیدیا تھا" ہر بات پر ٹوکتا تھا۔ ہر حرکت کو منع کرتا تھا۔ مگر یہ کب باز آنے والے تھے۔ موقع ملا؛ زد پر چاپا

چنانچہ ان حضرت نے ایک اسٹیشن پر ایک مرغے کو ایک ٹوکری میں بند کر کے بلا کرایہ سیٹ کے نیچے اپنے پاس رکھ لیا۔ مرغا بولنے اور اذان دینے والا جانور ہے۔ حسب عادت بانگ جو دی تو ساتھی متحیر ہوئے کہ یہاں مرغا کہاں، اِدھر اُدھر دیکھا وہ دوبارہ بولا تو جانچا تو پتہ لگا کہ ہیڈ کانسٹبل صاحب کی سوغات

(بقیہ صفحہ ۲۴۵) لالہ پریمچس رائے، آرسی اگروال۔ ڈاکٹر گجرال[20]۔ فریدالحق انصاری[21] نند لال مہتا[22]، ڈاکٹر یدھ ویر سنگھ[23]۔ مسٹر چوپڑہ[24]۔ کنھیا سنگھ[25]۔ نعیم الدین[26] فاروقی۔ مسٹر شام[27] لال۔ مسٹر بھاشکر، مظہر سعید۔ کندن[30] لال، جوتی پرکاش[31] سوامی سروپانند۔ چودھری بہاری۔ مسٹر گامی۔ دمودر داس وید۔ پروفیسر جوہری۔ مسٹر بھاسکر۔ مسٹر چندو لال۔ مسٹر روپ۔ ڈاکٹر یدھ ویر سنگھ۔ حکیم خلیل الرحمٰن۔ لالہ اونکار ناتھ۔ دلیپ راج انندا۔ مسٹر ایم۔ ایل شاہ۔ مسٹر جینت، مسٹر بیتھ۔ مسٹر ورندر۔ مسٹر دت۔ مسٹر راج نرائن۔ مسٹر گوندسن مسٹر شو تیل، پرمیشری دیال ودیارتھی۔ نرندر موہن۔ رام نرائن، اشتاق انداز کے صاحب زادے۔ مسٹر نرائن۔ مسٹر شیو دت شاستری۔

ہے وہ دھونس دھونس میں اسکو بلا کرایہ خلاف قانون طریقہ پر لے جارہے ہیں۔ اب کیا تھا۔ سب جلے بیٹھے تھے۔ سردار جی کا بھی دم گھٹا جارہا تھا۔ کچھ بول نہ سکتے تھے۔ تیسری مرتبہ جو اس نے اذان دی تو سردار جی کے اشارہ پر سردار جی کے ساتھی منوہر لال شاستری جی نے ریل کی خطرہ والی زنجیر کھینچدی۔ زنجیر کا کھینچنا تھا کہ ہیڈ کانسٹبل نے فوراً وہ مرغا مع ٹوکری کے ریل کی کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ گاڑی ٹھیری تو گارڈ وہ ٹوکرا لے کر ڈبہ کے سامنے آیا۔ بولا یہ کس کا مرغا ہے سب نے کہا یہ ہیڈ کانسٹبل کا ہے۔ جو بلا کرایہ لے جارہا تھا۔ اور اب اس نے قانون سے بچنے کے لئے یہ کارروائی کی ہے کہ اس کو پھینک دیا ہے۔

گارڈ نے مختصر سی شہادت لے کر گاڑی چلائی۔ ہیڈ کانسٹبل کو دیکھو تو بڑے معصوم بنے بیٹھے تھے۔ ایک ایک کی خوشامد شروع کردی تھی۔ کوئی روک ٹوک کوئی ممانعت نہ تھی۔ سب نے خوب کھایا، خوب پیا، ہر اسٹیشن پر ٹھیلے، خطوط خریدے اور اسٹیشنوں پر ڈالے پھر راستہ میں کوئی ممانعت نہیں ہوئی۔

فیروز پور کیمپ جیل

فیروز پور کیمپ میں انبالہ جیل کے دہلی والے نظر بندوں کا چالان ۲۷ فروری ۱۹۴۱ء کو پہنچا جیل کی پھونی ڈیوڑھی میں قدم رکھا تو پانچ پانچ نظر بندوں کی سلسلہ وار تلاشی لی گئی۔ ایک ایک کپڑا دیکھا گیا۔ ایک ایک چیز کھولی گئی۔ جوتا اتروا کر، پگڑی کھلوا کر معائنہ کیا۔ کتابیں سب قبضہ میں کرلیں، ہولڈر، فاؤنٹین پین، کاغذ پنسل تک سرکار ضبط ہوئیں۔ جامہ تلاشی بھی کی۔ سینہ، بغل اور رانوں پر ہاتھ پھیر غرض رعب

وبد یہ جانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی لیکن لے جانے والے نہ چوکے پھر بھی ممنوعہ اشیاء اندر گئیں۔

ہوائی ڈاک چلی، بڑی نگرانی اور انتہائی پابندی لگی ہر ایک وارڈر کو ہدایتیں ملیں کہ کوئی خط نہ لے جانے پائے ورنہ برطرف کردیئے جاؤ گے بیڑیاں ناپید ہوگئیں، لانے والے وارڈروں کی کیا مجال تھی جو لا سکیں دو تین ہفتے کربلائی گذرے، لت والے چیں بول گئے، لیکن تا بکے راستہ کھلا، کش لگے اور وارڈروں کی جیبیں گرم ہوئیں۔

سپرنٹنڈنٹ کے دورے کا دن آیا بڑے جاہ و جلال کے ساتھ مسٹر مٹھوار وارد ہوئے، آتے ہی ڈانٹ ڈپٹ ہوئی، پردے ہٹوائے ہر جگہ پابندی لگوائی سانس لینا مشکل کر دیا، جنگ چھڑنی تھی چھڑی! ڈپٹی کمشنر آیا تو "ہندوستان کو خالی کرو" کے فلک شگاف نعرے بلند ہوئے۔ انتقامی دور شروع ہوا، تنہائی کی کوٹھری میں لے جائے گئے بھوک ہڑتال کی دھمکی ملی تو نرم ہوئے، تنہائی کی کوٹھریاں خالی ہوئیں! کیمپ میں لائے گئے، کچھ دن اچھے گزرے بی پی کے سامان پر جھڑپ ہوئی اور پانی کے دیر لگانے پر میر مشتاق احمد نے بارک میں بند ہونے سے انکار کر دیا خوشامدیں ہوئیں بند کرنے کے جتن کئے گئے لیکن رات کے تین بجے تک مکمل ہٹ ہٹ چلتی رہی اور میر صاحب بارکوں کے باہر ٹہلتے رہے، آخر جیلر آیا دوائیاں منگانے کا وعدہ کر گیا جب قصہ نمٹا۔

خطوں کی تقسیم میں ستایا جانے لگا تو ناساز کی لہر دوڑ گئی، قضا عند اللہ

انہی دنوں دوبارہ ڈپٹی کمشنر دورہ پر آیا، پھر کیا تھا بقول سمجھنے ایسے وقت کا انتظار تھا پھر نعرے لگ گئے، اس مرتبہ سپرنٹنڈنٹ نے پھر قید تنہائی کی کوٹھریوں میں بند کیا، لیکن نتیجہ کے اعتبار سے کافی دب گیا مگر منتظر رہا کہ کوئی شرارت پکڑے اور سختی کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، مسٹر شانتی رہا ہوئے ڈیوڑھی میں جا رہے تھے کہ ان کی تلاشی لی گئی، کسی مخبر کی خبر پر ان کی جوتی کے تلے اُدھیڑ ڈالے گئے اس میں سے چٹھیاں ملیں۔ شانتی روک لیے گئے اور جن کی چٹھیاں تھیں اُن کے دو ماہ تک خط آنے اور جانے بند کر دیے گئے ان خطوں میں راقم الحروف کا خط بھی تھا۔

ہیڈ وارڈر کی شرارت

ان تمام شرارتوں میں ہیڈ وارڈر کا ہاتھ تھا جو فطرتاً پست ذہنیت آدمی تھا۔ اسکو پریشان کرنے اور ستانے میں بہت مزہ آتا تھا چنانچہ اس کا دستور یہ تھا کہ وہ بلا وجہ سپرنٹنڈنٹ کے کان بھرتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے سپرنٹنڈنٹ کو بتایا کہ کیمپ کے دائرے میں بہت نیچے ایک جہاز آیا اور اُس نے مسٹر پٹنائک ڈائیلیٹ سے بات چیت کی کہ آپ مطمئن رہئے ہم آپ کو چھڑا کر لے جائیں گے۔ ایک دو روز میں ایک سیڑھی پھینکیں گے اُس پر آپ چڑھ جائیں۔

حیرت ہے کہ اس داستان پر یقین کر کے سپرنٹنڈنٹ نے مسٹر پٹنائک کے پیچھے دو نمبردار نگراں بھی لگا دیے جو ان کے سایہ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اور دن رات اُن کا پیچھا نہ چھوڑتے تھے۔

دوسرا قصہ اسی ہیڈ جمعدار نے یہ بتایا کہ خود ایک جمعدار کے ذریعہ مس
پٹنایک سے یہ کہلا کے بھیجدیا کہ جیل کے سامنے بائسکوپ کے پاس آپ کی
بیوی کھڑی ہیں آپ ان کو بارک کی چھت پر چڑھ کر دیکھ لیں مسٹر پٹنایک اس
فریب میں آکر اوپر چڑھنے لگے، پیچھے سے یہ ہیڈ جمعدار چلایا کہ آپ اوپر کیو
چڑھ رہے ہیں آخر شرمندہ ہو کر مسٹر پٹنایک نیچے اتر آئے اور جمعدار سے پوچھ
اس نے بتایا کہ یہ خبر مجھ کو ہیڈ جمعدار نے دی تھی اور تاکیداً آپ سے کہنے کو کہا تھا
تیسرا قصہ گھڑ کے اس ہیڈ وارڈر نے سپرنٹنڈنٹ کو یہ خبر دی کہ جیل کے
بائسکوپ کے سامنے اور جیل دیوار کے قریب نظر بندوں کے رشتہ دار خطوط
لکھ کے جیل میں پھینکتے ہیں اور نظر بند جیل کی چھت پر چڑھ کر ان سے
باتیں کرتے ہیں۔

اس واقعہ کی تصدیق کے لئے سپرنٹنڈنٹ نے ایک جمعدار جیل کو
پر مقرر کیا۔ جس نے دس روز ڈیوٹی دے کر رپورٹ کی کہ یہاں کوئی غ
آدمی دیوار کے پاس نہیں آتا۔ اور نہ کوئی باتیں ہوتی ہیں۔

اس قسم کی غیر معقول شکایتوں کا نتیجہ تھا کہ مسٹر مو قیدیوں سے ہر وق
برگشتہ رہتے تھے۔ ان پر قسم قسم کی نگرانیاں لگاتے اور سختیاں کرتے
وہ جب تک فیروز پور جیل میں رہے انہوں۔ نظر بندوں کو چین سے نہ
بیٹھنے دیا۔ کبھی ان کے خطوط روکے، کبھی ان کے پا ل واپس کئے، کبھ
کسی چیز کی ممانعت کی۔ کبھی کھیل کود پر پابندی لگائی۔ کبھی حکم ہوا کہ صبح
کی پرار تھنا مت کرو۔ نعرے مت لگاؤ۔

قیدیوں کو بھی ایک شغل ہاتھ لگ گیا تھا۔ وہ مفت میں نئے "شر" چھوڑتے۔ پروگرام بنتا کہ ہر مہینہ کی ۹ تاریخ کو صبح پربھات پھیری ہو، اور ترنگے جھنڈے کی سلامی کی جائے۔ وہ روزانہ تقریریں کرتے، مشاعرہ جماتے، اور جیل افسران کے قبضہ و اقتدار کو خاک میں ملاتے رہتے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ تنگ کرتا تو راشن کے لینے سے انکار کر دیتے تھے۔ جس پر اس کو ڈھیلا ہونا پڑتا تھا۔

انسپکٹر جنرل کی آمد

چنانچہ انہی تنازعات میں انسپکٹر جنرل کا نزول ہوا۔ قیدی جلے بیٹھے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ کی شکایتیں ہوئیں بتایا گیا کہ ہماری عزت بھی محفوظ نہیں ہے۔ انسپکٹر نے پوچھا کیوں؟ تو تفصیل ظاہر کی گئی کہ ہمارے پرائیویٹ خطوں کو انچارج دیکھتا ہے اور کہتا پھرتا ہے کہ میں ان خطوں کو لطف اور مزہ لینے اور راز معلوم کرنے کے لئے پڑھتا ہوں۔ سپرنٹنڈنٹ سے یہ شکایت کہی جا چکی ہے لیکن وہ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا اور ہماری ذلت کے درپے ہے۔"

ان شکایتوں کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا، انچارج درست ہوئے۔ خطوط باقاعدہ ملنے لگے۔ کھیل بھی کھیلے جانے لگے۔ اور معلوم ہوا کہ حکومت پنجاب نے نظر بندوں کی سوا روپیہ روزانہ اور چودہ آنہ پولٹیکل قیدیوں کی خوراک کر دی ہے اور پی، پی سے کھانے پینے اور پھلوں کو منگوانے کی بھی اجازت دیدی ہے۔

پی، پی کا سامان

پی، پی سے اجازت ملنے کو حکام لے اپنے

ایک ضرب کاری سمجھا اور اُن کے بارے میں انسپکٹر جنرل کو اپنی دقتیں لکھیں کہ اسٹاف پی۔پی ڈیل حساب نہیں رکھ سکتا۔ رقم مقرر کی جائے تاکہ حساب رکھنے میں سہولت ہو جواب میں پانچ روپیہ ماہوار کی اشیاء منگانے کا حکم ہوا قیدیوں نے اس کو بے کار سمجھا، لیکن کیا کرتے قہرِ درویش بجانِ درویش تسلیم کیا۔

آٹھ خط

مسٹر منٹو کا تبادلہ ہونے والا تھا کہ پنجاب اسمبلی میں اعلان ہوا کہ نظربند مہینے میں آٹھ خط اپنے رشتہ داروں کو لکھ سکتے ہیں اور سولہ خط آمدہ لے سکتے ہیں۔ چنانچہ اس اعلان کے مطابق نظربندوں کو آٹھ خط جیل کے خرچ پر دیئے جانے لگے، اس پر بھی مسٹر منٹو نے سرکاری ذہانت سے کام لیا اور سرکاری خرچ کم کرنا چاہا اور اس سرکلر کا یہ مفہوم نکالا کہ دو کارڈ ملنے چاہئیں لفافہ نہیں، اس پر نظربند معترض ہوئے احتجاجاً قدم اُٹھانا چاہتے تھے کہ سپرنٹنڈنٹ ایک خط اور ایک لفافہ دینے پر تیار ہو گیا۔ معاملہ اسی پر طے ہو گیا۔

الاؤنس

نظربندوں کے لئے قانون ہے کہ ان کے گھر والوں کو گھر کے خرچ کے لئے حکومت الاؤنس دے تاکہ گھر والے مالی پریشانی سے بچ جائیں، اسی قانون کے مطابق ہر نظربند نے کم و بیش حکومت کو درخواست دی اور الاؤنس کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ درخواستیں ۹۹ فی صدی نامنظور ہوئیں اور ردی کی ٹوکری میں ڈال دی گئیں۔

الاؤنس لینے والوں میں مسٹر منو دیو شاستری اور کچھ دن شاید پنڈت نختر دگھن جی شرما کا نام رہا، یہ لوگ یقیناً مستحق تھے اُن کو ملا، صحیح ملا مگر جن اور مستحقوں کو نہیں ملا۔ اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی، مسٹر حکم سنگھ کے دو بچے ایک بیوی ہیں

بچے پڑھتے ہیں، ان کی پڑھائی اور بیوی کے گذارہ کے لیے الاؤنس نہ دینا ستم ظریفی سے کم نہیں ہے اسی طرح مسٹر چوپڑہ کی بیوی بھی الاؤنس کی مستحق تھیں بیماری کی حالت میں اُنھوں نے الاؤنس طلب کیا تو انکار کر دیا گیا نہ معلوم کیا معیار الاؤنس دینے کا حکومت نے مقرر کیا تھا۔

مشترکہ کچن

ملتان۔ انبالہ جیل کے تجربوں اور کوششوں نے آخر نظر بندوں اور پولٹیکل قیدیوں سے ایک ایسا اقدام کرالیا تھا جس سے جیل حکام متحیر تھے، ہمیشہ سے اُن کا دستور یہ چلا آرہا تھا کہ وہ پولٹیکل قیدیوں اور نظر بندوں میں اختلاف ڈلوا کر دو ٹکڑیاں بنوا دیا کرتے تھے اور باہمی نزاع سے فائدہ اُٹھاتے تھے، اس شرارت کا سدِ باب کرنے کے لئے یہ طے کیا گیا کہ نظر بند اور پولٹیکل قیدی مشترکہ کچن قایم کریں اور جو چیز خوراک کی آئے اُس کو تمام پر تقسیم کر لیں تاکہ جیل والوں کو آپس میں نفاق ڈلوانے کا موقع نہ ملے۔

یہ اقدام نہایت کامیاب ثابت ہوا نفاق انگیز شکل ختم ہوگئی، نظر بندوں کے سوا روپے میں سے جو زیادہ آنے خوراک میں لگ جاتے تھے اور بقایا جو بچتا تھا اُس میں پھل بادام وغیرہ منگا کر تمام نظر بندوں اور پولٹیکل قیدیوں کو تقسیم کر دیتے جاتے تھے۔

مصروفیات

دہلی کی نظر بند دہلی جیل، ملتان جیل اور انبالہ جیل میں اجتماعی صورت سے نہیں رہے اور ایک فیروز پور کیمپ جیل ہی ایسا مقام تھا جہاں تمام دہلی والے ایک جگہ تھے اور ان کی کافی وقت گذارنے کے لیے وہاں رکھا گیا تھا، چنانچہ وہ جب کل ایک جگہ جمع ہو گئے

اور ان کو یہ یقین ہو گیا کہ یہاں سے ہم کو کسی دوسری جیل میں منتقل نہیں کیا جائے گا تو انہوں نے وہاں دل چسپیاں بڑھانی شروع کیں اور پروگرام بنائے۔ چنانچہ ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق مصروفیتیں مہیا کر لیتا تھا۔

کھیل تاش کے کھلاڑی صبح اٹھ کر کھیلتے کھیلتے شام کر دیتے تھے، نہ کھانے کا ہوش، نہ پینے کا خیال، ہر وقت تاش اور شطرنج کھیلنے میں مگن رہتے۔ کبھی کبھی ہار جیت بھی ہو جاتی۔ شام کو بالی بال کا کھیل جمتا، گیم ہوتے، پارٹی بندی کے جوش و خروش ظاہر ہوتے۔ کسی دن آملباٹا کھیل کھیلا جاتا، اناڑیوں کا مذاق اڑتا، بے فکرے لوگ تماش بینوں کی تفریح کا سامان بنتے، کہنے والے نہ چوکتے۔ کاغذ کے پٹے بازوں کا مشاعروں میں نقشہ کھینچا جاتا تھا۔ ایک دل جلے نے کیا خوب کہا تھا۔

کھیلتا ہوں میں، نیتوں کو ملت کرتا ہوں ؀ دوڑتا ہوں، انگلیوں سے بات کرتا ہوں
گیم کر دوں، آرزو یہ تنگ کرتی ہے ؀ اس لئے آگے اچھلنے وانت کرتا ہوں

مشاعرے مشاعرہ باز مشاعروں کی تیاریاں کرتے۔ انجمن بیو قوفان کا قیام ہوتا۔ عہدہ محترم شکل و صورت کے اعتبار سے منتخب ہوتے۔ ماشاء اللہ چشم بد دور خوب جچتے۔ کسی پر ناراض ہوتے تو آنکھوں کے ساتھ دانتوں کی چمک بھی اپنا رنگ دکھاتی۔ جیتے جی جنازہ نکلوانے سے بھی نہ چوکتے تھے۔ ان کا مقولہ تھا ؎

مان لو لیڈر کا اگر خواہ جنازہ جس طرح ؀ لیڈری پر ہو رہی جاں نثاری آجکل

ہفتہ کے ہفتہ مشاعرہ ہوتا، لوگوں کو خطاب دیئے جاتے ڈاکٹر رتن لال شاردا

اور میر مشتاق اس پارٹی کے روح رواں تھے۔ ان پر ہر وقت مشاعرہ سوار رہتا تھا۔ ہر شخص کو شاعر بنانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ جھجن منڈلی ہر لمحہ بھگوان کی چرن لیتی تھی۔ ہر ساعت اس کی مالا جپی جاتی تھی۔

مشاعرہ میں جیل افسروں کو نہ بخشا جاتا تھا۔ جیل کی بدانتظامیوں کے خاکے کھینچے جاتے تھے۔ دوست احباب بھی زد میں آتے تھے۔ پھبتیاں کسی کو نہ بخشتی تھیں۔ ایک محفل میں ایک نوجوان نے خوش الحانی کے ساتھ یہ نظم سنائی۔

قوم کے سیوک ادیب لکھنوی ہیں باکمال — وہ بنے ہیں حامی سرمایہ داری آجکل
زر پرستوں کی برائی کیجیئے ہوں گے خفا — بے غرض کرتے نہیں ہیں پاسداری آجکل
قوم کا سرمایہ چٹ ہو یا وطن پر کچھ بنے — واسطہ اس سے نہیں ہے پاس یاری آجکل

نظم کے ایک ایک مصرعہ پر دل کھول کے داد ملی۔ سمجھنے والوں نے سمجھا اور جاننے والوں نے جانا کہ خوب ہوئی۔ اچھے اکڑو خاں کی اکڑ نکالی۔ اچھے پھندے میں پھنسے لیکن یہ سب کچھ کہنا اور سمجھنا تفریح تھی۔ جس کے بارے میں کہا جاتا تھا وہ سب سے زیادہ خوش ہوتا اور محفل کی جان بنتا تھا۔ چنانچہ محفل کے چند ہیرو تھے وہ جیل کی زندگی بنے ہوئے تھے۔ مسمریزم کے کمالات دکھانا انہی کا کام تھا۔ وہ جس بات میں حصہ لیتے سب اس میں لگ جاتے آنکھیں بند کرا کے لکڑیوں سے مٹکے پھڑواتے، ایک ٹانگ کی دوڑ کراتے، تماش کی پتہ بازی دکھاتے، ہفتوں ان چیزوں کی تیاری کرتے اور پھر داد لیتے۔

ڈرامہ کسی کو لڑکی، کسی کو لڑکا، کسی کو لکڑ ہارا بنا کر لکڑ ہارے کا کھیل دکھاتے

اور پوڈر رنگ، روغن، کپڑے وغیرہ مہیا کرتے اور اسٹیج بنا کر چراغ الدین کی یاد تازہ کر دیتے تھے۔ جیل رہل سل گھر بنا ہوا تھا، مسٹر بھاسکر اور مسٹر جوہری کے زنانہ پارٹ پر ہر شخص شیدا تھا، مسٹر جینت، مسٹر بنتھ، مسٹر پٹنایک دلوانہ وار کمپنی کی شہرت کو چار چاند لگانے میں مصروف نظر آتے تھے۔

پیٹ پوجا کھاؤ پیر طبقہ کسی بات سے کوئی واسطہ نہ رکھتا تھا اُس کو کچن سلامت رہے اور اُس کی انچارجی، اس کو ان محفلوں سے صرف اس قدر دلچسپی رہتی تھی کہ جب کچن انچارج کے انتخاب کی میٹنگ ہوتی تو وہ اس میں آجاتے، ورنہ کوئی سروکار نہ رکھتے، وہ دودھ نہواتے، جلیبیاں، بٹڑاتے، اس کے جھگڑے چکواتے، جیلر سے راشن کی کمی وبیشی پر زبانی لکڑی گیلی ہے، گھی خراب ہے، آٹا نکما ہے، سبزی بدتر ہے کے شکوے وردِ زبان رہتے اور یوں ہی دن بھر چخ چخ پٹ پٹ کر کے گنتی کے بعد بمشکل تمام آٹھ گھنٹے سوتے، سوتے میں بھی مشقتیوں کو ڈانٹتے جھڑکتے اور جلد کام کرنے کی تاکید فرماتے تھے، اس گروپ کے کرتا دھرتا دیار تھی جی تھے۔

سیوا سیوکوں کا گروپ صبح گنتی دینے کے بعد پربھات پھیری کرتا، نظمیں گا گا کر تمام جیل میں گشت لگا کر سنائی جاتیں، آٹھ نو بجے جھنڈے کی سلامی کرتا، دو تین گھنٹے چرخہ کاتتا، دوپہر کو اشنان گھر اور بیت الخلا کی صفائی کی خدمت انجام دیتا، شام ہوتی تو جھنڈے کی سلامی ہوتی، اور قومی نعرے لگائے جاتے تھے۔ جھنڈے کی سلامی کے انچارج مسٹر اجیت داس گپتا تھے۔ یہ بیچارے بنگالی ہیں یہ "جھانڈا کی سلامی" بڑے دلچسپ لہجہ سے

کہتے تھے اور لوگ اس میں لطف لیتے تھے۔

ہَوَن مذہبی لوگ ہون کا سامان جمع کرتے۔ ہون کی کنڈلی بنانے اور اس میں شرکت کے لئے دعوت دینے میں کافی وقت صرف کرتے تھے۔ دیانندجی کے فلسفہ پر بحثیں ہوتیں۔ آزاد خیال اور مذہبی لوگوں کی چھیڑ چھاڑ کبھی دل چسپ اور کبھی تلخی کا باعث بن جاتی تھیں۔ جیل کے ماحول سے ثابت ہوا کہ کانگریسی ہندو طبقہ ابھی تک مذہب کا دیوانہ ہے اور مذہبی ہے۔ ہون میں کم وبیش ہر خیال کا ہندو شامل ہوتا تھا۔ مگر ایسی تعداد بھی تھی جو ہون پر یقین نہ رکھتی تھی۔ اور اس کو پولٹیکل اعتبار سے صحیح نہیں سمجھتی تھی۔

رہائیاں رہائیوں کے مذاق تو ہر وقت ہوتے تھے۔ کسی نہ کسی کو بیوقوف بنا کر تفریح کی جاتی تھی۔ لیکن واقعی جب کوئی رہا ہوتا تھا تو اس کو دعوت دی جاتی۔ اس کی تعریف وتوصیف میں تقریریں ہوتیں اور جیل میں آنے کے مقاصد اور باہر جاکر پروگرام کا ذکر کیا جاتا۔ زیادہ مال دار اور اثر ورسوخ کا مالک ہوتا تو دو تین سے دعوتیں کھا جاتا۔ ورنہ چند دوست دعوتیں کرکے رخصت کرتے۔ چٹھیوں کے پشتارے باندھ دیتے اور ملنے جلنے والوں کو اس کے ذریعہ پیغام پہنچاتے تھے۔

شروع شروع میں چھٹیاں خوب گئیں مگر جب شانتی جی کا واقعہ ہوگیا تو ان کی معافی ضبط کرلی گئی تو انتہائی احتیاط برتی جانے لگی۔

رہائیوں کے وقت ایک دل چسپ کیفیت ہر شخص کو محسوس ہوتی تھی ہر شخص رہا ہونے والے سے ملتا اور اپنے پیغامات پہنچانے کی یاد دہانی کراتا تھا۔

رہا ہونے والے کے دوست واحباب غمگین سے نظر آتے تھے۔ وہ اس کو چھوڑنا بھی نہ چاہتے تھے اور نہ رہائی میں مخل ہو سکتے تھے۔ جبراً قہراً الوداع کرتے اور چلتے چلتے دروازے سے نکلتے وقت "پیچھے گھوم" کا فلک شگاف نعرہ مخلصانہ طرایقہ سے لگاتے تھے۔

رہائی کے بعد رہا ہونے والے کے دوست احباب جیل کی چھتوں پر رونق افروز ہوتے۔ چڑیوں کی طرح چڑھتے اور پتیا بوں کی طرح سڑک پر نگاہ ڈالتے، رہا ہونے والے وہاں موجود ہوتا تو وہ رومال ہلا دیتا۔ جس کا مطلب یہ لیا جاتا کہ تمہاری چیزیں جیل کے دروازے سے باہر محفوظ پہنچ گئیں۔

رہائی یا قید پرچہ آیا کہ مسٹر درگا داس کھنہ کی درخواست ہیبس کارپس منظور ہو گئی ان کو رہائی کے لئے ڈیوڑھی بھیجا جائے۔ چنانچہ اس خبر نے کیمپ میں ایک خوشی کی لہر دوڑا دی، فوراً دعوت کی تیاری ہوئی، ساتھیوں نے ایڈریس دینے اور تہنیت نامے لکھنے شروع کر دیئے۔ سامان کی لسٹیں بنیں۔ کھڑائیاں چڑھیں اور آناً فاناً میں سامان دعوت تیار ہونا شروع ہو گیا۔ دریاں بچھیں، دسترخوان آئے، گویّوں نے الاپنا شروع کیا۔ مسخروں نے قہقہوں کی دنیا پیدا کی۔ پیٹ میں پڑنے کا دور آیا۔ چھینا جھپٹی ہوئی، کسی نے منہ بنایا۔ ہڈیوں کے ڈھانچے نے دانت نکالا۔ پرانے بھڑوں کی طرح بڑبڑانا شروع کیا۔ معلوم ہوا کہ کوئی تازہ نظم سنائی ہے۔ ماشاء اللہ، سبحان اللہ، واہ، واہ، مکرر، سہ کرر، چہار کرر کی صدائیں بلند ہوئیں۔ کچھ نہیں سمجھے۔ "آدر ہو گا" اصرار جاری ہوا۔ میر صاحب آدھمکے انہوں نے جو کہا تھا وہ سنایا۔ حکیم خلیل الرحمٰن بھی حضرت

ذوق کی طرح قصیدہ خواں ہوئے۔

ڈیوڑھی پر لکھنہ جی کے رشتہ دار، بیوی بچے انتظار کر رہے تھے۔ اسلئے
ن کے جانے میں عجلت برتی گئی۔ وہ گئے۔ بیوی نے دیکھا۔ بچے چمٹے کر اب
آباجان کی گودی میں بیٹھیں گے۔ ان سے روزانہ چیزیں کھائیں گے۔ کھلونے
لیں گے۔ یہ دل چسپ پر لطف منظر جاری تھا کہ پولیس افسران نے ایک ہاتھ میں
رہائی کا وارنٹ دیا اور دوسرے ہاتھ میں ۱۲۹ میں نظر بند ہونے کا حکم پکڑا دیا۔

خوشی غم میں بدل گئی۔ بچہ رونے لگا۔ بہادر باپ نے تھپڑ مارا کہ چپ رہ،
خوشی کا موقع ہے، رونے کا نہیں۔ تو کس باپ کا بیٹا ہے۔ روتا ہے یہ کہہ کر
سب ملنے جلنے والوں اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر لکھنہ جی خوش و خرم جیل
کے اندر چلے آئے۔

جھتیداری انبالہ جیل سے ہمارا چالان فیروزپور کیمپ میں پہنچا تو وہاں
حکم سنگھ جی کی جھتے داری تھی۔ یہ لوگ ملتان جیل سے پہلے
جھتے میں آچکے تھے۔ یوں تو انبالہ جیل میں بھی جھتے داری شروع ہو گئی تھی۔
ور ملتان جیل میں بھی جھتے داری تھی۔ انبالہ جیل کی ناقص جھتے داری ہونے
ور ملتان جیل میں کم مدت رہنے کی وجہ سے ہمارا ان جھتے داریوں سے خاص تعلق
نہیں۔ ہاں فیروزپور جیل میں رہے وہاں جھتے داری کے نظام کو چلانا پڑا۔

جھتے دار قیدیوں میں سے چنا جاتا تھا۔ تمام قیدی جمع ہو جاتے تھے اور
ں کو چن لیتے تھے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ بیرک دار جھتے دار منتخب ہوتے اور
ہ منتخب جھتے دار اپنے اندر سے ہیڈ جھتے دار منتخب کر لیتے تھے۔ کچن کا انچارج

الگ ہوتا تھا۔ اس کے ماتحت چھوٹے کچن کے انچارج ہوتے تھے۔ کچن انچارج
چھوٹے انچارجوں کو اپنی موجودگی میں ان کے کچن کا راشن دلواتا تھا۔ اپنے سا
تلواتا اور دیکھ بھال کر کے حساب سے تقسیم کراتا تھا۔ ہیڈ کچن انچارج کی مرض
کے بغیر راشن واپس نہ ہوتا تھا۔ واپس کرنا ہوتا تو ہیڈ کچن انچارج ہیڈ
جمعدار کو اطلاع کرتا۔ وہ جیل حکام سے بات کرتا۔ ان تک شکایتیں پہنچا
اور ان کو دور کرانے کی کوشش کرتا تھا۔

جیل حکام کی بدعنوانیوں کے خلاف عملی قدم اٹھانے کے لئے قید بو
کی جنرل میٹنگ ہوتی تھی۔ اس میں طے کیا جاتا تھا کہ کیا قدم اٹھانا چاہیئے اس میں
پارٹی بازی ہوتی۔ جھتے داری احتیاطاً یا حفظاً عام طور پر عملی قدم اٹھانیکی مخالف
ہوتی۔ بہت پھونک پھونک کر قدم رکھتی۔ اور عملاً ایسی معلوم ہونے لگتی کہ
جیل حکام کی وکیل ہے اور ان کی وکالت کر رہی ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہوتا
کہ جو کچھ کرنا تھا وہ کر لیا۔ گرفتار ہوئے۔ چہار دیواری میں بند ہو گئے اب
یہاں آرام وسکون، سکوت سے زندگی گزارنی چاہیئے۔ جو پابندی ہو اس
کو قبول کرنا چاہیئے اور ایجی ٹیشن سے دور رہ کر زندگی بتانی چاہیئے۔

دوسرا گروپ اس نظریہ کا حامی نہ تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ جب ہم باہر حاکم
ذلیل کن ذہنیت کے خاتمہ کی جد وجہد کی پاداش میں جیل کے اندر بھیجے گئے
ہیں تو پھر ہم اس ذلیل ذہنیت کے سامنے جیل کے اندر کیوں جھکیں۔ اور ا
خودداری کو کیوں ٹھیس لگائیں۔

فیروزپور جیل کے ایام میں تین جھتے داریاں وجود میں آئیں۔ اوّل

سنگھ جی، دوم میر مشتاق احمد، سوم ڈاکٹر یدھ ویر سنگھ کی - موخر الذکر
داری بالکل رجعت پسندانہ ذہنیت رکھتی تھی - اس دور میں پولیٹیکل قیدیو
ی طرح مٹی پلید ہوئی - جیل کے جمعدار راج کرتے تھے - ہیڈ جمعدار ناخدا
ا تھا - وہ جھجے دار کو ڈانٹ دیتا تھا - وہ غریب خاموشی کے ساتھ سنتا تھا۔

راشن دینے والے نمبردار کم راشن تول دیتے تھے اور کوئی آواز نہیں
ی جاتی تھی - طرح طرح کی پابندیاں لگا دی گئی تھیں - دودھ انتہائی
ب آنے لگا تھا - گیارہ بجے دن کے اس کی شکل دکھائی نہ دیتی تھی - بارہ ایک
روٹی سبزی وسالن کے ساتھ تقسیم ہوتا تھا - گویا پانی کی جگہ استعمال کرنے
یز دودھ کو تصور کیا جاتا تھا۔

البتہ چند لوگ ایسے ضرور تھے جن کو باقاعدہ ڈاک مل جاتی تھی - دن میں
ط سپیشل طریقہ سے جاتے اور دو آتے تھے - اور تمام مٹھائی اور پھلوں کے
ں ان کو مل جاتے تھے وہ کتابیں پڑھتے اور دوسرے ایک ایک چیز کے لئے ترستے تھے

سپرنٹنڈنٹ آتا تو اس کے ساتھ جھجے دار ایک ملازم کی طرح چلتا، جی حضوری
زار گرم ہوتا - اس کو فکر رہتا کہ کوئی سپرنٹنڈنٹ سے ذاتی شکایت نہ کر دے
ئی شکایت کرتا تو وہ سپرنٹنڈنٹ سے اس کی تردید کر دیتا - لکڑی گیلی اور
ی آتی تو خاموشی سے لے لیتا - دوسرے بی پی کی چیزوں سے محروم ہوتے
ہ وہ ضرورت کی اشیاء گھی وغیرہ منگانے سے نہ روکتا - اس جھجے داری میں
رک جھجے دار مسٹر خورشید احمد کاظمی اور پنڈت شتروگھن سترپا تھے - یہ یقیناً
قابل تھے کہ ان کی محنت اور کام کی تعریف کی جائے یہ لوگ اس جھجے داری

میں نہ ہوتے تو یہ جتھے داری جماعتی عزت و وقار کو بری طرح دھکا لگا دیتی۔ وہ جیل میں بڑے داموں نیلام کراتی۔

یہ خامیاں حکم سنگھ جی اور میر صاحب کی جتھے داری میں قطعاً نہ تھیں۔ یہ خوددار لوگ اپنی خودداری کو کسی قیمت پر قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے یہ ہر وقت عملی قدم اٹھانے کے لئے تیار رہتے۔ ان کو جتھے داری کی بھی پرواہ نہ تھی۔ جتھے داری ان کے پیچھے پھرتی تھی۔ وہ اسے ٹھکراتے تھے۔ انہوں نے کبھی اپنی جتھے داری کے لئے بیڑیاں، پھلکیاں اور پکوڑیاں نہیں بانٹیں۔

ہمارا ڈاک گھر

ملتان جیل اور انبالہ جیل میں لکھنے پڑھنے کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ یہی وہ جیلیں ہیں جہاں "تاریخ جرم و سزا" کے اوراق لکھے گئے۔ انبالہ جیل میں ہسپتال کے فارم اور ردی جس کے ایک طرف لکھا ہوا ہوتا تھا کام میں آتی تھی۔ لکھی ہوئی طرف لئی لگا کر اس کو چپکا دیتے تھے۔ ان کاموں میں منشی عبد القدیر صاحب بہت دلچسپی لیتے تھے اور بہترین معاون ثابت ہوتے تھے۔ انبالہ جیل میں مختصر سی لائبریری بھی ہے۔ جن جتنی کتابیں ہیں وہ تمام کار آمد ہیں۔ ان کتابوں سے ہم کو کافی مدد ملی۔ خاص طور پر مسٹر بارکر انسپکٹر جنرل جیل پنجاب کی تصنیف "پریزنٹ" مسٹر سلیمن کی تصنیف "جیلز اینڈ ریگولیشن" اور دار الحکومت دہلی مصنف مولانا [illegible] مطالعہ میں رہیں۔ امیر گورنمنٹ کا اردو ترجمہ انبالہ جیل میں ہی پروفیسر [illegible] کی مدد سے کیا گیا۔

فیروزپور کیمپ میں کاغذ، پنسل، سیاہی قلم دوات پر سخت پابندی تھی۔ کوئی قیدی ان چیزوں کو اپنے پاس نہ رکھ سکتا تھا۔ اس کا رکھنا خلاف قانون تھا

کتابیں بھی چار یا پانچ مہینے نہیں دی گئی تھیں۔ ذاتی کتابیں بھی ضبط تھیں۔ ایسی صورت میں لکھنے پڑھنے کا کام مفقود تھا۔ بہت چھپ چھپا کے چٹھی پرچی لکھی جاتی تھی۔ مہینہ وار خط لکھنے کے لئے نمبردار دفتر سے دوات قلم لاتا اور اپنے سامنے خط لکھوا کر لے جاتا۔ کاغذ کی شکل دیکھنے میں نہ آتی تھی کوڑی پر کاغذ کی شکل دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی تھی۔ ایک طرف لکھا ہوا کاغذ اٹھا لیا جاتا تھا اور سوغات سمجھ کر اس کو سینت رکھتے تھے۔

لفافہ بنانے کے لئے شروع شروع میں لئی اور گوند نصیب نہ ہوا تو سلے توڑ کر استعمال کئے ان سے لفافے بنائے کبھی کبھی آٹا گوندھا اور روٹا بھلا لفافہ بنا کر روانہ کیا۔ لفافے کی وضع عجیب ہوتی تھی، جا بجا انگل سے بڑے نہ ہوتے تھے۔

میرے لئے یہ شکل کچھ عرصہ رہی اس کے بعد قلم سرکنڈے کی بنائی اور پتی لگا کر کام چلانا شروع کیا۔ دوات کے لئے ایک شیشی مل گئی، دفتر سے نمبردار سیاہی لانے لگا چٹھیاں تیار ہونے لگیں۔ غرض ای میل کا انتظام ہوا تو "سیل" نے ڈاک گھر کا خطاب پایا، اس میں ایک پیسہ، دو پیسہ، تین پیسہ، چار پیسہ اور چھ پیسے تک کے ٹکٹ لفافے ملنے لگے۔ باقاعدہ ایک ٹھیہ بنایا۔ چغل خور نے چغلی کھائی کہ قلم دوات فلاں سیل میں رکھی ہے۔ جمعدار آ دھمکا، دوات مانگی، پکڑوا دی، پھر پھر ایک شیشی لی دوات کا کام چلنے لگا اور ایسا چلا کہ سب نے دیکھا کہ قلم دوات رکھی ہے اور لکھنے والا لکھ رہا ہے اور کچھ بس نہیں چلتا۔

مٹھائیاں | کچن پہلے تین تھے میٹ (گوشت) کچن، ویجی ٹیبل (سبزی) کچن

یہ دو نوں کچن نظر بندوں کے تھے۔ تیسرا کچن نیادیوں کا تھا بعد میں دو کچن رہ گئے: ایک گوشت دوسرا سبزی والا۔ ان کچنوں کے انچارج ادلتے بدلتے رہتے تھے اور لوگ اس جگہ کے لئے خواہشمند رہتے تھے۔ جو ہٹتا تھا وہ الزام سے نہ بچتا الزام لگتا تھا کہ گھی کم خرچ کرتے ہیں۔ اپنے لوٹے کے لئے رکھتے ہیں۔ روٹیاں خشک رہتی ہیں، دودھ میں پانی ملایا جاتا ہے۔ روٹیاں بلا سکی دیجاتی ہیں اور اپنوں کو سینک سینک کر دیتے ہیں۔

گوشت بنانے اور مچھلی کے تیار کرنے میں کاظمی صاحب اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، وہ کچنوں کے ہیڈ انچارج تھے جب کبھی سالن بنانے بیٹھتے خوب بناتے۔ ان کے طفیل نت نئی چیزیں کھانے کو مل جاتی تھیں۔ میر صاحب بھی اچھے خانساماں ثابت ہوتے تھے، آلو کے چاول کا پلاؤ وہی بناتے تھے۔ رمن جی اور شاستری جی گھی بچانے میں کمال رکھتے تھے، مٹھائیاں ان کے دور میں خوب بنتیں اور لوگ پیٹ بھر بھر کر کھاتے تھے اور پنڈت شتروگھن مٹھائی کی تیاری میں رت جگہ مناتے تھے۔

مٹھائیوں کے استاد شتروگھن جی تھے ان کے بغیر مٹھائیوں کا بننا مشکل ہوتا تھا۔ ان کی مٹھائی کھا کر دہلی والوں کو دہلی کی مٹھائیاں یاد آجاتی تھیں ان کے دوسرے ساتھی مٹھائی بنانے کے ماسٹر کنھیا لال عرف کنی تھے۔ قد کے اعتبار سے چھوٹی بالو شاہی یا مٹھری سمجھے تھے۔ پہلوانی میں ہمارے استاد بھائی تھے

گنے کی چوری

پھلوں کے سلسلے میں جماعتیں بندھی ہوئی تھیں، کوئی

گنے منگاتا تھا۔ کوئی کیلے کا شائق تھا۔ اس کے لئے کیلے آتے تھے۔ کوئی آم کا ذوق رکھتا تھا تو آم لائے جاتے تھے۔ ایک کے حصہ میں ایک چیز آتی تھی۔ خواہ گنا لے لو، یا آم، کیلا کھالو۔ بعض طبیعتیں دوسری چیزیں دیکھ کر للچا جاتیں۔ اس کے اُڑانے کی فکر کرتیں۔

ایک مرتبہ دس پندرہ گنے آئے۔ شریر ٹکڑی کو کوئی دوسری چیز ملی تھی گنے کی فکر ہوئی تو رات کو دو گنے اُڑا کر کھا گئی اور ستم ظریفی یہ کی کہ گنے کے چھلکے بقایا گنوں پر چوس کر ڈال دیئے۔ یہ واردات رات کو ہوئی تھی۔ حضرت شیخ سازش میں شامل تھے۔ اور گنے کے مالکوں کو گفتگو میں منہمک کئے تھے۔ ان کی برکت سے کامیابی ہوئی۔

صبح ہوئی تو چھلکوں نے چغلی کھادی۔ سمجھنے والوں نے سمجھ لیا کہ اچھی ہوئی۔

اسی بیچ بیچ میں رہا ہونے کی خبر آئی۔ پہلے جتھے میں تین نظر بند رہا ہوئے چار ہفتوں میں چالیس کی تعداد چھوڑ دی گئی۔ مسٹر منٹو کے تبادلہ کے دن بھی آگئے۔ سردار دیوان سنگھ بھی چالیس میں رل مل کر نظر بندوں کا ساتھ چھوڑ گئے۔ جاتے ہی وظائف شروع کئے اور دو ماہ کے بعد راقم الحروف کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ یعنی راقم الحروف ۲۰ نومبر ۱۹۴۲ء کو دہلی جیل سے رہا کر دیا گیا اور علاقہ غیر میں پابند کر دیا گیا۔

اس پندرہ ماہ کے عرصہ میں اس کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنے عزیز واقارب سے ملاقات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ کوئی ملاقات نہیں ہوئی لیکن

اپریل ۱۹۴۴ء میں ملاقات کی نظر بندوں کو اجازت ہوگئی ہے جو ہر ماہ میں دو مرتبہ مل سکتے ہیں۔

اس عرصہ میں نظر بندوں کے خطوط لکھنے پر پابندی بھی لگائی گئی تھی کہ وہ مقررہ الفاظ سے زیادہ نہ لکھیں، اس پر نظر بندوں نے احتجاجاً خط لکھنا بند کر دیا تھا مگر بعد میں کچھ مطالبات تسلیم ہونے کے بعد لکھنا شروع کر دیا تھا۔

سیاسی قیدیوں کی قسمیں

یہ تو آپ نے جیل کے سلوک کی روئداد پڑھی جو حکومت کی جانب سے قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے؛ لیکن بذاتِ خود سیاسی قیدی کیا ہوتے ہیں اور کن کن نظریات کے ماتحت جیلوں میں آتے ہیں اور کس طرح اور کن صورتوں میں زندگی گذارتے ہیں اس کی داستان بھی دلچسپی اور سبق سے خالی نہیں ہے، ہم نے سیاسی قیدیوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ اوّل لیڈر، ڈکٹیٹر، سوئم والنٹیرز۔ لیجیے قسمِ اوّل کا سیاسی قیدی جو لیڈر کہلاتا ہے۔

لیڈر

بارکوں کے سامنے قیدیوں کی ٹکڑیوں سے الگ تھلگ منھ بنائے، قیدیوں پر نفرت کی نگاہ ڈالے ہوئے ایک سفید پوش انسان کھڑا ہے، اُس کا لباس سادہ مگر فاخرہ ہے۔ اُس کے چہرہ پر رونق ہے وہ بھی قیدی ہے لیکن پونجی پتی اور سرمایہ داری کا طرہ لگائے ہوئے ہے؛

اسکو اپنے ساتھی غریب پولٹیکل قیدیوں سے نفرت ہے کہ ان کے منھ سے بدبو آتی ہے وہ اُن سے ہم کلام ہونا اپنی توہین تصور کرتا ہے؛ کیونکہ اُن کو آدابِ محفل نہیں آتے، گفتگو کرنے کا سلیقہ نہیں رکھتے اور گنوار پن برتتے ہیں

وہ ان سے میل جول رکھنے کا روادار نہیں ہے اس لئے نہ منھ پھٹ اور بدتمیز ہوتے ہیں، محفل و مقام محل کی تمیز کرنا اس کے بس کی بات نہیں ہے اس وجہ سے وہ ان سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے ۔

اُن کے ساتھ رہنے سے وہ اپنے آپ کو ایک بلا و مصیبت میں سمجھتا ہے اُن کی ضروریات کی اشیاء کے حصول میں جو دقتیں ہوتی ہیں ان کی جد و جہد سے وہ الگ رہتا ہے، وہ ایجی ٹیشن کے نام سے کانپتا ہے، نعروں سے تھراتا ہے، جلسوں اور مشاورتی میٹنگوں اور ہنگاموں کو غنڈہ ازم سے تعبیر کرتا ہے

اس لئے کچھ ہم پلہ اور کچھ خوشامدیوں کو ساتھ لے کر ایک محفوظ و تنہا مقام پر رہنے کا متمنی ہوتا ہے۔ مگر اس نفرت و حقارت کا اظہار قیدیوں پر نہیں ہونے دیتا اور ان کو فریب میں رکھنے کے لئے سگریٹیں اور بیڑیاں روزانہ مقررہ تعداد میں تقسیم کراتا ہے تاکہ اس کی قوم پروری اور وطن نوازی مسلّم سمجھی جائے اور کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے ۔

وہ ہر تحریک کا لیڈر ہوتا ہے اس لئے نہیں کہ اس کو قیدیوں کے مطالبات سے ہمدردی ہے بلکہ جیل حکام کو خوش کرنے کے لئے اور ان کو پریشانی سے دور رکھنے کے لئے اپنی قیادت کو ضروری سمجھتا ہے، اس کی لیڈری ہر ایجی ٹیشن کی تمام پابندیوں سے پاک و صاف رہتی ہے، اگر فیصلہ ہو جائے کہ ہسپتال سے دوا نہ لی جائے گی اور ہسپتال کا بائیکاٹ کیا جائے گا تو وہ اس پابندی کا پابند نہ رہے گا بلکہ وہ دوائیوں کو منگا کر شیرِ مادر سمجھ کر فراہم کرے گا ۔

یہ سرمایہ دار لیڈر جو سیٹھ جی یا لالہ جی یا میاں جی کے خطابوں سے پکارے
تے ہیں ۔ دن بھر کسی نہ کسی کام میں مصروف و منہمک نظر آتے ہیں ۔ چنانچہ
کا معمول یہ ہوتا ہے کہ وہ صبح اُٹھتے ہی جمعدار کا انتظار کرتے ہیں ۔ جو
لاتا ہے اور پھل، مکھن بھی ٹوکری میں پوشیدہ طور پر نے جاتا ہے
دوسرے تیسرے روز بیڑیوں کے بنڈل اور سگریٹ کے ڈبے بھی پہنچاتا
ہے ۔ جس کے محنتانہ میں سیٹھ جی سے اس کو پچیس روپے ماہوار ملتے
اور سرکاری تنخواہ اٹھارہ روپے وصول کرتا ہے ۔ ظاہر ہے جو زائد
گا اس کی وفاداری کی جائے گی ۔

چنانچہ سیٹھ جی کی طرف سے اس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ دن میں کسی وقت
جائے جہاں سے سیٹھ جی کی ڈاک لے کر سیٹھ جی کو صبح دم پہنچا دے ۔
سیٹھ جی ایک گھنٹہ کے قریب ڈاک دیکھتے اور اس کا جواب تیار کرکے
کہ نو دس بجے کا ٹائم ہو جاتا ۔ ہسپتال جاتے، ڈاکٹروں کے اِرد گِرد پھرتے
انہ خوشامد ہوتی ۔ ٹکٹ پر پی پی کے ذریعہ مقوی ادویات منگانے کی سفارش
تے ۔ نیبو، پیاز کے لئے جھگڑتے، اور گھنٹوں میڈیکل آفیسر کے پاس بیٹھتے ۔
یوں سیٹھ جی بارہ بجے کے قریب وہاں سے اٹھتے ۔ کھانا کھاتے ۔ کلہ و لّر
کہ اتنی دیر میں جمعدار نیفہ سنبھالے ہوئے آجاتا اور آڑ میں ہو کر نیفہ سے
نکال کر دیتا ہوا چلتا بنتا ۔ سیٹھ جی کافی دیر اخبار پڑھتے ۔ گھنٹہ تین
تو وہ ڈیوڑھی جاتے ۔ کلاس کی گڑبڑ ہوتی تو اس کے لئے کوشش
کہ ان کو وہی سپیشل کلاس مل جائے اور وہی تمام رعاتیں حاصل

ہو جائیں جو ان کو حاصل تھیں۔

شروع میں سیٹھ جی یہ بھی کوشش کرتے کہ ان کے دوست احباب
پوشیدہ طور پر دفتر یا ڈیوڑھی کے کسی حصہ میں ملاقات کرا دی جائے۔ جس
میں وہ کامیاب ہوتے اور پانچ بجے تک ڈیوڑھی سے واپس ہوتے۔ کھانا
اور ہضم کرنے کے لئے نصف گھنٹہ ٹہلتے۔ پھر پرارتھنا میں جاکر شامل ہوتے جس
میں ایک خوش الحان نوجوان جھنڈے کی سلامی کا دفتری گیت گاتا۔ وہ ایک مصرعہ
پڑھتا تو دوسرے اس کو بلند آواز سے دہراتے۔ لیکن سیٹھ جی منہ بنائے خاموش
کھڑے رہتے۔ گیت ختم ہو جاتا تو بہادرانہ اور مظلومانہ صورت بنا کر دردناک تقریر
کا سلسلہ شروع کر دیتے۔ افسران جیل کی نالائقیوں اور شرارتوں اور ان
قیدیوں کے لئے سہولتیں حاصل کرنے کی من گھڑت داستان سناتے
اور مقطع کا بند یہ ہوتا کہ ہم کو ایک کمیٹی کے سپرد یہ معاملات کر دینے چاہئیں۔
کمیٹی بنتی اور ہر تین چار ہفتوں کے بعد باہمی ممبران کے اختلافات میں ختم
ہو جاتی۔ یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہتا۔ اس میں قیدی کے
قید کا کافی حصہ کٹ جاتا۔

اس طرح سیٹھ جی اپنی لیڈری جیل حکام اور قیدی دونوں میں چلاتے
اگر سیٹھ جی کو زیادہ پریشان کیا جاتا تو وہ کسی دوسری جیل میں تبادلہ کرا لیتے
مگر کوشش یہی ہوتی تھی کہ قیدیوں کو اپنا گرویدہ بنالیں اور ان میں ہر دل
ہوں۔ ان کو اپنی عزت کا زیادہ خیال لگا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کی نظر بندی
کے زمانہ میں کسی مشقتی قیدی نے ان کو قیدی کہہ دیا تو آگ بگو

ہو گئے مارنے کے لئے سر پر چڑھ گئے لوگوں نے بچایا اور حال پوچھا تو آپ غصے سے کانپ رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ قیدی کہتا ہے، قیدی۔ نظر بند کہہ، بدتمیز۔ توہین کرتا ہے، توہین۔

دوستوں نے دریافت کیا کہ اس میں آپ کی کیا توہین ہوئی کیا آپ قیدی نہیں رہ چکے تو فرمایا اتنی قیدیں کاٹنے کے بعد اس درجہ پر پہنچے۔ اب بھی قیدی کے قیدی رہیں گے۔ اب ہم نظر بند ہیں، سرکار کے خاص مہمان ہیں، شاہی قیدی ہیں، سرکار کی عنایت ہے کہ ہم جیسے لوگوں کو بلا بمب گرائے، کوئی گولی چلائے یہ شرف بخشا۔ ورنہ ہم کہاں اور یہ اعزاز کہاں اب راجہ دیکھیں کیسے مقابلہ کرتے ہیں، اُن کی ضمانت ضبط نہ ہوئی تو بات نہیں۔ شاہی قیدی اور اُس کا خوف دیکھیں کون راجہ جی کو ووٹ دیتا ہے۔

سیٹھ جی ان ہی خیالات میں رات کا کافی حصہ کاٹتے، دوستوں میں کسی کو میونسپل کمشنر، کسی کو صوبہ کانگریس کمیٹی کا صدر، کسی کو جنرل سکریٹری، کسی کو ڈسٹرکٹ بورڈ کا ممبر بنانے کے منصوبے باندھتے اور گھنٹوں اسی فکر میں گذار دیتے کہ فلاں ممبر کو کس طرح گرایا جائے۔ کس طرح اس کے علاقہ پر اثر و رسوخ جمایا جائے اور کس کس ساتھی کو کس علاقہ سے کھڑا کیا جائے۔

سیٹھ جی جب یہ تمام خیالات پکا چکے اور تھک جاتے تو ممبری کے امیدوار ساتھیوں کو سونے اور آرام کرنے کا پیغام دیتے وہ ان دلچسپ اور خوشی آمیز خوابوں کے اس مردہ پوزیشن کو دیکھ کر کسمساتے تھے

لئے ایک ہی قسم کا کھانا ۔ ایک ہی قسم کے کپڑے ۔ ایک ہی قسم کی قیام گاہ چاہیے
ہیں ان میں سے ہر شخص خود کو اسٹالن، لینن سمجھتا ہے ان کے گروپ میں سے اگر
کوئی بی کلاس میں جاتا ہے تو اس پر "مردہ باد" اور "شیم شیم" کے نعرے لگائے
جاتے ہیں ۔ لیکن کوئی بی کلاس جانے سے انکار نہیں کرتا اور شیم کے نعرے سنتا
اور ہنستا ہوا بی اور اے کلاس کو منظور کر لیتا ہے ۔

ان لوگوں کا قول ہے کہ جہاں بیٹھو چین سے نہ بیٹھو ۔ عمل میں زندگی ہی
روٹی، دال، بھاجی آئے تو اس میں سقم نکالو ۔ دودھ آئے تو اس کو نہ لو ۔
ادویات دی جائیں تو ان کی خرابی ظاہر کرو ۔ گنتی میں گڑبڑ کرو ۔ مہینہ میں ایک
دو مرتبہ بھوک ہڑتال کو لازمی کر لو ۔ جیل حکام کی اعانت مت کرو ۔ ان سے
گفتگو کرنا ترک کر دو ۔ وہ آئیں تو خاموش اور گم سم رہو ۔

اگر کچن وغیرہ کا ان ہنگاموں سے اپنے ہاتھ میں انتظام آجائے تو
اپنے خیال کے لوگوں کو ہر جگہ مقرر کرو ۔ دودھ، گھی، قند، گڑ، بچاؤ ۔ ان کی
فروختگی کرو ۔ حلوے بناؤ ۔ اور اگر راز طشت از بام ہونے لگے تو جیل حکام پر جھیڑا
رکھ کر علیحدہ ہو جاؤ ۔ اور پھر دوسروں کے ہاتھوں میں گئے ہوئے انتظام کو ناقص و
ناکارہ ثابت کرنے کی کوشش کرو یا ایک کی قلعی کھولو ۔ اور اگر کوئی سرمایہ دار
لیڈر ہاتھ لگ جائے تو اس کو نہ بخشو ۔ بیوقوف بناؤ ۔ اور اپنی طاقت کا سکہ اس
قدر جمالو کہ وقت ضرورت کام آئے اور بلا تمہاری مدد اور مشورہ کے کچھ نہ
کر سکے ۔ اور جب چاہو اس کو بیچ ادھر میں چھوڑ دو ۔ ایک دو جھٹکے لگنے کے
بعد سنبھالا دو ۔ اس طرح بہلاتے رہو ۔ ان کا ہر قدم تجارتی ہوتا ہی ۔ اُن سے

چنانچہ یہ گروپ روزانہ ہی لیڈرشپ کو پریشان کرنے کے لئے کم وبیش کسی کسی قیدی سے ایک دو وقت کی ہڑتال کراتا ہے۔ ہر بارک میں ان کے گروپ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ڈکٹیٹر کو روزانہ کی مکمل رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ ان پالیسی میں بڑی خوبی یہ ہے کہ از تی بدلتی رہتی ہے دو دو گھنٹے اور ایک ایک د میں پالیسی کا تبدیل کرنا ان کے ہاں عیب میں شمار نہیں کیا جاتا۔ اگر یہ حکومت حامی ہوتے ہیں تو حکومت کی حمایت میں غیر ذمہ دار پروپیگنڈہ کرنے میں کوئی نہیں رکھتے۔ قیدیوں کو معافیاں منگوانے اور ان کو خوف زدہ کرنے کی اسکیمیں بنا ہیں۔ مگر اس صورت میں جب کہ اپنے ہم خیالوں کی کچھ تعداد دیکھتے ہیں ورنہ خام رہتے ہیں اور عام قیدیوں کے سے خیالات بنائے رکھتے ہیں۔

عام طور پر ان کی تعداد کم ہوتی ہے۔ مگر غل غپاڑے سے پڑھنا چاہتے ہیں۔ رومان والی باتیں لوگوں کو اچھی لگتی ہیں۔ لیکن نتیجہ کے اعتبار سے صفر ہوتے ہیں۔ اسلئے کہ ان کا فلسفہ ان کے دماغ کے فکر و تدبر کا ثمرہ نہیں ہوتا بلکہ غیر کا مرہون منت ہوتا ہے۔ وہ ریکارڈ ہیں جو سب جگہ ایک ہی چیز الا ہیں۔

اس گروپ سے لیڈر لوگ پناہ مانگتے ہیں۔ اس لئے کہ منہ پھٹ اور صاف گو ہوتے ہیں۔ لیڈر ٹائپ کے لوگ نہ ہوں تو یہ گروپ زندہ نہیں رہ سک

والنٹیرز

قیدیوں کا تیسرا گروپ والنٹیرز کا ہوتا ہے جو رضاکارانہ طور پر جیل زندگی گزارتا ہے۔ اس کو تصنع وبناوٹ آرام و سکون اور نام اور سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ نعرے لگاتا ہوا مجمع میں پکڑا جاتا ہے اور وہی بیٹھ

میں بلا وکیل، بلا ہار، بلا نعروں اور بلا یار و مددگار کے تنہا عدالت سے مقدمہ کا فیصلہ کرا کے جیل پہنچا دیا جاتا ہے۔ جس کے نام اور سزا کی خبر سے اخباروں کے کالم بھی خالی ہوتے ہیں۔

ان کی لغت میں اے، بی کلاس کے کوئی الفاظ نہیں اور نہ وہ کبھی اس کے شرمندۂ معنے ہوئے۔ جب گئے تیل کی جلی بھنی کیڑوں والی سبزیاں اور کچی دال، خاک بھری روٹی کھائی زمین پر سوئے۔ پھٹے پرانے ٹاٹ نما کپڑے پہنے، ہر کڑی مشقت کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ جب لیڈر کو اپنی لیڈری کی حفاظت کی ضرورت پڑی تو انہوں نے گنتی نہ دے کر، روٹی نہ کھا کر حکم عدولی کر کے اپنی کمر پر تیس تیس تصوری بنتیں کھا کر، جیلوں میں بند ہو کر اور دو دو تین تین مہینے دھوپ کی ایک شعاع تک نہ دیکھ کر ان کی لیڈری چمکائی۔

ان کو سینکڑوں میل کے فاصلہ والی جیلوں میں تبدیل کیا جاتا۔ جہاں ان کو برسوں اپنے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں، بیوی بچوں سے ملاقات تو ملاقات ان کی شکل و صورت دیکھنا نصیب نہ ہوتی۔ گھر کی کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ رہتا تو بیوی بچے تڑپ تڑپ کر جانیں دیتے۔ گھرانے کے گھرانے تباہ ہوتے۔ حکومت کے ڈر اور خوف کی وجہ سے کوئی اس کی بیوی کی نعش تک کو ہاتھ نہ لگاتا۔ مسجد کے ملا، مندر کے پجاری اور گوردواروں کے گرنتھی لامذہب بے دین، اور ناستک کہہ کر مذہبی ہمدردی سے محروم کرتے۔ بھنگی اور چمار ان کی لاشوں کو اٹھا کر دفناتے یا جلاتے ہیں۔ مگر وہ جیلوں میں مست رہتے ہیں انہوں نے کبھی پیرول پر رہائی کی خواہش نہیں کی۔ کبھی خوف زدہ، بد دل نہ

ہوئے۔ مرد عالی ہمت دوسروں کے لئے مصیبت اٹھاتے تھے گ
کو مکھن، دودھ، پھل، ڈبل روٹی کی ضرورت پڑتی تو مصنوعی بیار
ان کے لئے لقمے مہیا کرتے۔ تاکہ ان کے نازک دل پر میل نہ آئے اور
لیڈری سلامت رہے۔

مگر یہ میڈیکل مراعات لیڈروں کے اشارے اور ان کی ر
زور پر کی جاتیں۔ لیکن فی الواقع یہ قیدی بیمار پڑتے تو ان کو ہفتوں نہ
بیماری پر نہیں بلکہ بیماری کے ٹلنے اور مہینوں گذر جانے کے بعد بھی ادوی
دی جاتیں۔ ان کو ہسپتال تک دیکھنا نصیب نہ ہوتا ان کے سا
ہمدردانہ سلوک نہ کیا جاتا۔ لیکن وہ بھی ملال و افسوس نہ کر
حال میں مگن رہتے۔

ان کا روزانہ کا پروگرام یہ ہوتا کہ وہ صبح اٹھتے، گنتی دیتے ا
میں بیٹھ کر کھانا کھاتے، کارخانہ کا رخ کرتے، بیت الخلا رجاتے، فا
گجائی کرتے، آٹا پیتے، کولھو چلاتے، بان بٹتے، بوجھ اُٹھاتے، یا موج
جس سے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے مگر مشقت سے نہ گھبراتے، نمب
جمعدار، ہیڈوارڈر یکے بعد دیگرے آتے، کوئی دھونس دیتا، کوئی خو
کوئی گالیوں سے ہم کلام ہوتا، اس طرح کریدتا، جانچتا کہ کیسی آسامی
جان پاتا تو نظر انداز کر دیتا۔ مگر پوری مشقت لینے کی فکر رہتی۔ پیشیوں
ہوتیں۔ مگر ارادوں میں کوئی تزلزل نہ آتا تو حکام جیل کی ضد کام کرتی
جھکانا چاہتے۔ دن کو مشقت، رات کو اذیت پہنچانے کے لئے تحت

سزائیں تجویز کرتے ۔ دو دو ماہ تک کھڑی بیڑی اور ڈنڈا بیڑیاں لگائی جاتیں وہ اس کو بھی برداشت کرتے ۔

غرض ان کی تمام قربانیاں خالص ملک وقوم کے لئے ہوتیں ۔ وہ کبھی نہیں میں جاکر سزا کاٹ کر اسمبلی کے ممبر یا میونسپل کمشنر بننے کے خواہش مند ہوتے نہ کبھی ان کے دل میں کرسی نشین ہونے کی تمنائیں چٹکیاں لیتیں ۔ ان کی ایک ہی منزل مقصود ہوتی آزادی قوم ، اور دین انسانیت کا بول بالا ۔ اور ایک ہی مطمح نظر ہتا ، خدمت خلق

جیل کی شاعری یہی وہ ماحول تھا جس سے متاثر ہو کر فیروز پور کیمپ جیل کے مشاعروں میں حسب ذیل نظمیں پڑھی گئیں ۔ ور رہبران قوم کے نقائص کے مرثیے لکھے گئے ۔

بنئے* کی جیل یاترا

ذرا کھینچو مروت سے جو عاری بنئے لائے ہیں	انہوں نے آدمیت کے جنازے ہی نکالے ہیں
ں انسانی ہمدردی سے کچھ بھی واسطہ کیوں ہو	انہیں چلو لہو کا چاہیئے زہریلے کالے ہیں
ں کی کی یاترا ہی نہیں پڑتی کسی صورت	وہ نامی سیٹھ بنتے ہیں بدلتے چولے چالے ہیں
ٹولی اک بنا کر قیدیوں پر بار بنتے ہیں	حقوق جیل پر ان کے وہ برساتے گالے ہیں

---

* بنیوں سے مراد ہندو قوم کی مخصوص برادری نہیں ہے بلکہ وہ ہندو مسلمان اس سے مراد جو غریبوں کا خون اپنے مکر و فریب و چالاکی سے چوسنا جائز سمجھتے ہیں اور ان کو اپنا مشق بنائے ہوئے ہیں ۔

مٹھائی اور پھلوں کی ٹوکری طوقِ غلامی ہے
مگر آتی ہے کھاتے ہیں یہی منگوانے والے ہیں

اسیروں کی اعانت کے لئے رقمیں یہ لیتے ہیں
مدد ان کی نہیں کرتے اڑاتے تر نوالے ہیں

زرِ قومی بہا بنتا ہے پھلکی اور پکوڑی کا
نہ دردِ قوم ہے دل میں دلوں پر انکے تالے ہیں

حسابی ہیں بنالیں گے یہ کھاتے اپنے مطلب کے
یہ حق جن کا ہے بیچارے وہ اللہ کے حوالے ہیں

یہ لچھن ہیں، مگن ہیں جشن میں ساتھی رنگ رلیوں میں
انہیں تھا اعتماد ان پر وہ نکلے دل کے کالے ہیں

مٹانا ہے یہودی ذہنیت بلوائی کو بھارت سے
یہی شیطانی آلے ہیں، یہی ظلمت کے جالے ہیں

بنئے کی وطن پرستی

یہی وہ سورما ہیں قوم اور ملت کے شیدائی
نظر آتے ہیں غنڈے اور لیٹرے بدچلن ان کو

یہی ہیں انقلابی ورغلاتے ہیں غریبوں کو
دلاتے ہیں وطن کے نام پر دار و رسن ان کو

کٹاتے ہیں وہ صدقہ میں انہیں معصوم جانوں کے
ملا کرتا ہے یونہی گوہرِ گنگ و جمن ان کو

بلندی ان کو ملتی ہے شہیدوں کے تصدق سے
بناتا صاحبِ دولت ہے عہدِ پرفتن ان کو

یہ سرخی اور اکڑ پامالیٔ گلشن کی ممنوں ہے
ابھر کر خوار کرتا ہے یہ ان کا بانکپن ان کو

وہ قابو قوم پر اپنا ہی پاتے ہیں گھمنڈی ہیں
ذرا دیکھو تماشا اور کردو موجزن ان کو

یہ سب کچھ ہیں مگر واللہ نہیں بھارت کے شیدائی
یہ دیوانے ہیں دولت کے ملا خونی دہن ان کو

بغاوت کے زمانے میں مخالف ہیں بغاوت کے
نہیں بھاتی ہے راہِ پرخطر منزل کٹھن ان کو

لگائے پوسٹر جانوں کی بازی لگ رہی تھی جب
بنایا روحِ آبائی نے ہی ملت شکن ان کو

لڑانا ان کا شیوہ ہے جھگڑنا ان کی عادت ہے
پسندیدہ نہ ہرگز ہے خلوص انجمن ان کو

وہ بد ذوقی معاذ اللہ معطل ذہن ہو جائیں
کیا بدنام جس نے مردہ خورد گورکن ان کو

نہ دیتے جان ہیں دمڑی پہ دمڑی ان کا ایماں ہے
تمول میں معاون ہوتا ہے تار کفن ان کو

وہ انسانی لہو کے لوتھڑوں کو ہضم کرتے ہیں
بناتی ہے مہاجن عادات زاغ و زغن ان کو

عجب ڈھانچہ ہے شیطانی مجسم مکر و عیاری
چڑھاتا ہے عروج بام پر غبنِ وطن ان کو

گھی چور ٹولا

قوم کے خادم ہیں گھی کی چوری شیوہ ہے ہمارا
عمریوں کٹتی ہے جیلوں میں یہ پیشہ ہے ہمارا
چورے کی جان ہے گھی، گھی نہیں تو کچھ نہیں پھر
گھی کچن سے گر اڑائیں کنبہ پلتا ہے ہمارا
کنبہ ہم نے جیل میں خدمت گذاروں کا بنا کر
قوم کا لقمہ بنایا، قوم لقمہ ہے ہمارا
دوستوں کو لطف آتا چورما کھاتے کھلاتے
میر نا ہنجار نے ہی کھولا عقدہ ہے ہمارا
ڈاکٹر لالے، حکیم و پنڈت و بیرسٹر و وید
ان مقدس ہستیوں سے ٹولہ چلتا ہے ہمارا

یہ فرشتہ شکل رشیوں اور بلیوں کے بچاری
خود بدی کے مرتکب ہوں ان کو خطرہ ہے ہمارا

قوم کے غم میں مٹا پا کس قدر ہے اُن پہ چھایا
رہنما ہی قوم بیکس کا جنازہ ہے ہمارا

قوم میں نفرت نہ کیوں ہو، اعتماد قوم ہو کیوں
آزمودہ ان کا ہر اک شری چرکہ ہے ہمارا

ڈاکٹر ہی سرغنہ تھے، لالہ کو تھا گھی کھلانا
اس لئے جائز دلیرانہ یہ سرقہ ہے ہمارا

گھی کا سرقہ کیوں نہ کرتے، کھاتے لقمہ کیوں پیازی
جان و ایماں سب ہے واری لاقیلہ ہے ہمارا

صابری کیوں ڈولے کے رہبر کے پیچھے تو پڑا ہے
بخش دے ان کو یہ پیر شوخ قبلہ ہے ہمارا

اصطلاحاتِ جیل

دہلی اور پنجاب کی جیلوں میں کون کون سی اصطلاحیں رائج ہیں، اور کون سے الفاظ ایسے ہیں جو مخصوص طریقے پر بولے جاتے ہیں۔ ان کی قریب قریب یہ مکمل فہرست ہے۔ جن کے معانی و مطالب ساتھ ہی پیش کر دیئے گئے ہیں۔

یہ دلچسپ حصہ پہلے ہی ایڈیشن میں شائع ہو چکا ہوتا۔ لیکن غلطی سے یہ فیروزپور جیل پہنچ گیا اور انچارج کیمپ کے نظر ہو گیا۔ ان کا وعدہ تھا رہائی پر سامان بی پی کے ساتھ دیدیا جائے گا۔ لیکن یہ جیل افسران کی شان کے خلاف تھا کہ وعدہ ایفا کرے۔ چنانچہ تجاہل عارفانہ کے ساتھ رہائی پر کہہ دیا گیا کہ "ملتا نہیں"۔ طبیعت پر زور دیا تو الفاظ ذہن میں نہ آئے۔ ۲۳۔ اکتوبر ۴۵ء کو سکورٹی پرزنر (شاہی قیدی) بنائے گئے تو دہلی جیل میں یہ لغات تیار ہوئی۔ جس کا ساتھ طبع ہونا کتاب کے سمجھنے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

اڑدی لگانا قیدی کو ہر روز نئی کوٹھڑی میں بند کرنا۔ سلوک خطرناک قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

۲۸ نمبر ترکاری کو نمبر دن سے پکارا جاتا ہے۔ ۲۸ نمبر سے مراد حلوا کدو (۲) دوائیوں کے نمبر مقرر ہیں۔ چنانچہ ریوند چینی کا زلال آدھ پاؤ۔ سوڈا بائی کارب ا، ۳ لہ، پیپر منٹ ۳۔ بوند باقی تل کے پانی کے مکسچر کا ۲۸ نمبر نام ہے۔

۱۸ ساگ تلہ آدھا گھانس۔

باٹی لوہے کا گول توے نما برتن

جو کھانے، پینے، دھونے اور غسل کے لئے دیا جاتا ہے۔

بیڑہ چونا ملا تمباکو۔

بیڑی آہنی نصف گز سلاخ جو قیدیوں کے پاؤں میں ڈالی جاتی ہے۔

پترہ (۱) آہنی تیز کیا ہوا چاقو نما ٹکڑا (۲) بیت الخلاء میں آہنی غلاظت کے لئے پاٹ (۳) لکڑی کا چھوٹا ٹکڑا جس پر نمبر لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ جو جیل کی حفاظت کے لئے گھمایا جاتا ہے

پرنہ سوتی کپڑے کا پاؤ گز چوڑا اور ایک گز لمبا ٹکڑا جو کرتوں کے ساتھ ملتا ہے۔

پنجہ ان قیدیوں کی ٹکڑی کو کہتے ہیں جو جیل کے باہر ملازمان جیل کی صفائی و ستھرائی کرتے ہیں۔

پھوٹ جا چلا جا۔ کسی نازک موقع پر ایک قیدی دوسرے قیدی سے کہتا ہے۔

پوچا ٹاٹ کو ڈنڈے میں لگا کر پانی سے زمین صاف کرنا۔

تاریخ دینا افسران جیل کو ماہوار رشوت دینا

تاریخی سزا کاٹنا نیک چلن نہ رہ کر ایک دن کی بھی معافی نہ لینا اور پوری دنوں کی سزا کاٹنا

پٹڑی ڈیڑھ فٹ چوڑی اور دو فٹ لمبی کسی ہوئی چارپائی کے کھٹولے کی طرح۔ موسٹے بان کی بنی ہوئی

ٹکٹی لکڑی کی چھوٹی تختی جو قیدی کے گلے میں آویزاں رہتی ہے جس میں سزا کی مدت، سزا و رہائی کی تاریخ لکھی ہوئی ہوتی ہے۔

ٹوٹا بیڑی کا ناکارہ آخری حصہ۔

توڑہ بٹا ہوا کپڑا جو رات کو قیدی جلا کر رکھ لیتے ہیں جو بیڑی کے سلگانے کے کام میں آتا ہے۔

جھانور لکڑی کا آہنی جالیدار ڈکس نما

چارپتی ڈالا بکس ۔ اس میں روٹیاں رکھ کر تقسیم کی جاتی ہیں ۔

جگائی مشقت کا نام ہے تفصیل ... پر دیکھو ۔

جنگلہ پریڈ کوٹھریوں کی سلاخوں سے اعلام کرنا ۔

چکر جیل کا وہ مقام جہاں جیل کا ناخدا چیف وارڈر مع اپنے عملہ دفتر کے بیٹھتا ہے ۔ کسی جیل میں یہ مقام جیل کے وسط میں ہوتا ہے ۔ کہیں جیل کے دروازہ کے سامنے ۔

چالان قیدی کو ایک جیل سے دوسری جیل میں بدلنا ۔

۲۶ نمبر روی کے پتے

دانہ پاسہ ، جوا کھیلنے کا ۔ اس کے ہر طرف نمبر ڈال دئے جاتے ہیں

دھوکمنی بیڑی ۔ یہ ناراضگی میں اس کو خطاب دیا جاتا ہے ۔

ڈکو تین کا چھوٹا ٹکڑا ۔

دن ملنا قید کے دنوں میں کمی کرنا ۔

ڈگہ لکڑی کا چوکور ڈبہ ۔ جس میں قیدی چکی سے آٹا پیس کر افسر کو دکھلاتے ہیں ۔

ڈبی لگنا جو قیدی اپنے کپڑوں کو اور خود کو صاف وستھرا رکھتا ہے اس پر ہفتہ میں اس کو پاؤں دن ملتا ہے ۔ ہر ہفتہ اس کی صفائی کا اس کے ہسٹری ٹکٹ پر لگا دیا جاتا ہے اس نشان لگانے کو ڈبی لگنا کہا جاتا ہے ۔

رمیشن قیدیوں کو قید کے دن کی معافی ملنا ۔

سنگین بارک وہ مقام جہاں جیل کے تمام نمبر دار بند کئے جاتے ہیں ۔

قرنطینہ سب سے پہلے قیدی کو تنہا کوٹھری میں ہفتہ دو ہفتہ کے لئے بند کرنا ۔

کٹل | چاقو

کمبل پریڈ | قیدی کو کمبل میں لپیٹ کر بے تحاشہ مارنا تاکہ چوٹ نمایاں نہ ہو۔

کوٹ موقعہ | جیل کی آخری بڑی دیوار۔

کالی دیوی | بیگن۔

کنڈمڈ سیلز | پھانسی پانے والے قیدیوں کے رہنے کی جگہ۔

کالی وردی والا | (۱) بھنگی۔ (۲) خانساماں۔ (۳) نمبر دار، نمبر دار، اور بھنگی اور خانساماں کی وردی میں یہ فرق ہوتا ہے کہ اول الذکر کا پجامہ اور پگڑی سیاہ ہوتی ہے اور موخرالذکر دونوں کا پورا لباس کرتا پجامہ سیاہ ہوتا ہے

کوُلی | کٹوری۔

کچن | باورچی خانہ۔

کھڈی | مٹی کا چبوترہ جو کوٹھریوں اور بارکوں میں قیدیوں کے لیٹنے کے لئے بنائی جاتی ہیں۔

گھٹہ | دروازہ۔

گونہ | گڑھ جو گلے میں قیدی روپے رکھنے کے لئے بنا لیتے ہیں

گلی | بیڑیوں کا منڈل

گھوڑا دال | لوبھے کی دال

لانگری | باورچی خانہ میں کام کرنے والا۔

لال وردی | بھگوڑے، قیدی کی نشانی ہے۔

لال ٹوپی | دوبارہ عادی مجرم کی نشانی ہے۔

منڈا بارک | لڑکوں کے رہنے کی جگہ

منجھی | چارپائی

میٹرن | عورت ملازمہ جو عورتوں پر نگران ہوتی ہے

نمبر دار | قیدیوں میں سے جیں

کے انتظام کرنے کا ذمہ دار، تین قسم کے ہوتے ہیں۔ سفید پوش، کالی والے پیلی والے۔

نیلی وردی پھانسی دیتے وقت قیدی کو پہنائی جاتی ہے۔ پھانسی پانے والے کی نشانی

تفری ایک چھٹانک گڑ کا ٹکڑا (۲) روٹی۔

ہسٹری ٹکٹ وہ کاغذ جس پر قیدی کا نام ولدیت عمر، وزن، رہائی، سزا کی تاریخ ہوتی ہے اور اسکی نیک چلنی، بد چلنی اور ملاقاتیوں کا ذکر ہوتا ہے

ضمیمہ

۱۹۴۲ء کی تحریک کے مخصوص نظربندانِ دہلی کے مختصر حالات

اجیت داس گپتا آپ مزدور ورکر ہیں۔ کمیونسٹ خیالات کے زبردست حامی، مگر ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کے مخالف ہیں۔ اور دہلی کے مشہور ورکر چنڈو بی بی کے دست راست ہیں آپ کے کام کا حلقہ مزدور ایریا سبزی منڈی وغیرہ ہے۔ آپ نے ہی ورکرز لیگ دہلی اور ٹریڈ یونین صوبہ دہلی اور دوسری مزدوروں کی جماعتیں بنائیں

آصف علی دہلی کے مشہور و معروف لیڈر اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی ورکنگ کمیٹی اور سنٹرل اسمبلی کے ممبر ہیں اور اعلیٰ درجہ کے مقرر اور کامیاب بیرسٹر ہیں۔ آپ کی بیوی ارونا آصف علی کو دہلی کی پولیس مفرور قرار دے چکی ہے اور اس کی اصطلاح میں وہ دو سال سے لاپتہ ہیں۔

آر سی اگروال آپ کا پورا نام رام چرن اگروال ہے۔ آپ کی سیاسی زندگی پانچ چار سال کی ہے۔ ۱۹۴۰ء کی تحریک میں سزا پائی اور ۱۹۴۲ء میں نظربند ہوئے۔ نظربندی کے وقت آپ صوبہ کانگریس کمیٹی دہلی کے خزانچی تھے۔ چندہ جمع کرنے میں خاص دلچسپی لیتے ہیں

امداد صابری حالات زندگی صدؔ پر ملاحظہ ہوں۔

امن لکھنوی ولد گوپی ناتھ امن، لکھنؤ کے مشہور ادیب اور اخبار تیج کے پرانے سب ایڈیٹر ہیں۔ آپ کے اچھے شاعر اور کانگریس کے پرانے کارکن ہیں۔ آپ جیل کی انجمن بیوقوفان کے صدر محترم تھے۔

انند جی مول راج انند، پرانے اور تجربہ کار تاجر اور افریقہ کے سیاح ہیں ملک کی محبت میں پہلا چرکا نظر بندی لگا۔ جوشیلے اور گاندھی ازم کے حامی ہیں۔ جیل میں بھی تجارتی کام اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ تمام بی بی کے سامان منگانے کے انچارج آپ ہی تھے۔

اونکار ناتھ دہلی میونسپل کمیٹی کے ممبر اور دہلی کے سرگرم کانگریسی کارکن ہیں۔ مہاسبھا کمیٹی کے کاموں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں ذاتی مریض ہیں اور بہنیں خاص قسم کی ہنستے ہیں۔

ایم ایل شاہ دہلی کلاتھ مل کے ڈرائنگ ماسٹر تھے۔ قد و قامت کے اعتبار سے پتلے دبلے ہیں، جس کے ڈراموں میں نازک اندام نازو ادا کی پتلی شریمتی ریوا کا پارٹ ادا کر چکے ہیں۔ کامیاب ایکٹر بھی ہیں اور رنگ سازی میں کمال رکھتے ہیں۔ آپ کے کمال سے دہلی کلاتھ مل کافی مستفید ہو چکا ہے۔

برج کشن چاندی والے آپ پکے گاندھی بھگت ہیں، نمک مرچ اور چینی کا استعمال نہیں کرتے۔ ابلی ہوئی

سبزی کھاتے ہیں۔ جھگڑوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ یکجائی یعنی ست کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ کبھی کبھار ایڈیبل کا کام انجام دیتے تھے۔

بسمبر ورہ کرما

آپ نیو دہلی کے پرانے تاجر ہیں۔ اونچے اخلاق کے مالک ہیں آپ کی وسعت قلبی کا ہر شخص معترف ہے۔ آپ کو اکثر جیل کے ساتھی محبت میں پتاجی کے لفظ سے یاد کرتے تھے۔ ساتھیوں کی بدقسمتی کہ آپ نظر بندی کے دوران میں ہمیشہ بیمار رہے آپ کی ہمدردی میں اور ناقص علاج کے خلاف تمام نظر بندوں نے بھوک ہڑتال کر رکھی تھی۔

بہاری

کانگریس کا عمر بھر کا ساتھی۔ پرانا اور ضعیف العمر دیہات کا بہترین کارکن اور کسانوں کا ہر دل عزیز چودھری ہے۔ آپ کا تکیہ کلام "میرے صاحب نے" ہے آپ کو اپنی رہائی پر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ رہائی کے نام سے جلتے تھے۔

پاربتی دیوی

آپ [illegible] کی تحریک کی ڈکٹیٹر تھیں۔ آپ نے بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ آپ کانگریس کے کاموں میں عرصہ سے حصہ لیتی رہی ہیں اور کافی مرتبہ جیل جا چکی ہیں۔ آپ سیٹھ رام کی قریبی رشتہ دار ہیں۔

پٹنایک

صرف شب کے شکار، دلچسپ مزاح پسند، کھیلوں کے شائق قوی اور طویل القامت انسان ہیں اور کامیاب ٹی ٹیلیٹ ہیں۔ لوگوں سے ہمدردی کرنا ان پر ترس کھانا آپ کا کام ہے اور ویسے بھی "ہوائی پنچھی" کے خطاب کے لئے موزوں ہیں۔

پھول چند جین آپ ۱۹۳۶ء میں دہلی ضلع کانگریس کمیٹی کے جنرل سکرٹری تھے آپ نے اس کے بعد مالی پوزیشن کے بڑھانے پر توجہ دی آج سیٹھ جی کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ جیل میں انہی کے سکہ کا راج ہے۔ شربت و چائے پوری آپ ہی کے قبضہ و تصرف میں ہے اور یہ ان کی عنایت ہے کہ لوگوں کو بیڑیوں کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

پانتھ سوہن چند پنتھ "جیل کے تفریح پسند طبقہ کا ہیرو، مزاح کرنے میں کامل۔ حکیم جی کی نقل اتارنے اور دوائی فروشوں کی طرح لیکچر دینے کا استاد تھا" پنچوں "آپ کی ایجاد تھی۔ آپ دہلی کلاتھ مل میں چھوٹے ماسٹر تھے۔ آپ نے دہلی سی۔ آئی۔ ڈی سے دہلی کے قلعہ میں ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا۔

پریم جیس راے حکومت آپ کا دہشت پسندوں میں شمار کرتی ہے پرانے پر امن کانگریسی ہیں۔ تیز طبیعت اور ہوشیار عقل کے مالک ہیں۔ بردبار اور سمجھدار ہیں۔ حاضر جوابی میں جواب نہیں رکھتے بات کی تہ کو جلد پہنچ جاتے ہیں۔ ع

اے تیرے طبع تو برمن بلا شدی

جوتی پرشاد آپ اچھوت ادھار کے زبردست حامی اور پکے گاندھی وادی ہیں مخلص اور بے لوث سیوک ہیں۔ خدمت کا بے پناہ جذبہ رکھتے ہیں۔ طبیعت انتہائی سادہ ہے۔ سست کا خیال ہی نہیں رکھتے بلکہ اس کے پیچھے بچاری ہیں برنج کشن جی نہیں بلکہ جوتی پرکاش جی

دہلی کے گاندھی کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ آپ دو برس کے بعد نظربندی سے رہا ہوئے تو مقامہ مہرولی میں حاضری کی پابندی کو گوارا نہ کیا۔ اور جیل چلے گئے۔

جوہری امریک سنگھ کے پہلے دوست ہر وقت ہاتا پائی کے خوف سے لرزاں و نالاں، بالی بال کے بہترین کھلاڑی اور جیل کے ڈرامے شاہی لکڑہارے کی مشہور رانی اور مسٹر شنکرا کو گھائل کرنے والے پروفیسر تھے۔

چندو لال بہترین گویے۔ خوش مزاج اور ہر دلعزیز ساتھی ہیں کانگریس کے پرانے کام کرنے والے، جیلوں کے دفتروں پر قبضہ رکھنے والے بہترین اُردو کے مترجم ہیں۔ آپ کا ۱۹۴۲ء کی تحریک میں مفرور ہونے کا وارنٹ نکلا تھا۔

چمن لال جرنلسٹ اچھا ایکٹر، باتونی، قصہ گو، منہ پھٹ سب سے لحاظ خوبصورت کھلونا۔ معلومات کا مرقع اور پرانا کانگریسی۔ آجکل امریکہ والوں کو بے وقوف بنانے گئے ہیں۔

حکم سنگھ آل انڈیا فارورڈ بلاک کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر، دہلی فارورڈ بلاک کے جنرل سکرٹری، آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر اور کسانوں اور مزدوروں کے لیڈر ہیں۔ آپ پر مسلسل پانچ چھ سال سے تقریر کرنے پر پابندی ہے۔ اور دیہات کے لئے آپ کو حکومت انتہائی خطرناک سمجھتی ہے آپ انتہائی خوددار اور غیرت مند دل کے مالک ہیں اور عمر کا ؟ حصہ ملکی خدمت میں گذارا ہے۔ اور زیادہ تر جیل میں رہے ہیں۔

خلیل الرحمٰن آپ صوبہ کانگریس کمیٹی کے ممبر ہیں۔ کامیاب حکیم ہیں۔ مقرر اور اچھے شاعر ہیں۔ دیوانوں کے دیوان اور برباد ... جیل میں بیمار ہیں اور اختلاج قلب کے دورے پڑتے ہیں۔ لحیم شحیم آدمی ہیں ... ۴۲ء کی تحریک کے سلسلے میں آپ پر مقدمہ چلایا تھا۔ جس میں عدالت ما... نے دو سال کی سزا دی۔ لیکن سشن نے بری کر دیا۔

خورشید احمد کاظمی صوبہ فارورڈ بلاک دہلی کے سابق صدر اور دہلی صو... کانگریس کمیٹی ۳۱ء کے ممبر تھے۔ آپ نے ۴۰ء ... تین سال کی سزا پائی تھی۔ شاہ پور جیل میں رہے۔ جہاں کی جتھہ داری آپ کو ملی۔ اس ... میں آپ نے جیل کی ہر سزا پائی۔ بیڑی ہتکڑی ڈنڈا ہتکڑی سب لگی۔ آپ انتہائی سنجیدہ پالیسی کے حامی، شر کے مخالف۔ معاملہ فہم۔ نرم گرم کام چلانے والے دو... لنز سخی داتا۔ دل کے صاف اور زبان کے میٹھے ہیں۔

دیوان سنگھ اڈیٹر "ریاست" دوستوں کے دوست جیل بابوں کیلئے انتہائی خطرے کا باعث۔ ایرمیل کے انسپکٹر جنرل تھے۔ انکی تلاشی میں کبھی کچھ نہیں ملا۔ خرچ کے لئے روپیہ کی جیل میں کبھی کمی نہیں رہی بیڑیاں پہنتے نہیں مگر تقسیم کا مقدس کام انجام دیتے تھے۔ کبھی ایمانداروں کی ... کے سردار نظر آتے اور تمام بے ایمانی سے حاصل کی ہوئی چیزیں پھینکدیتے تھے اور کبھی بڑے بڑے جیل افسروں کے کان کاٹتے اور ان کے چونہ لگاتے ہوئے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کی کسرت یادگار حیثیت رکھتی تھی۔ پیٹ کو کم کرنا چاہتے تھے ہر وقت اس کو نچلاتے اور پھدکاتے رہتے تھے اور ریاضت بھی جاری رہتی

تھی کہ دیکھو میرا پیٹ کتنا کم ہوگیا ہے۔

آپ کا نظربندی میں مالی نقصان کافی ہوا۔ اخبار کی ضمانت ضبط کیگئی اخبار ریاست بند ہوا۔ مگر آپ بددل نہ ہوئے۔ نظربندی سے فارغ ہوئے تو دوبارہ ریاست کو جاری کیا۔ جو آجکل نکل رہا ہے۔ اور پہلی سی شان لئے ہوئے ہے۔

دیش بندھو گپتا آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر اور پنجاب اسمبلی کے ممبر اور تیج اخبار کے مینجنگ ڈائرکٹر ہیں آپ ملتان جیل تک ہمارے ساتھ رہے بیمار ہونے پر لاہور سنٹرل جیل میں تبدیل کردیے گئے۔

رام لال ورما اخبار تیج کے اڈیٹر ہیں جیل میں آپ کی شاعری زوروں پر رہی۔ اچھے انشا پرداز ہیں۔ منخنی سے آدمی ہیں کپڑے دھونے میں کمال پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور صابن بچانا فن سمجھتے تھے۔ کبھی ہزلیہ اشعار بھی خوب فرماتے تھے۔

روپ نراین جوشیلا نوجوان۔ بھائی جی کے جادو کا شکار ارادہ کا مضبوط اور بے لوث کام کرنیوالا کانگریسی ہے۔ یہ ان بہادر لوگوں میں سے ہے جنہوں نے تھانہ کی حاضری کی بے عزتی کو گوارا نہ کیا اور جیل جانا پسند کیا۔

رتن لال شاردا ایک پُر مذاق۔ شریروں کا سرتاج۔ کم ہمتوں کا دل بڑھانیوالا اپنی ظرافت کے گل بوٹے پر جیل کی زندگی کو خوشگوار بنانے والا۔ ضرورت کے وقت کے شاعر۔ ڈرامے کے وقت ایکٹر۔ خدمت کے وقت سچا پکا کانگریسی سیوک ممبر فن مولا۔ کچن کا سب سے پہلا اور کامیاب انچارج جمالرام سے مبرا اور تعصب سے پاک و صاف رہا۔ دہلی میں ڈاکٹری کرتا ہے۔

اور دست شفا کا مالک ہے۔ غریب پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں۔ کیول نہ دوڑیں
غریبوں کا بہی خواہ اور ہمدرد ہے۔

رام نراین مشتاق آپ لکھنوی ہیں اور شاعر ہیں دہلی کے پرانے کاتب ہیں
کچھ بینائی میں فرق آگیا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ
ہم نے زندگی میں تین لاکھ شعر کہے ہیں۔ آپنے جیل میں بہت سے لوگوں کو شاعر بنایا
صلاحیں دیں۔ مشاعروں میں آپ کے شاگرد کثرت سے نظر آتے تھے شعر کثرت
سے کہتے تھے ملنسار آدمی ہیں۔ لکھنؤ کی شرافت جھلکتی ہے۔

رمن جی ضلع کانگریس کمیٹی ۳۷ء کے صدر اور صوبہ کانگریس کمیٹی ۴۲ء کی
ورکنگ کمیٹی کے ممبر تھے۔ معتدل پالیسی کے آدمی ہیں۔ مخالفت سے
آپ کو چڑ ہے۔ دشمن کو بھی برا بھلا کہنا پسند نہیں کرتے۔ خط لکھنے کے
آدی ہیں۔ مگر خط نہ لکھنے والوں میں سے ہیں۔ جو برسر اقتدار آتا ہے اسکے
ساتھ کام کرنا فرض سمجھتے ہیں۔

ستیش چنا انتہا پسندوں کا انتہا پسند سردار، تقریر کرتے وقت بے آپے
ہونیوالا مخلص کارکن۔ مجسم ایثار قربانی، تکیہ کلام "خون کا بدلہ خون"
ان بھی قریب قریب خونی کی سی ہے۔ دہلی میں آزاد بھارت کی بنیاد ڈالی۔ جسکی
سب میں کافی اشخاص نے حصہ لیا اور جیل کی چار دیواری دیکھی۔

ستیہ وتی آپ نے نو دس مرتبہ سیاسی تحریکوں میں سزا پائی اور جیلوں میں
زیادہ تر زندگی بتائی۔ اور دائم المریض ہوئیں ۴۲ء کی تحریک میں
پورا خاندان ماں بہن (مسز چمن لال جرنلسٹ) لڑکی اور لڑکا شامل ہوئے اور جیل

کی چار دیواری میں بند کئے گئے۔ اب آپ ایک پھیپھڑے سے جی رہی ہیں اور دوسرے پھیپھڑے آپریشن کے ذریعے نکال دیا گیا ہے۔ میڈیکل گراؤنڈ پر رہا کی گئی ہیں۔ پرجوش تقریر کرتی ہیں جو موثر ہوتی ہے۔

سری واستوا آپ سے جیل میں ہی واقفیت ہوئی۔ آپ یو پی کے رہنے والے ہیں۔ سنجیدہ اور متین آدمی ہیں آپ کی گرفتاری ہٹی کی ایک طوائف کے کوٹھے پر ہوئی۔ جاعتی نظام دھکر کے ماتحت طوائف کے ہاں مقیم ہوئے تھے۔ طوائف سے کوئی تعلق نہ تھا۔ آپکا نام ہیگا ریش پرشاد ہے۔

سوامی بسنت ناتھ ملکی خدمت کے سلئے خود کو تیاگ دیا ہے۔ کئی بار جیل جا چکے ہیں۔ زیلہ آشرم میں رہتے ہیں۔ دیہاتوں کا سدھار کرنے ہیں ہمدردی عادتِ ثانی ہے۔ کسی جھگڑے سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔

سوامی سروپانند گاندھی بھگت ہیں۔ گاندھی جی کے آشرم میں رہ چکے ہیں دن رات کانگریس کا کام کرنا انکا کام ہے۔ ایسے ہی مخلص لوگوں کی بدولت کانگریس آج ملک پر چھائی ہوئی ہے۔ اور مخالفوں سے اپنا لوہا منوا رہی ہے۔

شتروگھن شرما آپ دہلی صوبہ کانگریس کمیٹی ۱۹۴۲ء کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر ہیں۔ دہلی کے دیہات میں کانگریس کا پرچار کرنا آپ ہی جیسے لوگوں کا کام ہے۔ دن رات سائیکل پر سوار ہو کے دیہات کا گشت لگاتے تھے چھ سات مرتبہ جیل جا چکے ہیں۔ سخت سے سخت سزا بھگت چکے ہیں۔ غرض ایک سچے مخلص ملک کے دیوانے اور پروانے ہیں۔

…شمع دت

خاموش اور ٹھوس کام کرنیوالے کہتے کم تھے اور کرتے زیادہ تھے
دیہات آپ کا والہ وشیدا تھا ان کے لئے خود بھی تکلیفیں اٹھاتے
…ہیں اور انکی مصیبتوں میں کام آکر انکو اپنا بنا تے ہیں۔ آپ تجربہ کار وید ہیں۔

…ت نکرا

پورا نام کے پی شنکرا ہے۔ آپ لفٹنٹ گروپ دہلی کے جنرل سکریٹری
سٹوڈینس فیڈریشن کے بانی اور وکیل ہیں۔ دو ماہ ۱۹۴۰ء میں نظر بند
…ہے۔ اور اب پھر نظر بند کئے گئے تھے۔ جیل میں آپ نے سیاسی لیکچر دیکر
…بت بڑی سیاسی خدمت انجام دی ہے۔

…شیل کمار

یہ بیس بائیس برس کی عمر کا نوجوان شوخ و شریر چند دن میں
جیل پر چھا گیا۔ سرجاجی بھی طواف کاٹنے لگے۔ اس غریب
…الزام تھا کہ اس نے اور اس کے ساتھی مسٹر ونت، اور پروفیسر جوہری نے
…سیناؤں میں بم رکھ کر چھڑوائے تھے۔

…گرال

دہلی کے کامیاب و مقبول ہردلعزیز ڈاکٹر ہیں۔ آپ کی بدولت
جیل کے ساتھیوں کو جیل کے میڈیکل اسٹاف سے کافی سہولتیں
…سل ہو گئی تھیں۔ آپ خود بھی بہت سے ساتھیوں کا علاج کرتے تھے۔ آپ
…ی خوش مزاج اور تفریح پسند ہیں۔

…ید الحق انصاری

ڈاکٹر انصاری کے بھانجے اور ہندوستان کی
سوشلسٹ پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ تمام زندگی
…سی گزاری، اصول کے سچے اور بند کے مضبوط ہیں بے نیازی عادت ہے
زندگی میں دنیا داری چھوٹی تک نہیں، طمع لالچ طبیعت میں بالکل نہیں ہے۔

ورثہ میں جو ملا تھا اس کو جس بے نیازی سے ٹھکرایا وہ آپ کا ہی حصہ ہے۔ ایسے کیرکٹر کے انسان بہت کم ملتے ہیں۔

کنہیا سنگھ جیل میں آزادانہ اور بے خوف زندگی گزارنے والے۔ سال بھر نظر بند ہے۔ تھانہ کی حاضری کو نہ ماننا دوبارہ جیل میں گئے ہوئے ہیں کئی بار جیل جا چکے ہیں۔ جیل کی زندگی بہت پسند کرتے ہیں۔

گامی صابن کے تاجر، کپڑوں کا میل اتارتے اتارتے انسانی دلوں کے میل اتارنے لگے تو نظر بند کر دیئے گئے۔ جیل میں خود دارانہ زندگی گزاری افسران کے سامنے نہ جھکے اور کال کوٹھری میں رہنا پسند کیا۔

منظر سعید آپ مولانا احمد سعید کے صاحبزادے ہیں جو شیلے اور مخلص کارکن ہیں۔ دوست نواز اور آزاد خیال ہیں۔ تنگ نظری اور حسد چھوا تک نہیں۔ کسی کی کامیابی کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ دہلی مسلم مجلس کے سکرٹری ہیں۔

منو دیو شاستری آپ دہلی حصہ فارورڈ بلاک ساہمہ کے صدر اور بھارتیہ کالج کے پرنسپل تھے۔ پڑھانے میں ید طولے رکھتے ہیں سنسکرت اور ہندی کے ماہر ہیں۔ آپ نے جیل والوں کا دیوالہ نکالنے میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی۔ اور جیل کی تمام تندرستی کے خود ٹھیکیدار بن گئے تھے اور اپنے دوستانہ گھونسوں سے کمزور رہا تھیوں کا کچومر نکالنے کی کوشش کرتے تھے حکومت سے الاؤنس بھی وصول کرتے تھے۔ ان کی شاستراہت (مناظرہ) سے لوگ بھاگتے تھے۔ ہون کے زبردست پرچاری اور پکے آریہ سماجی ہیں۔

مولانا نورالدین بہاری قربانی کے پتلے، اٹل ارادے اور پختہ رائے کے مالک، علماء کے طبقہ میں بے نیاز، صدقہ وخیرات وزکواۃ کی زندگی سے کوسوں دور اور خدا و رسول کے نام کو بیچنے کے گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے۔ عمر بھر مفت قرآن کی تفسیر سنائی اور مفت وعظ کہا مخنت کمائی کی اور اپنی سیدھی سادھی زندگی چلائی۔

عدم تعاون کی تحریک میں ڈھائی سو روپے کی پروفیسری پر لات ماری اور جیل کی سزا بھگتی۔ ہر تحریک میں آگے آگے رہے اور کبھی جیل کی مصیبتوں سے نہ گھبرائے۔ بیوی کا انتقال بھی ایام قید میں ہوا۔ جو کارخانہ چلایا وہ تحریک کی نظر ہوا۔ بٹوہ کا کام کیا وہ نظر بندی نے ختم کیا۔ اور مالی اعتبار سے تباہ ہوگئے۔ آپ جمعیۃ العلماء ہند کے سکرٹری کئی سال رہ چکے ہیں۔ اور اب آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر ہیں۔

میر مشتاق احمد آپ کی جیل یاترا آبائی چیز ہے۔ آپ کے والد میر عبدالستار بھی کانگریسی لیڈر تھے۔ امرانبالہ میں رہ چکے تھے۔ اسٹوڈنٹس، اور دیہاتی سیاسی کاموں سے آپکو دلچسپی ہے۔ نیو دہلی کے سیاسی نمائندہ ہیں۔ نیو دہلی میں جو کچھ سیاسی زندگی پائی جاتی ہے اس میں آپ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ آپکی جیل کی زندگی خوددارانہ اور بیباکانہ رہی ہے۔

میمو بائی آپ عورتوں کی تنظیم اور ان میں اصلاح کے جذبہ کو زندہ کرنے کی حامی ہیں۔ دن رات عورتوں میں کام کرتی ہیں، انمیں قومی ذہنیت پیدا کرنا آپکا کام ہے۔ تمام اسی کاموں میں گزاری کافی عمر کا حصہ جیل میں کاٹا۔

نرائنم | آپکا پورا نام بدیتہ نرائنم ہے۔ آپ ہندوستان ٹائمز ویکلی کے اڈیٹر ہیں لطیف طبیعت اور سنجیدہ عادت کے مالک ہیں قابلیت کے مالک ہیں طبیعت و لیاقت کے اعتبار سے اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ بہترین انگریزی ادیب ہیں معلومات کا گنجینہ ہیں۔

بدھ ویر سنگھ | دہلی کانگریس کمیٹی ۱۹۳۶ء کے صدر رہ چکے ہیں۔ دہلی میونسپل کمیٹی کے ممبر ہیں۔ کانگریس کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے۔ ہومیوپیتھک کے اچھے ڈاکٹر ہیں۔ پُر مذاق آدمی ہیں رجعت پسندی سے آگے نہیں بڑھتے۔

"جیل کے اہم ساتھی"

مذکورہ پچاس اشخاص وہ لوگ ہیں جو دہلی سے گرفتار ہو کے نظر بند کئے گئے اور دہلی کے نظر بند کہلائے۔ دہلی کے کل نظر بند تقریباً اسی سے تھے بقایا حضرات کے حالات سے واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے کچھ نہ لکھا جا سکا ذیل میں ان حضرات کا ذکر ہے۔ جن سے جیل کی زندگی میں واسطہ پڑا۔ اگرچہ یہ لوگ دہلی کے نظر بند نہ تھے۔ لیکن ان کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں بعض وہ حضرات بھی ہیں جو دہلی کے ہیں لیکن نظر بند نہیں بلکہ پولٹیکل قیدی کی حیثیت سے جیل کے ساتھی رہے۔

امی لال | چراغ دہلی کے رہنے والے دیہات کے سیاسی کارکن ہیں۔ دو تین مرتبہ سزا پا چکے ہیں ۱۹۴۲ء میں علاقہ چراغ دہلی میں رہنے کی پابندی کو توڑنے کے جرم میں دو سال کی سزا ہوئی تھی آپ صوبہ دہلی فارورڈ بلاک کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر ہیں۔

درگا داس کھنہ | آپ لاہور کے مشہور ایڈوکیٹ ہیں۔ عرصہ ہوا آپکو پولٹیکل معاملہ میں پھانسی کی سزا کا حکم ہوا گیا تھا لیکن عدالت ہائیکورٹ

نے اس کو مسترد کر دیا تھا۔ آپ سکورٹی قیدی تھے۔ آپ شاعر بھی ہیں گیتا کو نظم
میں ڈھال دے رہے ہیں۔ آپ کا یہ کارنامہ زندہ جاوید ثابت ہوگا۔ آپکی رہائی کا
عجیب کا واقعہ آپ نے اسی جلد میں پڑھا ہوگا۔ جو آپ کی حب الوطنی اور اعلیٰ
کریکٹر کا زندہ ثبوت ہے۔ آپ انتہائی خلیق منکسر المزاج اور دوست نواز ہیں۔

سیراج مہاجن

سیالکوٹ کانگریس کمیٹی کے صدر، زندہ دار گفتگو کرنیوالے
غیور طبیعت اور دوست پرست ہیں۔ زندگی کا کافی
حصہ جیلوں میں گذارا اور جیل کی لاٹھیوں کا بھی نشانہ بنے۔ تاریخ جرم و سزا کا دوسرا
حصہ آپ کی اعانت کا مرہون منت ہے۔ آپ نے چنڈی داس جی کی بہترین
تصنیف ارسال کر کے پولیٹیکل قیدی کے عنوان میں چار چاند لگا دیئے۔
مؤلف آپ کا ممنون ہے۔

نرندر ناتھ جوہر

آپ پرانے دہلی کانگریس کمیٹی کے ڈکٹیٹر ہیں۔ اٹل ارادے
اور مضبوط طبیعت کے مالک ہیں ۱۹۳۲ء میں آپ پر
گوپال داس اسپیشل سپرنٹنڈنٹ سی آئی ڈی دہلی نے مقدمہ چلایا کہ جوہر صاحب
نے مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر حملہ کیا۔ یہ مقدمہ ڈیڑھ سال تک چلتا رہا
اس کو عدالت ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے خارج کیا جارج کے نام سے
جانے جاتے ہیں۔

...ار

پروفیسر کمار لاہور کے زنانہ کالج کی پروفیسری کر رہے تھے کہ ۱۹۳۲ء میں
پنجاب صوبہ کی سوشلسٹ پارٹی کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے نظر بند
کئے گئے۔ آپ اعلیٰ سیرت کے ساتھ اعلیٰ صورت کے بھی مالک ہیں انتہائی متین

سنجیدہ اور مجسم اخلاق ہیں۔ سیاسی ذہنیت و بصیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے آپ کی نظر بندی کے زمانہ میں آپکا گھر مصائب و آلام کا شکار رہا۔ آپ کے بعد گھر کا دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ آپ اب بھی انبالہ میں نظر بند ہیں۔

گربراج گاندھی جی کے آشرم کے پرانے رہنے والے، گاندھی ازم کے شیدائی اور سیدھے سادے فلسفے کے حامی ہیں۔ بھولی بھالی باتیں کرتے ہیں یہ یقین کسی کو نہیں آتا کہ یہ حضرت پروفیسر ہیں۔ اور پڑھے لکھے آدمی ہیں دو سال کی سزا لیکر آئے۔ میڈیکل آفیسر سے تعلقات رکھنا پسند کرتے تھے۔

گنڈا مل شرما پرانے کانگریسی۔ شملہ میں سیاسی زندگی پیدا کرنیوالے۔ صاف گو اور ایماندار آدمی ہیں۔ آپ ہی کے سامنے جیل کے تمام جھگڑے فیصل ہونے کے لئے لائے جاتے تھے۔ آپ جیل کے جج تھے۔ پولیٹیکل قیدی کی حیثیت سے جیل میں زندگی گذاری۔ آپ کے ہمراہ آپ کے صاجزادے ورندر نظر بندی کے ایام پورے کر رہے تھے۔

منشی عبدالقدیر نڈر، حق گو، مصیبت سے محبت کرنیوالے جیل میں دوڑ دوڑ کے جانے والے، اصول پسند، پکے قوم پرست حکومت کے دشمن اور بہترین جغرافیہ داں ہیں۔ ان سے جیل افسران پناہ مانگتے تھے۔ دائم المریض ہیں اور جیل والوں کی غفلت سے کمزور ہو گئے ہیں۔

محبوب علی ضیا پہلی بار جیل گئے لیکن جیل میں ایسے رہے کہ جیسے پرانے جیل ہیں ہر چیز سے باخبر ہر چیز پر حاوی۔ کیپٹن انچارج نے تو اسکو سے چیلا! ایرمیل کے ڈاک کئے تھے اسی جرم میں رہائی کے وقت پولیس کے حوالے کئے گئے اور

۱۲۹ میں کچھ دن رہنے کے بعد چھوڑ دے گئے۔

مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانہ کے مشہور عالم خاندان کے منور چراغ اور عالم باعمل ہیں۔ جمعیتہ العلماٴ کی نظامت پر عرصہ تک متمکن رہے اور ملکی تحریکوں میں حصہ لینے کے جرم میں سزائیں پائیں۔ آپ آجکل ۴۲ء کی نظر بند کی حیثیت سے انبالہ جیل میں نظر بند ہیں۔ آپکے ساتھ پانچ ماہ کا عرصہ بڑے اطمینان سکون سے گذرا آپنے قرآن مجید کا ہندی میں ترجمہ کا کام جیل میں شروع کر رکھا ہے۔ خدا تعالیٰ کامیاب کرے۔ آپ آجکل جیل میں بیمار ہیں۔

مولانا حاجی خیر محمد جھجر ضلع رہتک کی کانگریس کمیٹی کے صدر اور پرانے قومی ورکر ہیں ہوٹی وہی کے مالک ہیں۔ ہمدردانہ طبیعت رکھتے ہیں۔ آپ کے ہی دیوان داغ۔ کلیات اکبر۔ دیوان غالب انبالہ کی مدت نظر بندی میں مطالعہ میں رہے ہے۔

مہندر بہاری لال بھٹناگر فاروڈ بلاک کے شیدائی پرجوش اور مخلص کارکن۔ سانولے سلونے سڈول جسم والے شعریت میں ڈوبے ہوئے اچھے شاعر اور خوش گلو خوش مزاج نوجوان ہیں پہلے دستگیر بادہ قبضہ سے نکلنے کے الزام میں مقدمہ چلا اس کے خارج ہو جانے کے بعد بلیلی منبر، کے قبضہ سے نکلنے کے الزام میں دو سال کی سزا پاکر فیروز پور کیمپ جیل بھیجے گئے یہاں شاعروں میں چمکنے کا کام انجام دینا شروع کیا۔

امداد صابری یکم جون ۴۳ء

امداد صابری پبلشر چوڑیوالان دہلی نے بمبئی جوب پریس میں تاریخ جرم و سزا کا پہلی جلد کا دوسرا حصہ تقسیم کرایا۔

آزاد ہند فوج کا البم

آزاد ہند فوج، آزاد ہند حکومت، اور آزاد ہند لیگ کے ع
اور افسران کے اسی کے قریب فوٹو آرٹ پیپر پر دیکھئے۔ ج
اور لاثانی چیز ہے۔ اور ہر گھر میں رکھنے کے قابل ہے۔

قیمت تین روپے

سوبھاش بابو جاپان کس طرح گئے؟

ہندوستان سے نیتاجی پشاور کس طرح پہنچے۔ اس کی دا
دمکمل مسٹر اتم چند کی زبانی سنیئے۔ جو سوبھاش بابو کے کابل
میزبان تھے۔ اس میں کابل میں ۶۷ روز قیام اور اٹلی کے سفیر
تعلقات قائم کرنے اور کابل سے جانے کا بھی ذکر ہے۔ قیمت

سوبھاش بابو کی تقریریں

جرمنی میں سوبھاش بابو نے آزاد ہند فوج کس طرح بنائی اس کا کیا پرو
اور جرمنی جاپان میں سوبھاش بابو نے کیسی جادو بھری تقریریں کیں
آگ لگانے والے لیکچر دیئے۔ یہ آپ پڑھئے۔ قیمت دو روپے

ملنے کا پتہ:- منیجر ادارہ صابری۔ چوڑیوالان دہلی

جلد دوم حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نوحؑ - ابراہیمؑ قوم عاد - قوم لوط فرعون بنی اسرائیل، حضرت عیسٰیؑ اور زمانۂ جاہلیت عرب میں کیا سزائیں دیجاتی تھیں - اور حضور اقدس نبی کریمؐ اور خلفائے راشدین نے سزاؤں کا نظریہ کیا رکھا - عدل و انصاف کی کیسی مثالیں قائم کیں یہ آپ تاریخ جرم و سزا جلد دوم میں ملاحظہ فرمایئے - قیمت تین روپے -

جلد سوم انگلستان کے عہد قدیم میں سزاؤں کا نظریہ کیا تھا - کیسی ظالمانہ وجابرانہ سزائیں دی جاتی تھیں - اور بادشاہتیں کس قدر مطلق العنان بے اصولی ڈکٹیٹرانہ اختیارات سے کام لیتی تھیں - ان کی خواہشات کسی ضابطہ وقاعدہ کی متحمل نہ تھیں - زبان وخواہش قانون تھا - بربیت فتنہ کا گڑھ بنا ہوا تھا - یہ اگر آپکو دیکھنا ہے اور انگریزوں کے اس دعوے کی کہ وہ تمام دنیا کو مہذب بنانیوالی ہمیشہ کی مہذب قوم ہے، کی حقیقت معلوم کرنی ہے تو آپ تاریخ جرم و سزا جلد سوم دیکھئے اور اندازہ لگایئے کہ تہذیب کی دعویدار انگریز قوم اٹھارہویں صدی تک کیسی بہیمانہ سزائیں کے دینے کی مرتکب ہوتی رہی ہے -

اس مستند تاریخ کی تمام جلدیں پڑھنے کے بعد آپ یہ کہنے پر مجبور ہونگے کہ تمام قوموں میں غیر مہذب قوم انگریز ہے اور انگریز کو کسی دوسری قوم پر اعتراض کرنے اور مذاق اڑانے کا قطعاً حق حاصل نہیں ہے -

قیمت ساڑھے تین روپے

ملنے کا پتہ :- امداد صابری پبلشر چوڑیوالان - دہلی